

سلسله مباحث مهدویت

امامت اور غیبت

غیبت کبریٰ، صغریٰ
اور
ہماری ذمہ داریاں

مولف: استاد علی اصغر رضوانی

مترجم
فیروز حیدر فیضی ھندی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امامت اور غیبت

غیبت: صغریٰ، کبریٰ

اور

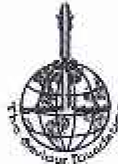
ہماری ذمہ داریاں

سلسلہ مباحث مہدویت

مؤلف:

حجۃ الاسلام والمسلمین جناب علی اصغر رضوانی دام ظلہ

مترجم: حجۃ الاسلام والمسلمین جناب فیروز حیدر فیضی ہندی



انتشارات مسجد مقدس جمکران

نام کتاب: امامت اور غیبت، غیبت: صغریٰ، کبریٰ اور ہماری ذمہ داریاں
تالیف: حجۃ الاسلام والمسلمین جناب علی اصغر رضوانی دام ظلہ
مترجم: حجۃ الاسلام والمسلمین جناب فیروز حیدر فیضی ہندی
تصحیح: حجۃ الاسلام والمسلمین جناب سید بابر حسین کاظمی
ناشر: انتشارات مسجد مقدس جمکران با سفارش موسسۃ المنجی
تاریخ نشر: فروری ۲۰۰۸
تعداد: ۳۰۰۰ جلد
مطبع: اسوہ
شابک: ۹۷۸ _ ۹۶۴ _ ۹۷۳ _ ۱۲۷ _ ۸

Tel:0098 9127585273 Sbhk786@Yahoo.Com

فہرست مطالب

پہلا حصہ:

امامت اور غیبت

دوسرا حصّہ :

غیبت صغریٰ

تیسرا حصہ:

غیبت کبریٰ

چوتھا حصہ:

زمانہ غیبت میں ہماری ذمہ داریاں

مقدمہ

خدایا! ہم تیری حمد وثنا سے آغاز کرتے ہیں اور تو ہی اپنے فضل وکرم سے راہ راست کی ہدایت کرنے والا ہے۔

عصر حاضر کی منجملہ مشکلات میں سے ایک عقیدہ اور آئیڈیل کا فقدان ہے اور آج کی مادیت میں غرق رہنے والی انسانیت کے درمیان معنویات کا خاتمہ ہو چکا ہے جس کی بنا پر آج کا انسان تمام اجتماعی مشکلات میں گرفتار رہتے ہوئے عدل وانصاف اور ایک آئیڈیل اور کامل انسان کی تلاش میں حیراں و سرگرداں ہے بالخصوص اکثر یورپین ممالک اور بڑا اعظم امریکا وافریقہ کا معاشرہ ان حالات سے دوچار ہے۔

چونکہ میرا اکثر تبلیغی سفران ممالک میں ہوتا رہتا ہے، اس کا میں نے نزدیک سے مشاہدہ کیا اور بعض افراد نے اس قسم کی مشکلات گوش گزار کیں اگر چہ آج کی دنیا میں ہر شخص ہر میڈیا بلکہ ہر ملک نے خود کو حقوق بشر، آزادی خواہی اور عدل وانصاف پر مشتمل حکومت کا زبانی اور کھوکھلے دعوؤں اور نعروں سے اس فضائے عالم کو پُر کر دیا ہے۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ مصلح اعظم اور منجی موعود کے ظہور کا آفاقی نظریہ جو آخری زمانہ میں

ظاہر ہو کر ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا میں عدل و انصاف قائم کرے گا اور تمام ظلم و جور کا خاتمہ کرے گا یہ ایک ایسا عالمی طرز فکر ہے کہ جس پر دنیا کے الٰہی ادیان والے اربوں افراد (یعنی یہودی، مسیحی اور مسلمان) بھرپور عقیدہ وایمان رکھتے ہیں اور اکثر اقوام و ملل اس کے پابند ہیں مثلاً یہودی اس مسئلہ پر ایمان رکھتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ کے واپس ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، زرتشتی بہرام شاہ کے لوٹنے کے انتظار میں ہیں اور حبشہ کے مسیحی اپنے بادشاہ تھیوڈور کے منتظر ہیں۔ ہندو وشنو کی بازگشت کے انتظار میں ہیں بودھ مت بودھا کے منتظر ہیں ہسپانوی اپنے بادشاہ روزریق کے اور مغل افراد اپنے لیڈر چنگیز خان کے۔

نیز قابل ذکر یہ ہے کہ جس طرح یہ عقیدہ قدیم مصریوں کے ہاں موجود ہے اسی طرح قدیم چینیوں کی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اسی طرح مغربی دنیا کے بڑے بڑے فلاسفرز کے ہاں بھی اس صراحت کا بخوبی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ دنیا ایک ایسے مصلح اعظم کے انتظار میں ہے جو اپنی الٰہی حکومت قائم کر کے تمام لوگوں کو ایک نعرے اور ایک پرچم تلے جمع کرے گا۔

مشہور انگریز فیلسوف برٹرینڈ راسل قائل ہے: ''دنیا ایک ایسے مصلح و منجی کے انتظار میں ہے جو تمام عالم کو ایک نعرے اور ایک پرچم تلے جمع کرے گا''۔

اینشٹائن کا قول ہے: ''وہ دن دور نہیں ہے کہ جب پوری دنیا پر صلح و آشتی کی حکمرانی ہوگی اور لوگ آپس میں محبت والفت کے ساتھ زندگی بسر کریں گے''۔

ان کے علاوہ مایہ ناز فیلسوف برنارڈ شو نے بھی اپنی کتاب ''انسان اور سوپرمان'' میں ایک عظیم ترین مصلح کے آنے کی خوش خبری دی ہے۔

مزید بر آں تیسری صدی ہجری سے یعنی زمانۂ غیبت سے لے کر آج تک علمائے اہل سنت کی ایک کثیر تعداد نے واضح طور پر کہا ہے کہ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ متفق علیہ ہے یہاں تک کہ ان کے بعض مفتیوں کا فتویٰ یہ بھی ہے کہ ظہور مہدیؑ کے منکر کا قتل واجب ہے۔

انہی جیسی بحثوں کو عصر حاضر کے مشہور رائٹر حجۃ الاسلام والمسلمین علی اصغر رضوانی دام ظلہ نے امامت وغیبت، غیبت صغریٰ و کبریٰ اسی طرح عصر حاضر میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں اور اس سلسلہ میں جدید ترین شبہات و اعتراضات کے مدلل جوابات کے ساتھ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن وعترت کے صاف وشفاف تعلیمات کی پیاسی ہے اسے سلیس فارسی زبان میں پیش کیا۔

جسے دنیا بھر کے اردو زبان افراد کے سامنے پیش کرنے اور رضائے مولا حاصل کرنے کی غرض سے ایک ادارہ بنام منجی قائم کیا ہے تاکہ وہ اسے اور اسی طرح کے اور بھی دوسرے ثقافتی امور انجام دے۔

اور ہمیں یہ یقین ہے کہ عقل وخرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر تعلیمات اہل بیتؑ کی تہذیب وثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علم بردار خاندان نبوت ورسالت کی دائمی میراث، اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچا دی جائے تو اخلاق وانسانیت کی دشمن، انانیت ونخوت کی شکار، سامراجی خونخواروں کی نام نہاد تہذیب وثقافت اور عصر حاضر کی بظاہر ترقی یافتہ، تعلیمات اہل بیتؑ سے دور رہ کر جہالت میں بسر کرنے والی تھکی ماندی آدمیت کو، امن ونجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام زمانہؑ کی عالمی حکومت کے استقبال کے

لیے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

ہم اپنے اس ابتدائی مرحلہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں میں مصروف بزرگوں، دوستوں اور واسطۂ خیر قرار پانے والوں کے صمیم قلب سے شکرگزار ہیں بالخصوص محترم مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین فیروز حیدر فیضی صاحب اسی طرح اس ادارہ کی سرزمین قم پر نمائندگی کرنے والے اپنے مخلص اور شب و روز انہماک کے ساتھ ان امور کے ابتدائی مراحل کو طے کرنے کے لیے تگ و دو میں مصروف حجۃ الاسلام والمسلمین سید باہر حسین کاظمی صاحب کا میں تہ دل سے شکرگزار ہوں۔

آخر میں ہم منجی موعود کے موفور السرور تعجیل ظہور کے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہیں۔

والسلام

سید علی رضا رضوی

سرپرست اعلیٰ موسسۃ المنجی

پہلا حصّہ

امامت اور غیبت

امامت وغیبت

پیش گفتار

مسئلہ امامت شیعوں کے نزدیک اہم کلامی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ شمار کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک اختلافات میں سے جو اختلاف کی بنیاد ہے وہ اس امام کی ذات کی وجہ سے ہے کہ جس کی اطاعت واجب تسلیم کی گئی ہے اور بقیہ دوسرے اختلافات کی بازگشت بھی اسی مسئلہ (امامت) کی طرف ہوتی ہے۔

شیعہ اثنا عشری، امامی شیعوں کے اہم ترین فرقوں میں سے ایک ہے بلکہ آج کی دنیا میں صرف وہی بنیادی فرقہ شمار ہوتا ہے۔ اس فرقہ نے بارہ امامؑ پر ایمان واعتقاد رکھنے پر ان نصوص وروایات پر اعتماد کیا ہے کہ جنہیں پیغمبر اکرمؐ نے خداوند متعال کی جانب سے تاکید کے ساتھ بیان فرمایا اور اس کی آخری فرد حضرت امام مہدیؑ ہیں، ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ

وہ زندہ ہیں اور اپنے ظہور کے لیے امر الٰہی کے منتظر ہیں۔

یہ تفصیلات انسان کو کبھی ایسے سوالات سے روبرو کرتی ہیں کہ کیا امام زمانہؑ کی غیبت میں امام معصومؑ کی وہ ذمہ داری جو شیعہ معین کرتے ہیں ان میں تضاد پایا جاتا ہے؟

ہم چاہتے ہیں کہ اس بحث میں اس موضوع کو اور اس کے اعتراض و جواب کی تحقیق کو واضح طور پر بیان کریں۔

لیکن ہر چیز سے پہلے غیبت کی روایتوں کی طرف ایک اشارہ کرتے ہیں۔

امامؑ کی غیبت پر گواہی

ائمہ معصومینؑ میں سے ہر ایک نے بارہویں امام حضرت مہدیؑ کی گواہی آخری زمانہ میں دی ہے۔ اب ان میں ہر ایک سے ہم ایک روایت نقل کرتے ہیں:

۱۔ رسول خداؐ کی گواہی

رسول خداؐ سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "...ثم يغيب عنهم امامهم و يكون له غيبتان، احداهما اطول من الاخرى...الحذر الحذر اذا فُقد الخامس من ولد السابع من ولدي" (۱) پھر ان لوگوں کا امام ان سے غائب ہو جائے گا اور اس کے لیے دو غیبتیں ہوں گی ایک غیبت دوسرے سے زیادہ طولانی ہوگی... اس وقت سے بچو، بچو! جب میرے ساتویں فرزند کا پانچواں فرزند غائب ہو جائے۔

۲۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کی گواہی

امیر المومنین امام علیؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: " و ليبعثنّ الله رجلا من

ولدي يطالب بدمائنا ،و ليغيبنّ عنهم..." (۲)۔اور یقینی طور پر خداوند متعال میری اولاد سے ایک شخص کو بھیجے گا تا کہ وہ ہمارے خونوں کا بدلہ لے اور یقیناً وہ تمہارے درمیان سے غائب ہوگا۔

۱۔بحارالانوار،ج ۵۲،ص ۳۸۰۔

۲۔غیبت نعمانی،ص ۱۴۰،ح ۱۔

۳۔امام حسنؑ کی گواہی

امام حسنؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:" التاسع من ولد اخی الحسين ، ابن سيدة الاماء ،يطيل اللّه عمره فی غيبته ،ثم يظهر بقدرته فی صورة شابّ ذي اربعين سنة ، ذلک ليُعلم ان اللّه على كل شيئي قدير ".(۱)

میرے بھائی حسینؑ کی اولاد میں سے وہ نواں جو بہترین کنیزوں کے سردار کے بطن سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ غیبت کے زمانہ میں اس کی عمر طولانی کرے گا پھر جب وہ ظہور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے چالیس سال جیسے جوان کی صورت میں ظاہر کرے گا تا کہ دنیا والے جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

۴۔امام حسینؑ کی گواہی

امام حسینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:" قائم هذه الامة هو التاسع من ولدي ، وهو صاحب الغيبة ،و هو الذى يقسم ميراثه وهو حيّ"(۲)

اس امت کا قائم وہی میری اولاد میں سے نواں (امام) ہوگا، جو صاحب غیبت ہوگا اور

اس کی ذات وہ ہے کہ جس کی میراث اس کی زندگی ہی میں تقسیم ہو جائے گی۔

۵۔امام زین العابدینؑ کی گواہی

امام سجادؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:" انّ للقائم منّا غیبتین: احد اھما اطول من الأخری... و امّا الأخری فیطول امدھا حتیٰ یخرج من ھذا

۱۔کمال الدین، ج۱،ص۳۱۵، ح۲۔ ۲۔کمال الدین، ج۱،ص۳۱۷، ح۳۔

الامر اکثر من یقول به ،فلایثبت علیه الّا من قوّی یقینه و صحّة معرفته و لم یجد فی نفسه حرجا ممّا قضینا و سلّم لنا اھل البیت " (۱)یقیناً ہم میں سے قائم کے لیے دو غیبتیں ہوں گی ایک غیبت دوسری سے زیادہ طولانی ہوگی اور دوسری غیبت کی مدت اتنی طولانی ہوگی کہ اکثر لوگ جو اس کی امامت کے قائل ہوں گے وہ بھی اس سے پھر جائیں گے اور اپنے قول پر وہی ثابت رہے گا جس کا یقین قوی اور صحیح معرفت ہوگی اور جو کچھ ہم نے کہہ دیا ہے اس میں اس کو کوئی شک نہ ہوگا اور ہم اہلبیت کو مکمل طور پر تسلیم کرتا ہوگا۔

۶۔امام باقر علیہ السلام کی گواہی

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام باقر علیہ السلام سے آیۂ"قل أرء یتم ان اصبح مآؤکم غورا فمن یاتیکم بمآء معین" (۲)(اے رسول!) کہہ دو ذرا غور تو کرو کہ اگر تمہارا پانی گہرائیوں میں چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے چشمے کا پانی لائے گا۔کے ذیل میں فرمایا:" ھذه نزلت فی القائم (الامام) یقول: ان اصبح امامکم غائبا عنکم لا تدرون این ھو، فمن یاتیکم بامام ظاھر یاتیکم بأخبار السماء

و الارض و حلال اللہ عزّوجلّ و حرامہ. ثم قال علیہ السلام : واللّٰہ ما جاء تاویل ھذہ الآیۃ و لا بدّ ان یجیی تاویلھا "(۳)

(یہ آیت امام قائمؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے: جب تمہارا امام تم میں سے غائب ہو جائے گا اور تمہیں معلوم نہ ہوگا کہ وہ کہاں ہے تو پھر کون ہے

۱۔ کمال الدین، ج۱، ص۳۲۳، ح۸۔

۲۔ سورۂ ملک،۳۰۔ ۳۔ کمال الدین، ج۱، ص۳۲۵، ۳۲۶۔

جو تمہارے لیے امام کو ظاہر کرے گا تاکہ تمہیں آسمان و زمین کی خبریں بتائے اور خداوند متعال کے حلال و حرام کی خبر دے پھر آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! ابھی اس آیت کی تاویل نہیں آئی ہے، مگر اس کی تاویل کا آنا حتمی و یقینی ہے)۔

۷۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی گواہی

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:" من اقرّ بجمیع الائمّۃ و جحد المھدي کان کمن اقرّ بجمیع الانبیاء و جحد محمداً بنبوّتہ ،فقیل لہ: یابن رسول اللّٰہ! فمن المھدی من ولدک ؟قال :الخامس من ولد السابع یغیب عنکم شخصہ و لا یحلّ لکم تسمیتہ"(۱)

جو شخص تمام ائمہ کی امامت کا اقرار کرے مگر امام مہدیؑ کا انکار کرے تو وہ اس شخص کے مانند ہے کہ جس نے تمام انبیاء کا تو اقرار کیا مگر حضرت محمدؐ کی نبوت سے انکار کیا۔

حضرت سے عرض کیا گیا: فرزند رسول! امام مہدیؑ آپ کی کس اولاد میں سے ہوں

گے؟ آپ نے فرمایا:

وہ ساتویں امام کے پانچویں فرزند ہوں گے جو جسمانی طور پر تم لوگوں کی نظروں سے غائب رہیں گے ان کا نام لینا تمہارے لیے جائز نہ ہوگا۔

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۳۳۳، ح ۱۔

۸۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی گواہی

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ یونس بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں امام موسیٰ کاظمؑ بن جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! کیا آپ قائم بالحق ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: " انا القائم بالحقّ و لکنّ القائم الذی یطهّر الارض من اعداء الله عزّوجلّ یملأها عدلاً کما ملئت جوراً و ظلماً هو الخامس من ولدي ،له غیبة یطول امدها..."(۱) "میں قائم بالحق ہوں، لیکن وہ قائم جو زمین کو دشمنانِ خدا سے پاک کریں گے اس کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی، وہ میرے پانچویں فرزند ہوں گے ان کی غیبت بہت طولانی ہوگی..."۔

۹۔ امام علی رضا علیہ السلام کی گواہی

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام رضاؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے دعبل کو مخاطب کر کے فرمایا: "...یا دعبل! الامام بعدی محمد ابني و بعد محمد ابنه علي و

بعد علي ابنه الحسن و بعد الحسن ابنه الحجة القائم المنتظر في غيبته، المطاع في ظهوره...".(۲)

"اے دعبل! میرے بعد میرا فرزند محمد، امام ہوگا اور محمد کے بعد اس کا فرزند، علی اور علی کے بعد اس کا فرزند، حسن اور حسن کے بعد اس کا فرزند، حجۃ القائم امام ہوگا۔ جن کی غیبت میں ان کا انتظار کیا جائے گا اور زمانہ ظہور میں واجب الاطاعت ہوں گے..."۔

ا۔کمال الدین، ج ۲، ص ۳۶۱، ح ۵۔ ۲۔کمال الدین، ج ۲، ص ۳۷۱، ح ۵۔

۱۰۔امام جواد (محمد تقی علیہ السلام) کی گواہی

صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالعظیم حسنی سے نقل کیا ہے کہ امام محمد تقیؑ نے مجھ سے فرمایا: "يا ابا القاسم! انّ القائم منّا هو المهدي الذي يجب ان ينتظر في غيبته و يطاع في ظهوره ،وهو الثالث من ولدي ..."(۱)

اے ابوالقاسم! ہم میں سے جو قائم ہوگا وہی مہدی ہوگا، جس کی غیبت میں اس کا انتظار کرنا واجب ہے اور زمانہ ظہور میں اس کی اطاعت فرض ہے اور وہ میری اولاد میں سے تیسرا فرزند ہوگا....

۱۱۔امام ہادی (علی نقی علیہ السلام) کی گواہی

صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہاشم داؤد بن قاسم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ابوالحسن صاحب عسکر کو فرماتے ہوئے سنا: " الخلف من بعدي ابني الحسن ،فكيف لكم بالخلف من بعد الخلف ؟فقلت :و لِمَ جعلني الله فداک ؟فقال:

لأنکم لا ترون شخصه و لا یحلّ لکم ذکره باسمه. فقلت :فکیف نذکره؟ قال:قولوا :الحجّة من آل محمد" (۲) میرے بعد میرا جانشین میرا فرزند حسن عسکری ہے۔ میرے فرزند حسن عسکری کے بعد جو خلف و جانشین ہوگا۔ جب اس کا دور آئے گا تو اس وقت تم لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ میں نے عرض کیا: یہ کیوں خدا! مجھ کو

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۳۷۷، ح ۱۔

۲۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۳۸۱۔

آپ پر قربان کرے؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ نہ تم لوگ اس کو دیکھ سکو گے، نہ ہی تمہارے لیے اس کے نام کا زبان پر جاری کرنا جائز ہوگا۔ میں نے کہا: پھر اس کا ذکر کیسے کریں؟

حضرت نے فرمایا: تم لوگ کہو: آل محمد میں سے حجت ہوگا۔

۱۲۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی گواہی

امام حسن عسکریؑ نے احمد ابن اسحاق کو مخاطب کر کے فرمایا: "...یا احمد بن اسحاق! مَثَله فی هذه الامّة مثل الخضر ،و مثله مثل ذی القرنین ، و الله لیغیبنّ غیبة لا ینجو فیها من الهلکة الا من ثبّته الله عزّوجلّ علی القول بامامته و وفّقه (فیها) للدعاء بتعجیل فرجه...". (۱)

"...اے احمد ابن اسحاق! (حضرت مہدیؑ) کی مثال اس امت میں خضر کی طرح ہے نیز اس کی مثال ذوالقرنین کی مثال ہے، خدا کی قسم! یقیناً اس کی ایسی غیبت ہوگی کہ جس میں ہلاکت سے صرف وہی نجات پائے گا جو اس کی غیبت میں اس کے تعجیل ظہور کی دعا کرتا

رہے..."۔

۱۳۔ امام زمانہ (ع) کی گواہی

امام زمانہؑ نے علی بن محمد سمری کی ایک توقیع میں فرمایا: "یا علی بن محمد سمری! اسمع، اعظم اللّٰہ اجر اخوانک فیک ،فانّک میّت ما بینک و بین ستّة ایّام ، فاجمع امرک و لا توص الی احد یقوم مقامک بعدوفاتک ،فقد وقعت الغیبة التامة ،فلاظھور الا بعد اذن اللّٰہ تعالیٰ ذکرہ ،و ذلک بعد طول الامد و قسوة القلب و امتلآء الارض جوراً..." (۱) "اے علی بن محمد سمری! سنو! اللہ تعالیٰ تمہاری وفات پر تمہارے بھائیوں کو صبرِ عظیم کا ثواب مرحمت فرمائے ،اس لیے کہ اب تمہاری موت چھ دن میں واقع ہو جائے گی لہٰذا تم اپنے تمام امور سمیٹ لو، اور آئندہ اپنی وفات کے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی وصیت نہ کرنا، کیونکہ اب مکمل غیبت واقع ہو چکی ہے اور اب ظہور، حکم خدا کے بغیر نہ ہوگا اور وہ بھی طولانی مدت کے بعد، کہ جب لوگوں کے دل سخت ہو جائیں گے اور زمین ظلم وجور سے بھر جائے گی..."۔

امامت کی تعریف

شیعہ و سنی علم کلام کی کتابوں کے مراجعہ سے نیز فلسفی و عرفانی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت کی تعریف میں دو تفسیر و اسلوب پائے جاتے ہیں:

۱۔ کلامی تعریف

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۳۸۳، ح ۱۔

کلامی تعریف میں امامت کے لیے جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ متکلمین کا اعتماد ریاست وزعامتِ اسلامی اور پیغمبر ؐ کی دینی و دنیوی امور سے متعلق ہوا کرتا ہے۔

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: ''امامت سے مراد جس شئے میں اس کی اطاعت واقتدا کا تقاضا موجود ہو، اس میں سبقت کرنا ہے''۔(۲)

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۵۱، ح ۱۔

۲۔ الافصاح فی الامامۃ، ص ۲۷۔

شیخ طبرسیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''لفظ امام سے جو کچھ ہمیں حاصل ہوتا ہے وہ دو شئے ہے: پہلی شئے یہ ہے کہ وہ لوگوں کے افعال ورفتار میں پیشوا اور امام ہوتا ہے۔ دوسری شئے یہ ہے کہ وہ ایسا شخص ہے جو امت کی تدبیر اور ان کی سیاست کا متولی وسرپرست نیز ان کے امور کو انجام دینے والا ہوتا ہے۔

مجرموں کو ادب سکھاتا ہے اور والیوں کو منصوب کرتا ہے، جو شخص حدود الٰہی کا مستحق ہے اسے جاری کرتا ہے اور جو شخص اسلام دشمن یا اس کے ساتھ حیلہ اور چال بازی کرتا ہے اس سے مقابلہ کرتا ہے''۔(۱)

علامہ حلّیؒ فرماتے ہیں: ''امامت تمام لوگوں پر کسی ایک شخص کے لئے دینی یا دنیوی امور میں ریاست وحکومت کا نام ہے''(۲) آپ نے شرح باب حادی عشر میں 'نیـــــــابة عن النبی ''نبی کی طرف سے نیابتاً ہو'' کا اضافہ کیا ہے۔(۳)

۲۔ فلسفی وعرفانی تعریف

فلاسفہ اور عرفاء نے امامت کی دوسری تعریف بیان کی ہے اور وہ یہ کہ امامت نبوت ہی

کی طرح ایک الٰہی منصب ہے اور ان دونوں کے درمیان سوائے وحی کے کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ امامت وحی الٰہی اخذ کرنے کے علاوہ نبوت کی تمام ذمہ داریوں کو نبھانے کا نام ہے۔ نیز انسان کے مطلوبہ کمال اور ان کے باطنی نفوس میں ایک قسم کا دخل رکھنا ہے۔ اس امامت کی گذشتہ تعریف کے مطابق کہ وہ دینی و دنیوی امور میں ریاست و حکومت کا نام ہے

۱۔ مجمع البیان، ج ۱، ص ۳۷۷۔ ۲۔ نهج المسترشدین، ص ۹۲۔

۳۔ النافع لیوم الحشر، ص ۹۳۔

وہ امامت کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری شمار ہوتی ہے ورنہ امامت نبوت ہی کی طرح تمام درجات میں بلند مرتبہ ہے۔

اس تعریف کے مطابق، فرقۂ امامیہ اور دوسرے مذاہب کے درمیان مسئلہ امامت کے سلسلہ میں امام کے شرائط میں اختلاف نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کی بازگشت امامت کے منفی یا مثبت ہونے میں ہے۔ یعنی شیعہ امامت کا اس معنی میں اعتقاد رکھتے ہیں اور دوسرے اس کے منکر ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم امامت کی تعریف میں متکلمین کی تعریف پر اکتفا کریں تو امامت کو اصول دین کا جز شمار نہیں کر سکتے، بلکہ اہل سنت کے قول کے مطابق امامت کو فروع دین کا جز کہلانے کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ لہذا شیعہ متکلمین اپنی امامت کی تعریف میں اس طرح سے تاویل بیان کرتے ہیں:

ہم نے دوسرے اسلامی مذاہب سے ہم آہنگ ہونے کے لیے امامت کی تعریف یوں بیان کی ہے، نہ یہ کہ ہم ان کی تعریف کے پابند ہو جائیں۔

اس سے بھی بالاتر مسئلہ یہ ہے کہ شیعہ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ مقام امامت،

مقام نبوت سے بالاتر ہے، اگر چہ بعض انبیاء جیسے رسول اکرمؐ دونوں منصب پر فائز تھے وہ لوگ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے آیہ ابتلاء (و اذابتلی!) سے متمسک ہوئے ہیں، اس لیے کہ خداوند متعال نے اس آیت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نبی کا امتحان لینے کے بعد انہیں مقام امامت سے سرفراز فرمایا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام ''امامت'' مقام نبوت اور الٰہی امتحان سے بالاتر ہے۔

وہ تعریف جو امامت کی علامہ طباطبائیؒ نے پیش کی وہ یہ ہے کہ: امامت وہ ہے کہ انسان اس طرح زندگی گزارے کہ دوسرے افراد اس کی اقتدا کریں اور لوگ اپنے کردار و گفتار کو اس کی اطاعت کے مطابق تطبیق دیں۔

اس تعریف کے مطابق امامت ایک ایسی ماوراء حقیقت کا نام ہے کہ جس کے نتیجہ میں مقام اطاعت یا دین و دنیا کی ریاست یا زمین میں وصایت و خلافت اور پیغمبرؐ کا لوگوں کے درمیان حکومت کرنے کے معنی میں ہے۔(۱)

علامہ طباطبائیؒ کے نزدیک امامت کے عمیق معنی اس بات میں ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: امامت کے لیے ایک باطن ہے کہ وہی باطن لوگوں اور ان کے کردار پر ولایت و حکومت ہے۔

اور یہ باطنی ہدایت ایصال الی المطلوب (یعنی منزل مقصود تک پہنچانے) کے علاوہ کوئی اور شئے نہیں ہے، ہاں جس چیز میں ظاہری ہدایت کے ساتھ بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے وہ اس کی تعبیر میں پایا جاتا ہے، یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو امام سے مخصوص نہیں ہے۔

امامت کے اس دقیق عرفانی معنی کے ضمن میں یہ حقیقت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ ہر زمانہ میں انسان، معصوم کامل کا ہر جہت سے محتاج ہوتا ہے۔

دونوں تعریف کے درمیان یک جہتی

مختصر دقت کے ساتھ ہم ان دونوں تعریف کے درمیان وجہ مشترک ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ا۔ امامت کا مفہوم عالم فعل و اثبات میں (نہ کہ عالم واقع اور ثبوت کے اعتبار سے)

ا۔ المیزان، ج۱، ص۲۷۱۔

ایک ایسا مفہوم ہے جو تکامل و ترقی کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ قدماء متکلمین کی تحقیق و تلاش کے نتیجہ میں جو آج یہ مفہوم امامت واضح ہوا ہے؛ واضح نہیں ہوا تھا۔ اور اس بات کی مجموعی حیثیت سے چند عوامل کی طرف بازگشت ہوتی ہے۔

خواہ اس کی جہت یہ رہی ہو کہ بزرگوں کا شیوہ یہ رہا ہو کہ اہل سنت کے طریقہ پر عمل اور اس فکر کو اخذ کیا ہو جس کے نتیجہ میں یہ تعریف کی ہے۔

اس مطلب پر یہ بات گواہ ہے کہ بہت سے امور جو پہلے غلو شمار کیے جاتے تھے وہ آج امامت کی ضروریات میں شمار کیے جاتے ہیں، جیسا کہ علم رجال اور تراجم و حالات زندگی میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ حقیقت میں ان دونوں تعریف کے درمیان کوئی تضاد نہیں پایا جاتا بلکہ پہلی تعریف امامت کے لیے صحیح ہے لیکن دوسری تعریف میں امامت کی تعریف اور مقام امام کے درمیان خلط ملط ہو گیا ہے۔

دونوں تعریف، امامت کے شایان شان اور موافق ہے۔ لیکن یہ شان و منزلت در

حقیقت امام کی تعریف کے مطابق نہیں ہے بلکہ امامت کی ایک تعریف ہے، یہ کہ ہم اس طرح کہیں: امامت سے مراد دین ودنیا کے امور میں عمومی ریاست وحکومت ہے، لیکن یہ کہ امامت الٰہی منصبوں میں سے ایک منصب ہے اور اس کو بھی قبول کرتے ہیں۔

۳۔ان دونوں تعریف کے درمیان جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ یہ کہ ہم یہ کہیں: کلی طور پر کلامی اور فلسفی وعرفانی روش کے درمیان بنیادی فرق اور اختلاف پایا جاتا ہے۔اس اختلاف اور فرق کی بازگشت صرف مفہوم امامت کے تبدیل ہونے میں نہیں ہے بلکہ اس کی بازگشت دو طرح کے ماحصل کے طریقہ پر ہے، اس لیے کہ کلامی روش میں دینی معارف تک رسائی حاصل کرنا عقل اور عقلی استدلال پر اعتماد کی بنا پر ہوتا ہے، جبکہ فلسفی وعرفانی روش میں ہوتا یہ ہے کہ صرف عقل اور عقلی استدلال پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہوتا اور وہ انسان کو اپنے ہدف اور اشیاء کی حقیقت تک نہیں پہونچا سکتا۔یہ دو قسم کے جداگانہ نظریے ہیں اور صرف اختلاف تعریف میں نہیں پایا جاتا۔

عارف وفلسفی، اہل اشراق وکشف ہیں اور وہ اس کے درپے ہیں کہ حقائق امور تک عقلی راستے سے اور ان کی حقیقت تک باطنی شہود وادراک واکتشاف سے پہونچا جائے، ایسا راستہ کہ جس میں خطا ولغزش کا ہرگز وجود نہ ہو۔

ضرورتِ امامت اور اس کے وجوب کی دلیلیں

شیعہ اثنا عشری، امامت کو عقلاً واجب جانتے ہیں، اشاعرہ اسے صرف نقلی دلیل سے واجب شمار کرتے ہیں۔اور معتزلہ فرقہ کا ایک گروہ اسے عقلی ونقلی دونوں دلیلوں سے واجب سمجھتا ہے۔

شیعہ متکلمین نے ضرورت امامت اور اس کے واجب ہونے پر عقلی دلیلیں قائم کی ہیں۔ جسے ہم نے اسے اپنے مقام پر اشارتاً ذکر کر دیا ہے، جیسے دلیل قاعدہ لطف، تحفظ شریعت کا وجوب، احکام شریعت بیان کرنے کی ضرورت وغیرہ۔

دوسری طرف سے امام کے لیے عصمت جیسے صفات کے قائل ہیں اس لیے کہ عصمت امام، قاعدۂ لطف کے تقاضے کے مطابق تھی نیز اس کی ذمہ داری جو اسلامی شریعت کا تحفظ اور اس کے احکام کو بیان کرنے سے موافقت رکھتی ہے۔

غیبت امام کے مشکل ہونے کی تحقیق

وہ اعتراض جو شیعہ اثنا عشری کے نظریہ امامت پر غیبت امام عصرؑ کے عقیدہ کے متعلق درپیش ہوتا ہے وہ امامت کی گزشتہ دونوں تعریف کی بہ نسبت وارد ہوتا ہے جسے ہم یہاں بیان کریں گے:

ا۔ متکلمین کی تعریف کے مطابق غیبت پر اعتراض

متکلمین نے ضرورتِ امامت پر (جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے) قاعدۂ لطف، تحفظ شریعت کا وجوب اور احکام دین وشریعت الٰہی بیان کرنے والے جیسے دلائل سے استدلال کیا ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ امامت کے لیے یہ مذکورہ اہداف صرف لوگوں کے درمیان زمانۂ حضور امام میں حاصل ہو سکتے ہیں اور امام کی غیبت میں لوگوں کے درمیان ان مقدس اہداف تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔

دوسری طرف سے، متکلمین امام کی لازمی عصمت کے لیے بھی دلیل قاعدۂ لطف اور

تحفظ شریعت کی ضرورت سے استدلال پیش کرتے ہیں۔ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ دونوں دلیلیں بھی صرف امامؑ کی موجودگی میں قابل اجرا ہیں اس لیے کہ لطف، امام معصوم کے وجود کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور تحفظ شریعت بھی۔

جواب: اس اعتراض کے جواب میں، متکلمین کی تعریف امامت کے مطابق ہم کہیں گے:

سب سے پہلے یہ کہ امام کے موجود ہونے میں مصلحت پائی جاتی ہے اور اس کی غیبت میں بھی، سوائے اس کے کہ امام کے موجود ہونے کی مصلحت مکلفین کی طرف پلٹتی ہے اور اس کی غیبت کی مصلحت خود امام کی طرف بازگشت کرتی ہے۔ اگر چہ آنحضرتؑ کی غیبت کا سبب خود عوام الناس ہیں۔

دوسری تعبیر میں آنحضرتؑ کا دست شفقت نہ پھیرنا، قاعدۂ لطف سے خارج ہو جانے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ جہت لطف، دوائی طور پر باقی ہے، امامؑ کا عدم حصول اس بنا پر ہے کہ آنحضرتؑ تک عدم رسائی کا سبب غیر خدا یعنی عوام الناس ہیں۔

دوسرے یہ کہ: تحفظ شریعت کے مسئلہ میں ہم یہ کہیں گے: یہ ذمہ داری آنحضرتؑ کے فیزیکی وجسمانی وجود کے ساتھ لوگوں کے درمیان حاضر رہنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر شریعت کی خود اس نے غیبت کے پردہ میں رہ کر بھی حفاظت کی ہے۔

نیز عام نائبین کو منصوب کر کے بھی شریعت کی حفاظت کی، اس ذمہ داری کو ایک طرح سے ان افراد کے ذمہ قرار دیا ہے۔

تیسرے یہ کہ: الطاف الٰہی کے بھی حقیقی مصالح ومفاسد اور احکام کے تمام معیار کی

طرح مختلف درجات ہیں کہ ان کے باہمی تصادم کی بنا پر اہم کا ملاک و معیار اور جس میں لطف الٰہی کی کثرت پائی جاتی ہو، مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر چہ امامت اور امام کا حاضر ہونا ایک ایسی ضرورت ہے کہ وہ بندوں کے حق میں لطف الٰہی شمار ہوتا ہے اور وہ بندوں کو اطاعت الٰہی سے نزدیک کرتا ہے نیز معصیت و نافرمانی سے دور رکھتا ہے، لیکن کبھی کبھی لطف الٰہی کا بیشتر حصہ اس امام کی غیبت اور لوگوں کے درمیان اس کی عدم موجودگی کی بنا پر ہوتا ہے جیسا کہ ہم امام مہدیؑ کی غیبت کے فلسفہ میں اس کے مقدمات کے ساتھ اس مطلب کو ثابت کر چکے ہیں۔ مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ زمین کو حجت خدا سے خالی نہیں ہونا چاہیے؟ مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ امام کے قتل کا خوف پایا جاتا ہے؟ مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد صبح قیامت تک کے لیے بارہ امام ہیں؟ اور عصر ظہور کے لیے بھی رہبر اور امام معصوم کی ضرورت باقی ہے؟ یہ تمام صورتیں اور دوسری جہتیں پائی جاتی ہیں جو اپنے مقام پر اشارتاً گزر چکی ہیں، یہ سب کی سب ہمیں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ کبھی لطف الٰہی غیبت امام میں ہے اور یہ لطف الٰہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گیارہ امام کو مبعوث کیا لیکن عام لوگوں نے ان کا استقبال نہیں کیا، لہٰذا اوضاع و حالات کے تغیر کی بنا پر شرائط بھی فرق کرتے ہیں اور ہر زمانہ میں کسی نہ کسی جہت سے اتفاقات رونما ہوتے رہتے ہیں اور وہ حالات جو لوگوں کے لیے درپیش ہوتے ہیں وہ اپنے خاص تقاضوں کے مطابق حاصل ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسری تعریف کے مطابق غیبت امامؑ پر اعتراض

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ امامت کی دو طرح سے تعریف کی گئی ہے اور اس کی امامت کی

وضاحت کے سلسلہ میں دوسری تعریف باطنی معنی کی طرف بازگشت کرتی ہے، باطنی امامت کی وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ امامت ایک ایسی حقیقت ہے کہ امام جن جہات سے صلاحیتیں پیدا کرتا ہے۔

جیسے مقام یقین اور تقرب الٰہی تک رسائی حاصل کرتا ہے، اس لیے کہ ہدایت راستہ کو بیان کرنے کے معنی میں مقام نبوت سے جدا نہیں ہے، لہذا امامت کا معنی وہی منزل مقصود تک پہنچانا ہے کہ جیسے علامہ طباطبائیؒ کی تعبیر میں نفوس انسانی میں ایک طرح کا دخل وتصرف ہے اس کے وسیلہ سے انسان کو اس کے کمال کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔(۱)

امامت کی اس تعریف وتفسیر کے مطابق، غیبت پر اعتراض کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اس لیے کہ آنحضرتؑ کا یہ ذمہ داری پوری کرنا لوگوں کے درمیان موجود رہنے پر موقوف ہے نہ کہ ان کے حاضر رہنے پر، تاکہ آنحضرتؑ کی غیبت سے تضاد نہ رکھتی ہو، اگر چہ تشریعی (قانون گزاری کے لحاظ سے) ہدایت بھی اس کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور اس کی عظمت ومنزلت قرب الٰہی ہے۔

آنحضرتؑ کی غیبت کا موضوع ہی صرف ایک مانع ہے کہ جس کے مقابل میں بعض ذمہ داریاں امامؑ کو سپرد کی گئی ہیں یہ ایک ایسی مشکل ہے کہ جس کے متعدد جوابات دیے جا سکتے ہیں اور ان کی اصل امامت پر اور خارج میں بھی کوئی اعتراض بچا نہ ہوگا، جیسا کہ پہلے ان ذمہ داریوں کی بہ نسبت بعض جوابات میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

اس مقام پر کہ غیبت امامؑ کے بنیادی اعتراض کا حل امامت کی دوسری تعریف پر موقوف ہے لہذا اس مقام پر بہتر یہ ہے کہ اس بحث کو مزید عمیق بنانے کے لیے اس معنی اور

امامت کی تعریف کو آیات وروایات کے ذیل میں مقام اثبات تک پہونچائیں۔

ا۔ المیزان، ج ۱۴، ص ۳۰۴۔

امامت وہدایت اور باطنی ولایت

ولایت کی حقیقت اور باطنی ہدایت کو روشن کرنے کے لیے دو مقدموں کا بیان کرنا ضروری ہے۔

پہلا مقدمہ

اسلام اور دوسرے آسمانی ادیان کی نظر میں انسانی سعادت کا واحد ذریعہ ایمان اور نیک عمل ہے۔ جسے آسمانی دین انسانوں کو تعلیم دیتا ہے اور اسے فطرت بھی درک کرتی ہے۔ خداوند متعال پیغمبروں پر وحی کے ذریعہ انسانوں کو نیک کام کا شوق دلاتا ہے اور انسان جو بھی نیک یا بد عمل انجام دیتا ہے اس کے باطن میں اثر انداز ہوتا ہے نیز اس کی آئندہ زندگی اسی کی مرہون منت ہوتی ہے۔

انسان دانستہ یا ندانستہ طور پر تربیت کے تحت تاثیر قرار پاتا ہے اور نیک انسان تربیت کے ایام گزارنے کے بعد اپنے روحانی ملکات کے ذریعہ جو اس نے اپنے باطن میں ایجاد

کیے ہیں، سعادت مندی کی زندگی تک پہونچتا ہے، اس لیے کہ حیات ظاہری کے باطن میں انسان ایک ایسی باطنی زندگی جو اس کے اعمال سے مناسبت رکھتی ہو اسے حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:" من عمل صالحا... فلنحيينه حياة طيّبة"(۱) جو شخص عمل صالح انجام دے گا ہم اسے نیک زندگی عطا کریں گے۔

آیت صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ خداوند عالم ہر اس مومن کو جس نے عمل

۱۔ سورہ نحل ر ۹۷۔

صالح انجام دیا ہے دوسروں کی عطا کردہ زندگی کے علاوہ ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے اور اس دوسری حیات نو کا مقصد زندگی کو تبدیل کرنا نہیں ہے یعنی ظاہری زندگی کے علاوہ جس میں تمام لوگ مشترک ہیں اسے ایک دوسری زندگی عطا کرتا ہے اور یہ دوسری زندگی معنوی مراتب کے ساتھ ہوتی ہے، یعنی اب اس کی یہ زندگی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور روشن ہوتی ہے۔ جیسے قدسی روح کہ جسے خداوند سبحان نے اسے انبیاء کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ یہ کوئی تیسری زندگی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اس کی معنوی اور خالص زندگی ہے۔

انسانی زندگی ایک بے نہایت اور طولانی حیات ہے کہ جو اس مختصر دنیوی زندگی ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اس ظاہری حیات کے پیچھے ایک باطنی حیات بھی موجود ہے، باطنی حیات دوسری تعبیر میں انسانی اخروی زندگی مکمل طور پر اس دنیا کے اچھے یا برے اعمال سے مربوط ہے، اس بنا پر اخروی سعادت و نیک بختی ان قوانین پر عمل کرنے میں منحصر ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالم بشریت کے لیے قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انسان اس ظاہری حیات کے باطن میں ایک باطنی حیات (معنوی حیات)

بھی رکھتا ہے جو اس کے اعمال ہی کا سرچشمہ ہوتی ہے۔

دوسرا مقدمہ:

انبیاءؑ و اوصیاء علیہم السلام جو دوسروں کو ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتے تھے، خود دوسروں سے قبل اور اکثر و بیشتر جن امور کی دعوت دیتے تھے ان امور پر عمل پیرا رہے ہیں۔ وہ لوگوں کو معنوی زندگی کی ہدایت کرتے تھے جبکہ خود بھی حیات معنوی کے حامل تھے۔ جب تک خداوند متعال کسی کو ہدایت نہیں فرماتا دوسروں کی ہدایت اس کی دسترس میں قرار نہیں دیتا جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: "وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا" (۱) ہم نے انہیں امام قرار دیا ہے جو ہمارے امر کی ہدایت فرماتے ہیں۔

آیت میں لفظ ہدایت بطور مطلق ذکر ہوا ہے۔ اس میں ظاہری ہدایت سے مقید نہیں ہوا ہے، پس وہ لفظ دونوں (ظاہری و باطنی) ہدایت پر مشتمل ہے۔ لہذا ان دونوں مقدموں سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ انبیاء یا ائمہ علیہم السلام ہر امت میں پہلا مقام رکھتے ہیں اور حیات معنوی کے درجۂ کمال پر رہتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

۲۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کا پیشوا قرار دیا گیا ہے وہ ظاہری ہدایت کے علاوہ باطنی ہدایت کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

امام باطنی ولایت کے حامل ہیں

مذکورہ گذشتہ دونوں مقدموں کی روشنی میں باطنی ولایت کی ماہیت کو اس طرح بیان کرنا چاہیے:

حضرت حجتؑ کی باطنی ولایت اس معنیٰ میں ہے کہ آنحضرتؑ انسانوں کی باطنی ہدایت کے ذمہ دار ہیں جو ظاہری ہدایت اور امر تشریعی (قانون گزاری) کی نوعیت میں سے نہیں ہے۔

یہ مقام اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب افراد کو عطا کیا جاتا ہے اور ہدایت الٰہی امر تکوینی (تخلیقی) کے ذریعہ ان انسانوں کے وسیلے سے انجام پاتی ہے اور تمام انسان ایک ہی شخص

۱۔ سورۂ انبیاء ر ۷۳۔

سے روحانی ہدایت کے ذریعہ، ہدایت پاتے ہیں۔ امام انسانوں کی رفتار و اعمال سے آگاہی رکھنے کی بنا پر ان کے باطنی افکار و نفوس پر اثر انداز ہوتا ہے اور لوگوں کے قلوب کو مختلف اقسام کے درجات رکھنے کی بنا پر معارف کے انوار سے جلا اور روشنی بخشتا ہے اور ان کے باطن سازی نیز تہذیب نفس میں معاون و مددگار ہوتا ہے، انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے ارادے اور قدرت کو جب حوادث کے مقابل میں آزمالیا اور ان کی روحانی و معنوی قدرت، مقام امامت اور باطنی ولایت، یقین کے مرحلہ تک پہونچ گئی تو اس وقت وہ انسانوں کی باطنی ہدایت کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

انسانوں کی باطنی ہدایت کے لیے ہمیشہ انبیاء کرام میں سے کوئی نہ کوئی موجود تھا جیسے حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمدؐ یا اور بھی دوسرے انبیاء جن کا تعارف امامت کے حوالہ سے قرآن کریم میں بیان ہوا ہے، یہ افراد دو منصب پر فائز ہیں۔

پہلا منصب نبوت ہے۔ جس کا مقصد وحی اخذ کر کے لوگوں تک پہنچانا ہے اور دوسرا منصب امامت ہے۔ جس کا مقصد لوگوں کی سعادت حقیقی کی راہ میں باطنی رہبری کرنی ہے

، وہ کبھی منصب نبوت کے حامل نہیں تھے اور وہ صرف مقام ولایت اور باطنی امامت کے حامل ہوتے تھے کہ جس کے مصداق حضرت ولی عصرؑ کی ذات گرامی ہے اور وہی انسانوں کی باطنی ہدایت انجام دیتے ہیں نیز انہیں حقیقی سعادت کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔

اس بنیاد پر امام (عموی طور پر) جیسا کہ لوگوں کے ظاہری اعمال کا پیشوا اور رہنما ہے۔ وہ امامت و ہدایت اور ظاہری ولایت بھی رکھتا ہے اس کے علاوہ باطنی پیشوائی بھی انجام دیتا ہے نیز باطنی راستے سے انسانوں کی ہدایت فرماتا ہے اور وہ کاروان انسانیت کا ایسا قافلہ سالار ہے جو خدا کی طرف رواں دواں ہے۔ امام درواقع اسلامی امت کا ہادی و رہبر ہے۔ خواہ جسمانی طور پر حاضر ہو جیسے حضرت امام علیؑ کے زمانہ سے امام حسن عسکریؑ کے زمانے تک ایسا ہی تھا یا ظاہری طور پر حاضر نہ ہو پھر بھی لوگوں کی (باطنی) ہدایت کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ نے امام حسن و امام حسینؑ کے لیے ارشاد فرمایا: "الحسن و الحسین امامان قاما او قعدا" امام حسن و حسین علیہما السلام قیام فرمائیں یا قیام نہ فرمائیں ہر حال میں یہی امام ہیں۔ جس وقت سے امام زمانہؑ؛ حضرت حجت بن الحسن ولایت رکھتے ہیں اور امام ہیں اسی وقت سے باطنی ہدایت کی ذمہ داری بھی رکھتے ہیں اس لئے کہ غیبت اور جسمانی طور پر حاضر رہنا امام کے لیے کوئی خاص معنی نہیں رکھتا یعنی امام کا فیزیکی وجسمانی وجود (ہدایت کے لیے) معیار نہیں ہے۔

امام جیسا کہ لوگوں کی ظاہری رہنمائی کی ذمہ داری رکھتا ہے اسی طرح لوگوں کی ولایت اور باطنی ہدایت بھی اس کے دوش پر ہوتی ہے۔ یہ واضح ہے کہ لوگوں کے اعمال پر نظر رکھنا ایک ملکوتی امر ہے۔ اس کا ربط مسئلہ غیبت اور امام کے جسمانی طور پر حاضر رہنے سے نہیں ہے۔

اگر امام وسیع قدرت اور سیاسی سرپرستی وغیرہ رکھتا ہو تو وہ ظاہری طور پر لوگوں اور امت اسلامیہ کی ہدایت کا بھی ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر امام وسیع قدرت اور سیاسی سرپرستی نہ رکھتا ہو (جیسے آج کا زمانہ) اور ظاہری طور پر ہدایت نہ کرتا ہو تو وہ باطنی طور پر امت اسلامیہ کی ہدایت کا ذمہ دار ہے اور لوگوں کو باطنی طور پر ہدایت کرتا ہے۔(۱)

۱۔ محمد حسین طباطبائی، بررسی ہای اسلامی، ج ۳، ص ۷۸۔ سالنامہ مکتب تشیع شمارہ ۲، ص ۷۵۔ شیعہ در اسلام، ص ۳۱۲۔

علامہ طباطبائیؒ ولایت کو باطنی نبوت جانتے ہیں اور امام کو حامل ولایت بیان کرتے ہیں، اگرچہ امامت وولایت میں سے ہر ایک کا مفہوم ائمہ علیہم السلام پر صادق آتا ہے لیکن جو کچھ اہم نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت امام وولایت کے مصداق حضرت ابن الحسن صاحب الزمانؑ ہیں اور ان کی ولایت باطنی ہے جو باطنی طور سے اسلامی معاشرہ اور امت اسلامیہ کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں، مزید آقای طباطبائی فرماتے ہیں:

''نبوت وولایت کے درمیان نسبت، ظاہری وباطنی نسبت ہے اور جو دین ہے وہ سرمایہ نبوت ہے، جو ظاہر ولایت اور باطن ولایت، باطن نبوت پر مشتمل ہے''(۱)

امام ولایت کا حامل ہے

اس بنا پر کہ باطنی ولایت نبوت کی طرف سے ہوتی ہے، تو امام بھی حامل ولایت ہے اور اس کی ولایت بھی باطنی ہے، نبوت ایک ایسی حقیقت وواقعیت ہے کہ دینی احکام جو زندگی سے مربوط ہیں اسے حاصل کر کے لوگوں تک پہونچاتی ہے۔ اور ولایت ایک ایسی واقعیت وحقیقت ہے جو قوانین نبوت پر عمل کرنے کے نتیجہ میں انسان کی ذات میں پیدا ہوتی ہے اور

یہ ایک حد تک اکتسابی شئے ہے لیکن باطنی ہدایت انبیاء و اوصیاء سے مخصوص ہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:" و جعلناهم ائمه يهدون بأمرنا " (۲) ہم نے انہیں امام قرار دیا ہے کہ وہ ہمارے امر کی ہدایت کریں۔

۱۔ محمد حسین طباطبائی ، بررسی ھای اسلامی ، ج ۲، ص ۷۸ ۔ سالنامۂ مکتب تشیع شمارہ ۲، ص ۷۵۔ شیعہ در اسلام، ص ۱۸۶۔

۲۔ سورۂ انبیاء، ۷۳۔

باطنی ہدایت اور ولایت کی دلیلیں

ولایت اور امام کی باطنی ہدایت کے اثبات کے لیے عقلی و نقلی دلیلوں سے تمسک کیا جاسکتا ہے:

الف۔ عقلی دلیل

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے دینی اعمال کے ظواہر کا حصول ایک باطنی واقعیت اور معنوی زندگی بسر کیے بغیر ممکن نہیں ہے خداوند عالم نے انسانوں کے لیے دینی ظواہر کو آمادہ کیا ہے اور انھیں واضح طور پر اس کی طرف دعوت دی ہے نیز ایک باطنی واقعیت کو جو دینی ظواہر کی بہ نسبت روح کی طرح ہے آمادہ کیا ہے۔

اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حجت کا وجود (امام عصرؑ کی ولایت اور باطنی ہدایت) خلقت انسان کی غرض و غایت ہے، اس لیے کہ خلقت بغیر غرض و مقصد (ولایت و ہدایت) کے ممکن نہیں ہے، اور حجت (ولایت اور باطنی ہدایت) انسان کی غرض و غایت ہے، اور اگر حجت نہ ہو تو خداوند متعال کا فعل بغیر کسی غرض و غایت کے ہوگا اور ایسا فعل

خداوند حکیم سے صادر ہونا محال ہے۔

دوسری تعبیر میں عالم انسانی جو خلقت انسانی ہے ایک خاص کمال کا حامل ہے کہ جسے اس کمال کی طرف ہدایت ہونا چاہیے اور ہدایت کے لیے حجت ہونا چاہیے اس لیے کہ امام ہی وسیلۂ ہدایت ہوتا ہے۔(۱)

۱۔محمد حسین طباطبائی "در محضر علامہ"، چاپ دوم، قم، انتشارات نہاوندی، ۱۳۸۲۔

زیارت جامعۂ کبیرہ کے ایک فقرہ میں ذکر ہوا ہے: "و یھتدی بھدایکم" مخلوق آپ کی ہدایت کے ذریعہ ہدایت پاتی ہے۔(۱)

امام و ولایت عمومی طور پر نبوت کے مثل ہے، اس لیے کہ عالَم بغیر امامت و ولایت (باطنی ہدایت) کے ممکن نہیں ہے۔ جیسے ایک باغ کے لیے ایک باغبان کا ہونا لازمی ہے تا کہ درخت وغیرہ کے رشد و نمو میں مدد و معاون ثابت ہو اور اسے کمال کی حد تک پہونچائے لہٰذا اس بنا پر حضرت حجتؑ، ولایت اور اسلامی معاشرہ کی باطنی ہدایت کے ذمہ دار ہیں۔ جو باطنی طور سے ہدایت کرتے ہیں اور یہی عقلی حکم روایت میں ذکر ہوا ہے: "لولا الحجۃ لساخت الارض باھلھا"(۲)

اگر حجت (ولی عصر کی باطنی ولایت) نہ ہوتی تو یقیناً زمین مضطرب ہو کر اپنے ساکنین کو لے کر دھنس جاتی۔

اس بنا پر حضرت حجتؑ اسلامی معاشرہ کی باطنی ہدایت کی عملی رہنمائی اور باطنی طریقہ سے ہدایت کرتے ہیں۔

ب۔ نقلی دلیل

خداوند متعال فرماتا ہے:" و جعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا" ہم نے انہیں امام قرار دیا ہے کہ وہ ہمارے امر کی ہدایت کریں،(۳) مزید یہ بھی فرمایا:" و جعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لمّا صبروا و کانوا بآیاتنا یوقنون".(۴)

۱۔ زیارت جامعہ کبیرہ، (مفاتیح الجنان)۔ ۲۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۷۵۔

۳۔ سورۂ انبیاء، ۷۳۔ ۴۔ سورۂ سجدہ، ۲۴۔

اور ہم نے انہیں (بنی اسرائیل) میں سے کچھ لوگوں کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے (لوگوں کی) ہدایت کرتے تھے چونکہ انہوں نے (مصیبتوں پر) صبر کیا اور ہماری آیتوں پر دل سے یقین رکھتے تھے۔

علامہ طباطبائیؒ پہلی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:"اللہ تعالی کے ظاہری قول "ائمۃ یھدون بامرنا" سے مراد یہ ہے کہ امر خدا کی ہدایت کی تفسیر، امامت کے معنی میں ہے"

اور سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴ میں امام کی ہدایت کا معنی خدا کے امر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں۔ اور جو بات یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہ ہدایت جو امامت کے شئون اور امور میں شمار ہوتی ہے اس کا معنی راستہ بیان کرنے کے معنی میں نہیں ہے، اس لیے کہ خداوند سبحان نے ابراہیم کو نبی قرار دینے کے بعد ان کا امام کی حیثیت سے تعارف کرایا اور مقام نبوت راستہ بیان کرنے اور راستہ کی نشان دہی سے جدا نہیں ہے، لہذا اس آیت میں صرف وہی معنی امامت سے مراد لیا جا سکتا ہے کہ امامت کا معنی منزل مقصود تک پہونچاتا ہے جو انہیں خاص معنوی مقام اور کمال تک پہونچانے میں

ایک قسم کا لوگوں کے نفوس میں تکوینی (تخلیقی) تصرف ہے۔

اب اگر امام لوگوں کو اس طرح ہدایت کرے تو اسے سب سے پہلے خود اس قسم کی ہدایت حاصل ہونی چاہیے تا کہ اس سے جو جتنی ہدایت کی صلاحیت رکھتا ہو اسے اس بنیاد پر پہونچا سکے۔ لہٰذا امام اللہ اور لوگوں کے درمیان باطنی فیوضات کو پہونچانے میں رابطہ ہوتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ سے اخذ کر کے لوگوں تک پہونچاتا ہے۔ جس طرح نبی اپنے منصب نبوت کے لحاظ سے ظاہری فیوضات کا واسطہ ہوتا ہے یعنی وہی شریعت الٰہی پہونچانے کے لیے اللہ اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

لیکن بعض مقامات پر منصب نبوت و امامت آپس میں ایک شخص میں جمع ہوا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزندوں میں۔ (۱)

فلسفۂ غیبت

عصر غیبت کی طول تاریخ میں جو سوالات بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام زمانہؑ کیوں غائب ہوئے اور کیوں ہم آنحضرتؑ سے ارتباط نہیں رکھتے؟ اس زمانہ میں اور گزشتہ زمانوں میں کیا فرق ہے؟ کیا امام کی ذمہ داری عالم بشریت کی ہدایت نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر ہم انہیں کیوں نہیں دیکھتے؟ اس طرح کے اور بھی دوسرے سوالات وغیرہ سامنے آتے ہیں۔

قاضی عبد الجبار معتزلی کا قول ہے: ''اگر امام ظاہر نہ ہو، تا کہ اس کے ذریعہ تمام نقص کی تلافی ہو سکے، تو پھر ایسی صورت میں اس کے رہنے کا کیا فائدہ مرتب ہو سکتا ہے، بسا اوقات اصلاً کوئی ایک حجت بھی زمین پر نہ ہو، اس لیے کہ صرف امام کے وجود سے نقص برطرف

نہیں ہوتا بلکہ امام کے ظاہری وجود سے نقص کی تلافی ہوتی ہے"۔(۲)

اسی طرح تفتازانی کا قول ہے: "امام کا لوگوں سے مخفی ہونے کا مسئلہ اس کیفیت سے کہ صرف اس کا نام لوگوں کے درمیان باقی رہے یہ بات بہت بعید ہے اور اس کی امامت مخفی رہنے کی صورت میں ایک عبث اور لغو کام ہوگا، اس لیے کہ امامت کا مقصد، تحفظ نظام و شریعت اور ظلم و جور کا دفع کرنا ہے"۔(۳)

۱۔ المیزان، ج ۱۴، ص ۳۰۴۔ ۲۔ المغنی، ج ۱، ص ۵۷۔ ۳۔ شرح مقاصد بحث امامت۔

سوال کا جواب

ہم مذکورہ سوال کو چند مقدمات کو ذکر کرنے کے ساتھ جو ہمیں قطعی جواب تک پہونچائیں گے، جواب دیں گے۔

پہلا مقدمہ: اسلام کا تمام ادیان عالم پر غلبہ پانا

اسلامی متون میں (قرآن و حدیث کے علاوہ) اس مسئلہ کی طرف متعدد مرتبہ اشارے ہوئے ہیں کہ آخری زمانہ میں، دین اسلام کا تمام ادیان عالم پر غلبہ ہوگا اور عدل و انصاف نیز الٰہی و توحیدی حکومت تمام دنیا پر چھا جائے گی۔

آیات کی تحقیق

الف۔ خداوند متعال نے قرآن میں اس نکتہ کی طرف تین آیتوں میں اشارہ فرمایا کہ پیغمبر اکرمؐ کو دین حق کے ساتھ مبعوث کرنے کا ہدف دین اسلام کا تمام ادیان پر غالب ہونا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ھو الذی ارسل رسوله بالھدی و دین الحق

لیظھرہ علی الدین کلّہ و لو کرہ المشرکون" (۱) وہی تو وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگر چہ مشرکین برا مانا کریں۔

مزید دوسری آیت میں فرماتا ہے: "و ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفیٰ باللّٰہ شھیدا" (۲) وہی تو وہ خدا ہے

۱۔ سورۂ توبہ/۳۳، سورۂ صف/۹۔ ۲۔ سورۂ فتح/۲۸۔

جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اس بات کی حقیقت کے لیے خدا کی گواہی کافی ہے۔

اس آیت سے استدلال، اس صورت میں تمام ہوگا کہ جب ہم "لیظھرہ" کی ضمیر کو دین حق کی طرف پلٹائیں نہ کہ "رسول" کی طرف اور یہ دو جہتوں سے صحیح بھی ہے۔

۱۔ یہ کہ ادبیات عرب میں یہ قاعدہ مشہور ہے "الاقرب یمنع الابعد" یعنی حتی الامکان ضمیر کو نزدیک مرجع کی طرف پلٹایا جائے، لہذا ضمیر کو دور پلٹانے کی نوبت ہی نہیں پہونچے گی۔

اسی لیے ہم جانتے ہیں کہ ضمیر "لیظھرہ" کو دین حق کی طرف پلٹانا اقرب الی الصواب اور زیادہ صحیح ہے۔

۲۔ "غالب و مغلوب میں سنخیت اور ایک جیسا ہونے کا لازمہ" کے قاعدہ کی دلیل کے ذریعہ بھی، کیونکہ جو کچھ تمام ادیان پر غالب ہے وہ دین حق ہے نہ خود ذات پیغمبرؐ۔

اسی لیے اس آیت کی تفسیر میں سعید بن جبیر کہتے ہیں: "ھو المھدی من ولد

فاطمة رضی اللہ عنہا"(۱) وہ مہدی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہیں۔

ب۔ خداوند متعال فرماتا ہے: "وعد اللّٰہ الّذین امنوا و عملوا الصالحات لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم و لیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا یعبدو ننی لا یشرکون بی شیئا و من کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون". (۲)

۱۔ نورالابصار، ص ۱۸۶۔ ۲۔ سورۂ نور، ۵۵۔

تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کیے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو (ایک نہ ایک دن) روئے زمین پر اپنا نائب مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو نائب بنایا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے (اسلام) اس پر انہیں ضرور ضرور پوری قدرت دے گا اور ان کے خائف ہونے کے بعد (ان کے خوف و ہراس کو) امن سے ضرور بدل دے گا کہ وہ (اطمینان سے) میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو ہمارا شریک نہ بنائیں گے اور جو شخص اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ بدکار ہیں۔

خداوند عالم نے اس آیۂ کریمہ میں صریحی طور پر وعدہ کیا ہے کہ وہ نیک مومنین جو طول تاریخ میں مختلف ظلم و بربریت کے تحت زندگی گزار رہے تھے اور انہوں نے اپنی بہت سی فدا کاریاں انجام دیں انہیں روئے زمین پر حاکم قرار دے گا۔

اس بات کی طرف ہم کچھ قرائن کے ذریعہ پہونچ سکتے ہیں۔

۱۔ کلمہ "الارض" جس پر الف لام جنس آیا ہے اور تمام قسم کے قرائن سے اس کی معین

زمین پر انصراف نہ رکھتا تب بھی تمام زمین پر معنی حمل کیا جاتا اور آیت کی مراد یہ ہو جاتی، ہم عنقریب نہ کچھ تاخیر سے تمام کرۂ زمین کو مومنین کی حکومت میں تبدیل کر دیں گے۔

۲۔ جملۂ " ولیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم" جو آیت میں ذکر ہوا ہے وہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ مکمل قوت حاصل کرنا اور حقیقی دین کا مستقر ہونا مومنین کا تمام عالم پر مسلط ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۳۔ جملۂ " و لیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا" اس نکتہ کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ہم سب جانتے ہیں کہ جس کی بشارت دی گئی ہے اس حکومت سے پہلے تمام مومنین دنیا کے تمام علاقوں میں ظالموں کے ظلم و جور کا نشانہ بنے ہوں گے، یہ خوف واقعی طور پر امن و امان میں تبدیل نہیں ہوگا، سوائے اس صورت کے کہ جب مومنین زمین کو اپنے قبضۂ قدرت میں لیں۔

اس نکتہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اب تک اس جیسی اجتماعی حالت جو، وہی نیک لوگوں کی عالمی حکومت ہے، ظاہر نہیں ہوئی ہے، ہمیں عنقریب اس طرح کی حکومت کا انتظار ہے، نہ ہی کچھ دور۔

ج۔ خداوند عالم فرماتا ہے:" و نرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین" (۱) اور ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ روئے زمین میں کمزور کر دیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان ہی کو (لوگوں کا) پیشوا بنائیں اور انہیں کو اس سرزمین کا مالک و وارث بنائیں۔

خداوند متعال نے اس آیت میں " و نرید ان نمنّ" کی تعبیر سے ان مطالب کی

طرف اشارہ کیا ہے کہ ہمارا احسان کمزور لوگوں تک آئندہ کی حکومت پہچانا ہے اور یہ موسیٰ و فرعون سے مخصوص نہیں ہے۔

ورنہ "اردنا ان نمن" آیت کے الفاظ ہوتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ سنت الٰہی کہ جس میں کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں جاری ہوئی ہے کہ آئندہ نہ، کچھ تاخیر کے بعد کمزور لوگوں کو تمام زمین کا وارث قرار دے، بالخصوص کلمہ "الارض" کو دیکھتے

ا۔ سورۂ قصص ر۵۔

ہوئے اس کا ظہور تمام زمین کی حکومت ووراثت کے معنیٰ کو ظاہر کرتا ہے۔

اسی بنا پر ابن ابی الحدید معتزلی، شرح نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: "یقیناً ہمارے اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت میں ایک ایسے امام کا وعدہ کیا گیا ہے جو زمین کا مالک ہوگا اور تمام دنیا پر غلبہ پائے گا۔(۱)

د۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون" (۲) اور ہم نے توتوریت کے بعد زبور داؤد [اور گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں وعدہ کیا ہے] میں لکھ ہی دیا تھا کہ یقیناً روئے زمین کے وارث اور تصرف کرنے والے ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔

دوسرا مقدمہ: حالات کی تبدیلی سے مصلحتوں کا تبدیل ہونا

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: "بندوں کی مصلحتیں ان کے حالات کے مختلف ہونے سے تبدیل ہو جاتی ہیں، وہ انسان جو حکیم ہے اپنی اولاد، دوستوں اور اپنے اہل وعیال نیز

خادموں وغیرہ کی تدبیر وتربیت اپنے ذمہ لیتا ہے اور انہیں معرفت وآداب سکھاتا ہے مزید نیک اعمال انجام دینے کے لیے شوق دلاتا ہے تاکہ وہ ولوگوں کے درمیان ہر دل عزیز ہوں اور ان کی مدح وثنا اور تعظیم وتوقیر کے مستحق قرار پائیں۔اسی طرح انہیں صحیح تجارت کی کیفیت وغیرہ بھی سکھاتا ہے۔

۱۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۹، ص ۲۰۵۔

۲۔سورۂ انبیاء، ۱۰۵۔

اب اگر ان لوگوں نے اس کے بتائے ہوئے احکام اور تربیتی اہداف پر عمل کیا تو وہ حکیم شخص اپنی ہدایات کو جاری رکھتا ہے اور ان کے لیے صحیح راہ ہموار کرتا ہے...لیکن اگر اس کے احکام سے سرتابی ومخالفت کی ہو اور اس کے زیر نظر تربیت نہ حاصل کی ہو اور حماقت وظلم اور لہو ولعب کی راہ اختیار کی ہو، ایسی صورت میں وہ حکیم ودانا مصلحت ورحمت کو وقتی طور پر ان لوگوں سے قطع کرنا بہتر سمجھتا ہے تاکہ انہیں اپنی اور نعمت کی قدر وقیمت معلوم ہو سکے۔

اور یہ عمل کسی بھی طرح حکیم وعاقل انسان کی تدبیروں کے ساتھ تضاد نہیں رکھتا۔

عین یہی مطلب جو ہم نے حکیم وعاقل انسان کے بارے میں ذکر کیا ہے، خداوند متعال کے سلسلہ میں ذکر کریں گے، اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کی امر تدبیر اور امت کے مصلحت کی ذمہ داری لی ہے، پھر ان کی عقلوں کو کامل کیا اور ان کو اعمال صالح بجالانے کا مکلف بنایا تاکہ اس کے ذریعہ کمال وسعادت تک پہنچ سکیں۔

اب اگر لوگ قوانین الٰہی کے اوامر ونواہی کے پابند ہوں تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ ان

کی مدد کرے اور بندوں پر اپنی عنایتوں کو اضافہ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس راستہ کو ان کے لیے زیادہ آسان کرے۔ لیکن اگر کسی صورت میں اس کے قوانین واحکام کی مخالفت اور نافرمانی اختیار کریں تو بندوں کی مصلحت تبدیل ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں موقعیت و وضعیت بھی متغیر ہو جائے گی اور خداوند متعال ان سے توفیق بھی سلب کرلے گا، ایسے موقع پر وہ لوگ ملامت اور عقاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

درواقع ان کے لیے یہی حالت ان کے امور کی تدبیر کے لیے صحیح اور مصلحت سے بھی زیادہ نزدیک ہے اور یہ حالت عقل وحکمت اور مصلحت اندیشی کے مخالف بھی نہیں ہے....

ہم اس نکتہ کو مخلوق کی مصلحت میں ائمہؑ کے ظہور اور ائمہ کی ہی تدبیر کو، ان کی لوگوں کو اطاعت ونصرت کرنے میں دیکھتے ہیں۔ لیکن جس وقت لوگوں نے نافرمانی کی اور ان بزرگوں کا وسیع پیمانے پر خون بہایا، تو مسئلہ بدل گیا اور مصلحت کا تقاضا اس بات سے متعلق ہو گیا کہ امام لوگوں سے پوشیدہ وغائب ہوں اور یہ عمل خود لوگوں کے علاوہ کسی اور کے ملامت کرنے کا باعث نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان کی بدکرداری اور بداعتقادی کی بنا پر یہ واقعۂ غیبت رونما ہوا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ کبھی بھی غیبت کی مصلحت اور امام کا غائب رہنا ان کے موجود رہنے کے واجب ولازم ہونے سے مانع نہیں ہے اور یہ بات اس طرح کے معاشرہ کے لیے عین مصلحت ہے....(۱)

تیسرا مقدمہ: بشری تکامل وترقی

یقیناً ہر اجتماعی کام (چھوٹا یا بڑا) مناسب مواقع کے لیے فراہم شدہ زمینہ چاہتا ہے تو پھر

وہ اجتماعی عالمی انقلاب جو تمام اہداف پر مشتمل ہے خواہ وہ اعتقادی ہوں یا سیاسی، اخلاقی ہوں یا اقتصادی ان سب کے لیے بھی زمینہ درکار ہوگا۔ دوسری تعبیر میں ایک ایسا انقلاب کہ جس کا کوئی ایک نمونہ بھی طول تاریخ بشریت میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

تو یہ واضح سی بات ہے کہ ایسے قیام کے لیے لوگوں کے درمیان ان استعداد اور آمادگی ضروری شئے ہے کہ منجملہ ان میں سے یہ ہے:

الف۔ دینی و اسلامی حیثیت سے بشری ترقی کی ظرفیت ہونی چاہیے اگر چہ لوگوں کے درمیان ایک خاص طبقہ ہی کیوں نہ ہو۔

۱۔ رجوع کریں، شیخ مفید، الفصول العشرۃ فی الغیبۃ، ص۱۱۴۔۱۱۷۔

ب۔ حکومت کو عالمی سطح پر پھیلانے کے لیے بشری ٹیکنولوجی کی ترقی کی صلاحیت بھی درکار ہے۔

چوتھا مقدمہ: رہبری کی ضرورت

بے شک عصر ظہور میں دین غالب، ایک غالب کا محتاج ہوگا کہ جس کے شرائط مندرجہ ذیل ہوں گے:

۱۔ ان تمام قوانین کا عالم ہو کہ جس کے لوگ محتاج ہیں۔

۲۔ خارق العادت قدرت رکھتا ہو۔

۳۔ گناہ اور خطا و گمراہی سے دور ہو۔

پانچواں مقدمہ: بارہ امام

پیغمبر اکرمؐ نے ان روایات کی بنا پر جو شیعہ وسنی طریقوں سے ہم تک پہونچی ہیں بارہ ائمہ اور خلفاء کو اپنے بعد صبح قیامت تک کے لیے متعارف کرایا ہے:

الف۔ بخاری نے اپنی سند سے جابر ابن سمرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "یکون اثنا عشر امیرا" فقال کلمة لم اسمعها. فقال ابي: انه قال: "کلّهم من قریش" (۱) میرے بعد بارہ امیر ہوں گے۔ پھر جابر کہتے ہیں: پیغمبرؐ نے کوئی کلمہ فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا تو میرے والد نے مجھ سے کہا: پیغمبرؐ نے فرمایا: وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج ۸، ص ۱۲۷، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف، ح ۷۲۲۳۔

ب۔ متقی ہندی اپنی سند کے ساتھ انس ابن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: "لن یزال هذا الدین قائما الی اثنی عشر من قریش، فاذا هلکوا ماجت الارض باهلها" (۱) یہ دین قائم ودائم رہے گا یہاں تک کہ قریش میں سے بارہ افراد لوگوں کے درمیان امامت وخلافت کریں گے اور جب وہ سب ختم ہو جائیں گے تو زمین بھی اپنے اہل کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔

ج۔ ابن شہر آشوب اپنی سند کے ساتھ امام حسینؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "فاخبرني یا رسول الله هل یکون بعدک نبي؟ فقال: لا، انا خاتم النّبیین ولکن یکون بعدی ائمة قوّامون بالقسط بعدد نقباء بني اسرائیل" (۲) رسول خداؐ سے میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ کے بعد کوئی اور پیغمبر آئے گا؟ فرمایا: نہیں، اس لیے کہ میں خاتم الانبیاء ہوں، لیکن میرے بعد ایسے ائمہ آئیں گے جو عدل و

انصاف قائم کریں گے اور ان کی تعداد نقباء بنی اسرائیل کے مطابق (بارہ) ہے....

بارہ خلفاء کی حدیثوں کے متعلق چند نکات

۱۔ ان احادیث کے مضمون کو پینتیس صحابۂ کرام نے نقل کیا ہے اور صرف جابر بن سمرہ سے پچاس سند کے ساتھ پیغمبرؐ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے۔

۲۔ حدیث اس مقام پر بہت سی جہتوں سے صحیح السند ہے۔ یہاں انہیں ذکر کرنے کا محل نہیں ہے۔

۱۔ کنز العمال، ج ۱۲، ص ۳۳، ح ۳۳۸۶۱۔

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۳۰۰۔

۳۔ یہ حدیثیں بہت سی جہتوں سے اہل بیت معصومینؑ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں:

الف۔ ان حدیثوں کا احادیث ثقلین کے ساتھ ایک ہی زمانہ میں نشر ہونا۔ اسی جہت سے حدیث ثقلین، ان احادیث کے لیے مفسّر ہے۔

ب۔ یہ حدیثیں، حدیث غدیر کی ہم عصر ہیں۔

ج۔ بعض بارہ خلفاء کی روایات میں سے اس طرح کی تعبیر ذکر ہوئی ہے کہ دین ان کے زمانہ میں عزیز تھا دین اور دین کا قوام وثبات انہیں سے ہے۔ (۱)

د۔ بعض دوسری روایتوں میں ان لوگوں کے لیے یوں ذکر ہوا ہے: "لا یضرهم من خذلهم" (۲)

جو شخص انہیں ذلیل وخوار کرنا چاہے گا وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا۔

چھٹا مقدمہ: زمین پر حجت الٰہی کے موجود ہونے کی ضرورت

تمام روایات اور عقلی دلائل سے استفادہ ہوتا ہے کہ امام معصوم اور حجت خدا کا زمین پر صبح قیامت تک باقی رہنا ایک ضروری امر ہے، اور اس کی عقلی دلیلوں کو ایک مستقل کتاب میں ہم نے بیان کیا ہے، اب ہم ان میں سے بعض حدیثوں کو کہ جن کے مضمون سے یہ بات استفادہ ہوتی ہے اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ احادیث ثقلین: ان میں سے بعض حدیثوں میں یوں ذکر ہوا ہے: "... انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض "(۳)"... وہ دونوں (کتاب و عترت) ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے"۔

ابن حجر ھیثمی نے کتاب صواعق محرقہ میں تحریر کیا ہے: " و فی احادیث الحث علی التمسک باهل البیت اشارة الی عدم انقطاع متاهّل منهم للتمسّک به الیٰ یوم القیامة، کما انّ الکتاب العزیز کذلک، ولهذا کانوا امانا لأهل الأرض... "(۱) وہ احادیث جو لوگوں کو اہل بیتؑ سے تمسک اختیار کرنے پر وادار کرتی ہیں وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ صبح قیامت تک زمین، اہل بیت کی کسی نیک فرد سے خالی نہیں ہے تا کہ لوگ اس سے تمسک اختیار کریں، جیسا کہ کتاب عزیز، قرآن بھی اسی طرح ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ج ۶، ص ۳، اور ج ۶، ص ۴۔

۲۔ المعجم الکبیر طبرانی، ج ۲، ص ۱۹۶، ۱۷۹۴۔

۳۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۱۸۱۔

علامہ مناوی، فیض القدیر میں، سیوطی، شرح جامع الصغیر میں اور علامہ سمہودی نے جواہر العقدین میں اسی مضمون اور مطلب کی تصریح کی ہے۔

۲۔ معرفت امام کی حدیثیں جو شیعہ و سنی طرق سے وارد ہوئی ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: "من مات و لم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة" (۲) جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

۳۔ بہت سی اسی مضمون کی حدیثیں شیعہ طرق سے وارد ہوئی ہیں کہ اگر زمین حجت خدا سے خالی ہو جائے تو زمین تہ و بالا اور تباہ ہو جائے گی۔

۱۔ صواعق محرقہ، ص ۱۳۹۔

۲۔ شرح مقاصد، ج ۲، ص ۲۷۵۔ المغنی، قاضی عبدالجبار، ج ۱، ص ۱۱۶۔

آقای کلینیؒ نے صحیح سند سے ابو حمزہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے امام صادقؑ سے دریافت کیا: کیا زمین بغیر امام کے باقی رہے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا: "لو بقیت الارض بغیر امام لساخت" (۱) اگر زمین بغیر امام کے ہو جائے تو وہ یقیناً تباہ و برباد ہو جائے گی۔

روائی کتابوں میں، اس مضمون کی بہت سی صحیح روایات وارد ہوئی ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ حجت خدا کو زمین پر ہونا چاہیے تا کہ اسے تباہ و برباد ہونے سے نجات دلائے، وہ شخص جو عالم مادہ اور عالم ناسوت پر حجت ہے۔

ساتواں مقدمہ: قتل کا خوف

انبیاء و مرسلین کے گوشہ نشین ہونے کے منجملہ اسباب میں سے اپنی جان کے تحفظ کے

لیے اور اپنی شریعتوں کو نشر کرنے کی امید میں ایک قتل کا خوف پایا جانا بھی ہے، خداوند عالم بزبان حضرت موسیٰؑ نقل فرماتا ہے: "ففررت منکم لمّا خفتکم" (۲) پھر جب میں آپ لوگوں سے ڈرا تو بھاگ کھڑا ہوا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک شخص کی زبان حال سے حضرت موسیٰؑ سے خطاب کرکے فرماتا ہے: "ان الملأ یاتمرون بک لیقتلوک" (۳) تم یہ یقین جانو کہ شہر کے بڑے بڑے آدمی تمہارے قتل کرنے کے بارے میں مشورہ کررہے ہیں۔

۱۔ اصول کافی، ج۱، ص ۳۴۹، ح ۱۰۔

۲۔ سورۂ شعراء ۲۱/۔

۳۔ سورۂ قصص ۲۰/۔

خوف منجملہ ان اسباب میں سے تھا کہ موسیٰ بن عمرانؑ کو مصر سے فرار کرنے پر مجبور کیا اور انہیں شعیب کی طرف پہونچایا۔

امام مہدیؑ منتظر کے لیے بھی نصرت و مدد کے عادی اسباب فراہم نہ ہونے کی بنا پر نیز ان کے دشمنوں کی قوت و قدرت کی وجہ سے محبوس ہونے بلکہ قتل اور دار و رسن پر چڑھا دیئے کا خوف موجود تھا، لہٰذا ان کے لیے ابتدا امر سے سوائے گوشہ نشینی اور غیبت کے کوئی چارۂ کار نہ تھا یہاں تک کہ امر خدا آپہونچے اور ان کا ظہور ہمیں نصیب ہو۔

اس بنا پر ایک روایت میں شیخ صدوق ؒ اپنی سند سے امام صادقؑ سے ناقل ہیں:

"للقائم غیبة قبل قیامه، قلت: و لم؟ قال: یخاف علیٰ نفسه الذبح" (۱)

قائم کے لیے اس کے ظہور سے پہلے ایک غیبت ہے، زرارہ کہتے ہیں: میں نے حضرت سے

عرض کیا: غیبت کیوں ہوگی؟ فرمایا: انہیں اپنے ذبح ہونے کا خوف لاحق ہوگا۔

یہاں ایک سوال قائم ہوتا ہے کہ اللہ ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان حائل ہو کر ان کے قتل سے مانع کیوں نہیں ہوا؟ تو ہمیں جواب میں کہنا چاہیے: قتل سے مانع ہونا دو طریقہ سے ہے:

۱۔ ایک ایسا مانع ہے جو بندوں کی تکلیف اور ان سے منافی و متضاد نہ ہو، جو حضرت کا اتباع و نصرت اور ان کی عدم مخالفت نیز عدم نافرمانی کے ذریعہ حاصل ہوگا کہ یہ عمل انجام دیا ہے۔

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۴۸۱، ح ۱۰۔

۲۔ ایک ایسا مانع ہے جو تکلیف سے منافی و متضاد ہے اور ثواب و عقاب کو باطل کرنے والا بھی ہے کہ اس طرح سے حضرتؑ کے قتل کا مانع ہونا جبری صورت میں سے ہے۔ یہ عمل ممکن ہے فساد انگیز بھی ہو۔

لہٰذا اپنے مقام پر بیان کیا جا چکا ہے کہ امر امامت اور اس کے جاری کرنے میں تین ذمہ داری ہوا کرتی ہے:

۱۔ خدا کی طرف سے منصوب ہو۔

۲۔ امام بھی امامت قبول کرے۔

۳۔ لوگ بھی امام کو تسلیم کریں۔

یا ان شرائط میں سے ایک شرط کے نہ ہونے سے امر امامت بھی منتفی و ختم ہو جائے گا۔

شیخ مفیدؒ اپنے تیسرے رسالۂ غیبت میں رقمطراز ہیں: ''اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اگر آنحضرتؑ کی طولانی غیبت کا سبب دشمنوں کی کثرت اور ان کی جان کا خوف ہی ہے تو پھر ان سے پہلے والے ائمہ نے کیوں غیبت نہیں اختیار کی ،جبکہ ان سے پہلے والے ائمہ کا زمانہ کہیں زیادہ سخت و دشوار تھا نیز ان کے دشمن بھی کثرت سے موجود تھے، اس کے باوجود بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے شیعوں کی نظروں سے غائب نہیں ہوئے اور وہ ظاہر تھے...؟

آپ اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں: ''امام عصرؑ کا زمانہ پہلے ائمہ سے بہت زیادہ مختلف تھا، اس لیے کہ آنحضرتؑ سے پہلے والے ائمہ کے حالات سے استفادہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ تقیہ کی حالت میں تھے اور قیامِ شمشیر کے لیے مامور نہیں ہوئے تھے، چونکہ مصلحت اس میں نہیں تھی... لہٰذا اس جہت سے وہ لوگ غیبت اور مخفی رہنے سے بے نیاز تھے۔ لیکن امام زمانہؑ کی ذات قیامِ شمشیر اور دشمنانِ خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے مشہور ہے اور وہی مہدیٔ امت ہیں جو زمین کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے، لہٰذا دشمن ان کی گھات میں تھے اور حضرت کے قتل کے درپے تھے۔ اور چونکہ ایسے موقع پر حضرت کے چاہنے والے بھی ان کی ذات اور فطرت کے شایان شان دفاع کرنے کی آمادگی نہیں رکھتے تھے لہٰذا آنحضرتؑ کے لیے غیبت لازم ہوگئی۔ اس صورت (غیبت) کے علاوہ حضرتؑ اپنے ظہور سے بغیر کسی فائدہ کے اپنی اور شیعوں کی جان کو خطرہ میں ڈالتے''۔(۱)

آٹھواں مقدمہ: امام زمانہؑ کا حکّام وقت سے بیعت نہ کرنا

امام زمانہؑ کی غیبت کے منجملہ عوامل و اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ جس کی طرف روایات میں اشارہ ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرتؑ کا اپنے زمانہ کے

حکامِ وقت سے بیعت نہ کرنا ہے۔

شیخ صدوقؒ، اکمال الدین میں اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: " یقوم القائم و لیس فی عنقه لأحد بیعة" (۲) قائمؑ ایسی حالت میں قیام کریں گے کہ ان کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہوگی۔

نیز اپنی سند سے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: " کأنّی بالشیعة عند فقد انهم الرابع من ولدی یطلبون المرعیٰ فلا یجدونه" قلت: ولم ذلک یابن رسول الله؟ قال: " لأنّ امامهم یغیب عنهم" فقلت: ولم؟

۱۔ خلاصۃ الرسالۃ الثالثۃ فی الغیبۃ، شیخ مفید۔

۲۔ اکمال الدین، ص ۴۸۰، باب علت غیبت۔

قال: " لئلا یکون لاحد فی عنقه بیعة اذا قام بالسیف " (۱) گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ میری اولاد میں سے تیسرے کے مفقود ہونے کے دوران شیعہ چراگاہ تلاش کرنے میں سرگرداں پھر رہے ہیں، مگر انہیں چراگاہ (مرکزیت) نصیب نہیں ہوگی، میں نے عرض کیا: فرزند رسول! ایسا کیوں ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اس لیے کہ ان کا امام ان میں سے غائب ہوگا۔ میں نے عرض کیا: کس لیے غائب ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تا کہ جب وہ تلوار لے کر خروج کریں تو ان کی گردن پر کسی حاکم وحکومت کی بیعت کا بار نہ ہو۔

یہ مسئلہ مکمل طور پر عرفی اور عادی ہے، اس لیے کہ جو شخص بھی دینی یا دنیوی اصلاح کے درپے ہے تو وہ طبعی طور پر بعض قدرت مندوں کے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہے تا کہ اس کے تعاون سے اپنے اصلاحی مشن کو ترقی دے سکے۔

اور اس عہد و پیمان کا لازمہ یہ ہے کہ وہ لوگ ان کے سامنے اس وقت تک نہیں آئیں گے جب تک ان کا اصلاحی مشن کامیاب نہ ہو جائے اور یہ امر تقیہ اور ان کے خوف کی بنا پر بعض احکام کے نفاذ کی تعطیل نیز خلاف واقع معاملہ کرنے کا محتاج ہے۔

اسی وجہ سے خداوند متعال قرآن کریم میں فرماتا ہے: " الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً و لم یظاھروا علیکم احد افاتموا الیھم عھدھم " (۲) مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا پھر ان لوگوں نے کبھی کچھ تم سے وفاء عہد میں کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے عہد و پیمان کو جتنی مدت کے واسطہ مقرر کیا ہے، پورا کرو۔

۱۔ اکمال الدین، ص ۴۸۰، باب علت غیبت۔ ۲۔ سورۂ توبہ/۴۔

لیکن امام مہدیؑ (چونکہ اپنے ظہور کے وقت واقعی مکلف ہوں گے اور وہ کسی سے تقیہ نہیں کریں گے جیسا کہ روایات سے استفادہ ہوتا ہے اور دوسری طرف سے ہر لحہ آپ کے ظہور کا احتمال موجود ہے) تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ آنحضرتؑ کی گردن پر کسی بھی شخص کی بیعت نہ ہو۔ (۱)

نواں مقدمہ: ہدایت کی قسمیں

ہدایت کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ فطری ہدایت: خداوند متعال فرماتا ہے: " فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذلک الدین القیّم" (۲)

پس اے رسول [اپنے تمام پیروکاروں کے ساتھ] باطل سے کترا کے اپنا رخ دین کی طرف کیے رہو، یہی خدا کی بناوٹ ہے۔ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی (درست کی ہوئی) بناوٹ میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ یہی مضبوط اور بالکل سیدھا دین ہے۔

۲۔ تشریعی ہدایت: یعنی لوگوں کی رہنمائی کرنا امام کا معاشرہ میں حاضر رہنے پر متفرع و موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فبعث اللّٰہ النّبیین مبشّرین و منذرین" (۳) پھر خدا نے نیک لوگوں کو (نجات کی) خوش خبری دینے والے اور برے لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والے پیغمبروں کو بھیجا۔

۱۔ رجوع فرمائیں، المہدی، سید صدر الدین صدر، ص ۱۷۰، ۱۷۱۔

۲۔ سورۂ روم، ۳۰۔ ۳۔ سورۂ بقرہ، ۲۱۳۔

۳۔ تکوینی ہدایت: یعنی تخلیقی نظام میں تدبیر و تصرف کرنا ہے۔ خداوند متعال فرماتا ہے: "قال الذی عنده علم من الکتاب انا آتیک به قبل ان یرتدّ الیک طرفک فلمّا راٰه مستقرّاً عنده قال هذا من فضل ربّی" (۱)

وہ شخص جس کے پاس کتاب الٰہی کا کسی قدر علم تھا [آصف ابن برخیا یا خضر یا سلیمان] کہا: میں آپ کی پلک جھپکنے سے بھی پہلے تخت کو آپ کے پاس حاضر کیے دیتا ہوں (بس اتنے میں ہی وہ آ گیا) تو جب سلیمان نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو کہنے لگے: یہ تو محض میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے۔

۴۔ باطنی ہدایت: (مطلوب و مقصود تک پہونچانا) کہ یہ تکوینی ولایت کا ایک حصہ

ہے۔

اس طرح کی ہدایت امام زمانہ کے مقدس وجود پر متفرع و موقوف ہے نہ کہ ان کے حاضر رہنے پر۔ خداوند متعال نے اس قسم کی ہدایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: "و جعلناهم ائمة يهدون بأمرنا" (۲) (ان انبیاء) کو لوگوں کا امام قرار دیا ہے تا کہ مخلوق کو ہمارے امر کی ہدایت کریں۔

یہ بہت ہی واضح سی بات ہے کہ آیت میں مذکورہ انبیاء الٰہی، مقام امامت پر فائز ہونے سے پہلے، مقام نبوت اور معاشرہ کی تشریعی ہدایت انجام دیتے تھے۔

ان مختصر مقدمات سے امام زمانہؑ کی غیبت کے مسئلہ کی وجہ واضح و روشن ہو جاتی ہے۔

۱۔ سورہ نحل ر۴۴۔

۲۔ سورۂ انبیاء ر۷۳۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی طولانی عمر

شیعہ امامیہ، قطعی دلائل کے اجتماع میں، امام زمانہ مہدی موعودؑ کی امامت کا ۲۵۵ھ ق سے اب تک اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعتقاد کا لازمہ یہ ہے کہ اس بات کا امکان ہو کہ ایک شخص نے ہزار سال سے زیادہ کی عمر پائی ہو۔ یہی لازمہ بعض لوگوں کے لیے گراں بہا تمام ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص نے اتنی طویل عمر پائی ہو۔

یہ لوگ حقیقت میں اس جہت سے کہ امام مہدیؑ کے وجود اور امامت کے اصل عقیدہ کو قبول نہیں رکھتے تو طول عمر کو بہانہ قرار دیتے ہیں تا کہ امامت و مہدویت کے شیعی عقیدہ کو مورد سوال قرار دیں۔

سائح علی حسین مغربی کا قول ہے:

''اہل سنت نے مہدی کے ہزار سال سے زائد یہاں تک کہ اس زمانہ تک جب تک خدا چاہے زندہ اور باقی رہنے کو اعتراض اور تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اس مقدار کی کوئی عمر لوگوں کے درمیان مرسوم نہیں تھی اور کوئی شرعی دلیل بھی اس کے وجود پر نہیں پائی جاتی''(۱)

جس طرح ڈاکٹر احمد محمود صبحی نے شیعہ اثنا عشری والوں پر امام زمانہؑ کی طولانی عمر کے اعتقاد رکھنے کو، عقیدۂ مہدویت کے مسئلہ میں سب سے قوی اعتراضات وارد کیے ہیں۔ وہ کہتا ہے: ''مہدی کا ہزار سال سے زیادہ زندہ رہنے میں شک وشبہ پایا جاتا ہے اور یہی بنیادی طور پر عقیدۂ مہدویت کے سست ہونے کا سبب بنتا ہے''۔(۲)

۱۔ تراثنا وموازین النقد، ص۲۰۳

۲۔ نظریۃ الامامۃ لدی الشیعۃ الاثنی عشریۃ، ص۴۱۱۔

یہاں مناسب ہوگا کہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی بحث وتحقیق کریں تاکہ اس کے بعید شمار کرنے کا تصور برطرف ہوجائے۔

مسئلہ کی تحقیق

امام زمانہؑ کی طول عمر کا مسئلہ منجملہ ان امور میں سے ہے کہ وہ عقلی اور منطقی لحاظ سے مکمل طور پر سازگاری رکھتا ہے اور عقلی دلائل کے بھی مطابق ہے اس حد تک کہ انصاف پسند مومن کے لیے اس مسئلہ میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

کبھی بھی اعتقادی مسائل میں کسی عقیدہ کے بعید ہونے کا مقام نہیں پایا جاتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ جب عقلی اور نقل شدہ قطعی دلیلیں اس مسئلہ پر دلالت کریں۔

اب مسئلہ کی تحقیق، عقلی ونقلی دلیلوں کو ذکر کر کے اس کے بعید شمار کرنے کا تصور بر طرف کریں گے:

۱۔ خداوند متعال کی عمومی قدرت

جیسا کہ علم کلام میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ خداوند عالم ہر شئے پر قادر ہے۔ جس طرح وہ ہر شئے کا عالم ہے، ہر وہ امر جس میں قدرت کی صلاحیت پائی جاتی ہو، محال ذاتی اور محال وقوعی نہ ہو، اگر چہ عمومی عادت کے برخلاف ہو۔

لہذا یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تعالی کسی مصلحت کی بنا پر ایک شخص کی عمر کو طولانی کر دے اور اسے موت کی آفتوں سے محفوظ رکھے۔ آگ کی طبیعت جلانا ہے، لیکن خداوند عالم کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ کے لیے سلامتی کے ساتھ سرد ہو جاتی ہے: "قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراهیم"(۱)

۱۔ سورۂ انبیاء/۶۹۔

"ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث ہو جا"۔

لہذا قدرت الہی کی عمومیت کے ذریعہ امام زمانہؑ کی طولانی عمر پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس حد تک طویل عمر پانا محال ذاتی یا وقوعی نہیں ہے۔

۲۔ اعجاز

نبوت اور امامت جو سلسلہ نبوت کی ایک کڑی ہے ہمیشہ اعجاز کے ہمراہ رہی ہے۔

جو شخص نبوت یا امامت کا دعویٰ کرے اور اس کے ہمراہ معجزہ کا اظہار کرے، تو وہ اس کے دعوی کی صداقت پر دلالت کرتا ہے اور خاتم الاوصیاء امام زمانہؑ کے منجملہ معجزات میں

سے آپ کی مبارک طویل عمر کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ پیغمبرؐ اور ائمہ معصومین، امام مہدیؑ کی ولادت سے قبل اس مسئلہ اعجاز کی طرف اشارہ کر چکے ہیں تا کہ کسی کے لیے اس کا تصور مشکل نہ ہو۔

امام زمانہؑ کی طولانی عمر کا مسئلہ اور اسے ایسے شخص کا سمجھنا سہل و آسان ہو گا جو معجزات اور خارق عادات امور کا معتقد ہو، اس لیے کہ اسباب و علل صرف عادی امور میں منحصر نہیں ہیں۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: ''جس شخص نے رسول اکرمؐ اور ائمہ اہلبیتؑ سے بالخصوص امام غائب سے متعلق وارد شدہ روایات کا مطالعہ کیا ہو تو وہ اس نتیجہ تک پہونچے گا کہ امام غائب کی حیات طیبہ معجزہ اور خرق عادت کے ہمراہ ہے۔ اور یہ طبیعی ہے کہ خارق عادت ہونا کوئی محال امر نہیں ہے اور خارق عادت کو علی الاطلاق علمی طریقہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وہ اسباب و عوامل جو کائنات میں مؤثر ہیں وہ کبھی بھی ہماری ظاہری شناخت اور نگاہ کی حدوں میں منحصر نہیں ہیں۔

ہم دوسرے عوامل کو ماوراء طبیعت سے نفی نہیں کر سکتے..... لہٰذا ممکن ہے کہ ایسے عوامل کسی فرد یا افراد بشر میں موجود ہوں کہ وہ انسان کو طولانی عمر سے فائدہ پہونچائیں اس حد تک کہ کبھی ہزار یا ہزاروں سال تک پہونچ جائے۔ اس بنا پر علم طب انسان کی طولانی عمر کا راز کشف کرنے سے ہرگز واقف نہیں ہو سکا۔(۱)

لیکن یہ نکتہ قابل توجہ رہے کہ اگر اب بھی علم طب اس نتیجہ تک نہ پہونچا ہو تو ہم امام زمانہؑ کی طولانی عمر کو معجزہ کے ذریعہ ثابت کر سکتے ہیں، بالخصوص بعض وہ روایات جو حضرت کے سن

مبارک کو دائمی طور پر چالیس سالہ جوان کی شکل میں بیان کرتی ہیں۔ یہ معجزہ اس سے بالاتر نہیں ہے کہ ایک شخص پانچ سال کے سن میں منصب امامت تک پہونچ جائے۔ جیسا کہ امام زمانہؑ بھی ایسے ہی تھے۔ اور جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں کلام کیا۔

ہاں اس معجزہ کا امتیاز یعنی طول عمر کا مسئلہ یہ ہے کہ بشری علم اس کے راز ورموز تک پہونچ کر اسے حاصل کرسکتا ہے، برخلاف دوسرے معجزات کے جیسے مردوں کو زندہ کرنا یا آگ کا سرد ہو جانا یا بچہ کا تمام معارف کو کسی فرد سے حاصل کیے بغیر ان کا عالم ہونا، اگرچہ یہ امور عقلاً ممکن ہیں اور محال ذاتی یا وقوعی نہیں رکھتے لہٰذا ان کے ذریعہ معجزہ واقع ہوتا ہے، لیکن عام انسان خواہ وہ جس حد تک بھی پہونچ جائیں اس سے عاجز ہیں۔

۱۔ شیعہ در اسلام، ص ۱۹۸۔

شہید صدرؒ فرماتے ہیں: "...ہم اگر فرض کریں کہ طولانی عمر علمی لحاظ سے ممکن نہیں ہے ...تو نتیجہ کیا ہے؟

آپ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک انسان کی کچھ صدیوں تک طولانی عمر ہونا طبیعی قوانین کے خلاف ہے جن کو سائنس نے تجربہ اور جدید تحقیقی طریقوں سے ثابت کیا ہے، تو اس وقت ہم اس نتیجہ تک پہونچیں گے کہ طولانی عمر ایک اعجازی کیفیت کی حامل تھی جو مخصوص حالت میں قانون طبیعت کو معطل کردیتی ہے اور خرق عادت ہے۔

یہ معجزہ ہر اس شخص کے لیے اپنی نوعیت کا جدید یا عجیب وغریب معجزہ نہیں ہے جو قرآنی

نصوص اور سنت پیغمبرؐ سے کسب فیض کرتے ہیں، یہ موضوع حرارت کے قانون کو نقض کرنے سے کہ جس میں زیادہ حرارت والے جسم سے کم حرارت والے جسم میں حرارت منتقل ہوتی ہے۔اس سے زیادہ عجیب وغریب نہیں ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے لیے نقض ہوا ہے تاکہ ان کی جان محفوظ رہ سکے۔

خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے: "قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراهیم" (۱) ہم نے کہا: اے آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث ہو جا۔

اس وقت شہید دوسرے انبیاء کے معجزات اور بہت سے خارق عادت امور کی اہم مصالح کی جہات کے پیش نظر مثال ذکر کرتے ہیں کہ اگر طول عمر کا مسئلہ معجزہ کی حد تک اہم نہ ہو تو بھی اس کی اہمیت کم نہیں ہے....۔(۲)

۱۔سورۂ انبیاء/۶۹۔

۲۔بحث حول المہدیؑ، ص ۷۷-۸۰۔

۳۔علمی امکان

علمی امکان کا مقصد یہ ہے کہ بعض ایسے امور ہیں کہ جن کا علمی امکان نہیں پایا جاتا اور انہیں ماڈرن اور آج کی ترقی یافتہ وسائل کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا، لیکن علمی قوانین کے لحاظ سے کسی قسم کا کوئی قاعدہ وقانون موجود نہیں ہے جو اس کے محقق ہونے سے مانع ہو۔

مثال کے طور پر انسان کا "زہرہ سیارہ" پر جانا علمی لحاظ سے کوئی علمی اعتراض کا باعث نہیں ہے۔ بلکہ علم اور اس کے متعلق قوانین اس کے وقوعی امکان پر دلالت کرتے ہیں، اگر

چہ بشر کی اب تک وہاں رسائی نہیں ہوسکی ہے۔اس مقام کے برعکس سورج پر جاکر اترنا علمی لحاظ سے بھی غیر ممکن ہے اور سائنس کے اعتبار سے بھی محقق نہیں ہوا ہے، اور کبھی بھی علمی مراکز کی تمنا بھی ایسی نہیں تھی نیز بشر کے خیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ ضد حرارت کوئی اسپرے درست کرے جو قدرت خورشید کی حرارت کا مقابلہ کرسکے۔

طول عمر کے مسئلہ میں بھی ہم کہتے ہیں: علمی لحاظ سے بھی انسان کی طول عمر کے لیے کوئی قانونی مشکل نہیں پائی جاتی، بلکہ انسانی علمی ٹیکنالوجی ترقی کی بنا پر ایک شخص اس موجودہ عمر سے کئی گنا زیادہ عمر دراز ہوسکتا ہے۔

جدید علم نئے فارمولوں کی دسترسی میں مصروف ہے تاکہ اس کے ذریعہ انسان کی موجودہ عمر سے کئی گنا زیادہ طولانی عمر حاصل کرسکے۔

برنارڈ شو کا قول ہے: ''تمام علماء علم الحیات کے نزدیک علمی اصولوں سے یہ ثابت ہے کہ انسان کی عمر کے لیے کوئی حد ثابت نہیں ہے، طول عمر ایک ایسا مسئلہ ہے کہ وہ حد بندی قبول نہیں کرتا۔(۱)

جرمن کا مشہور دانشمند ''وایز من'' کا قول ہے: ''موت اور طبیعی قوانین کے درمیان کسی قسم کا تلازم نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ ہم عالم طبیعت میں ایک عمر کو دیکھتے ہیں کہ ایک لحہ کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دائمی طور پر کم و کاست ہوتی رہتی ہے، مسئلہ خلود (دائمی ہونا) موجودات کی طبیعی و فطری عمر ہے، لہذا ''متوشلخ'' کی عمر ۹۶۹ سال تھی۔ عصر حاضر میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کی طبیعی عمر میں اضافہ ہوا ہے، اور اس کی مدت کے زیادہ ہونے میں کسی قسم کا مانع نہیں پایا جاتا۔

یورپ میں سولہویں صدی عیسوی میں انسان کی متوسط عمر (۲۱) سال۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں (۲۶) سال۔

انیسویں صدی عیسوی میں (۳۴) سال۔

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں (۵۰) سال تھی۔ درحالیکہ فی الحال انسان کی طبیعی عمر کا اوسط (۷۰) سال تک ہے۔(۲) علم اجتماع کے ماہرین اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان کی متوسط عمر تقریباً (۳۰۰) سال تک بھی ہو سکتی ہے۔(۳)

بعض دوسرے دانشور افراد معتقد ہیں کہ ہر ذی حیات موجود کی طبیعی عمر کی مدت سات سے لے کر اس کے رشد کے چار گنا برابر اور زائد ہوتی ہے۔ لہذا اگر انسان کے رشد کا زمانہ (۲۵) سال ہے تو انسان کی طبیعی عمر کی مدت تقریباً (۲۸۰) سال ہونی چاہیے۔(۴)

۱۔ عمر المہدی بین العلم والادیان، ص ۶۔ ۲۔ گذشتہ حوالہ، ص ۷۔

۳۔ مجلۂ الاہرام، مصر ۳ دسمبر ۱۹۳۰۔ ۴۔ داد گستر جہان، ص ۲۹۷۔

مٹشنیکوف" پاسٹور کا شاگرد (جس نے مائیکروب کا انکشاف کیا تھا) کہتا ہے: "انسان کا جسم (۳۰۰) سال زندگی گزارنے کی آمادگی رکھتا ہے، وہ لوگ جو ۷۰ یا ۸۰ سال کی عمر میں مرجاتے ہیں ان کے اعضاء و جوارح سالم ہوتے ہیں جو اس حد تک دنیا میں باقی رہتے ہیں لیکن انسان کے بدن میں ایسے عوامل و عناصر ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کی عمر کوتاہ کر دیتے ہیں، جیسے یہ کہ کوئی شخص ایسے امور انجام دے جو اس کے لیے مافوق القدرت ہو یا کوئی مرض اس کے بدن پر عارض ہو گیا ہو۔

اس وقت وہ کہتا ہے کہ انسان کی زندگی میں فنا و موت کے منجملہ عوامل میں سے بہت

سے جراثیم کا وجود ہے جو انسان کے معدہ میں ظاہر ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کی طاقت تدریجی طور پر سلب کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں انسان کو موت کی طرف بھیجتے ہیں۔(۱)

فلوکر، مشہور فیزکس دان کا قول ہے: ''انسان کی طبیعی عمر کی مدت (۶۰۰) سال ہے۔ ''روجر بیکم'' لندن کے دانشور نے انسان کی عمر کے لیے ہزار سال تک کی مدت بیان کی ہے۔(۲)

دنیا میں موت کا اوسط (۶۰۰) ملین افراد تک سال بھر میں ہوتا ہے کہ ان سب سے سوال کرنا چاہیے کہ کیوں دنیا سے چلے گئے، جب کہ چاہتے تو دنیا سے رحلت نہ کرتے۔

امریکی ڈاکٹر کیلورڈ ھاورز کا قول ہے: ''علم طب انسان کی طول عمر کے حدود و موانع کو غذائی علم کی مدد سے ختم کرسکتا ہے ہمیں آج اس بات کی امید ہے کہ ہم اپنے والدین اور

۱۔ دائرۃ المعارف قرن بیستم، مادۂ حیات۔

۲۔ مجلۂ دانشمند، سال ۶، شمارہ ۱، ص ۴۳۔

اجداد کی عمر کے برخلاف اس طرح کی طویل عمر حاصل کریں۔(۱)

بعض دوسرے علم اجتماع کے علماء، کافی بحث و گفتگو کے بعد اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ انسانی جسم کی ساخت ایسی ہے کہ وہ ہزار سال کی عمر سے بھی زائد ہوسکتی ہے۔(۲)

پروفیسر اٹینگر کا قول ہے: ''جوان نسل ایک دن انسان کی جاودانی اور ابدی حیات کو اس طرح قبول کرے گی جس طرح آج لوگوں نے فضائی سفر کو تسلیم کیا ہے، اس لیے کہ میرا نظریہ یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس تحقیق سے جس کا ہم آج مشاہدہ کررہے ہیں، کم از کم آئندہ صدی کا انسان ہزاروں سال کی زندگی بسر کرے گا۔(۳)

پروفیسر سیلی کا قول ہے: ''موت، تدریجی مرض ہے۔ کوئی بھی شخص ضعیف العمر ہونے کی بنا پر دنیا سے نہیں گیا ہے۔ علم طب کی ترقی کی برکت سے عنقریب انسان اب ایسی طاقت حاصل کر لے گا کہ اپنی موجودہ عمر کو اس کے کئی برابر پہونچا سکتا ہے''۔

شیخ طنطاوی جوہری نے تفسیر ''الجواہر'' میں آیہ مبارکہ '' ومن نعمره ننكسه في الخلق ''(۴) اور ہم جسے طویل عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں بچپنے کی طرف واپس کر دیتے ہیں۔ کے ذیل میں ''كل شئي '' نامی مجلّہ کے ایک مقالہ میں نقل کیا ہے کہ جس میں انسانی عمر کے طولانی ہونے اور ایام پیری کے امکان پر مفصل بحث کی ہے۔

۱۔ راہی بہ سوی حیات نو، ص ۱۴۔

۲۔ مجلۂ اطلاعات شمارہ ۱۱۳۱۱، ص ۲۲۔

۳۔ مجلۂ دانشمند، سال ششم، شمارہ ۶۔

۴۔ سورۂ یٰسین/ ۶۸۔

استاد یا ڈاکٹر ''فورونوف'' کہ جس کا نام طولانی عمر کی بشارت دینے کی وجہ سے ہر جگہ گونج اٹھا ہے۔ وہ حیوانوں پر بہت سے عملی و تجربی امور انجام دے کر اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ وہی جس کا یہ مقالہ ہے کہتا ہے: ''میں نے اب تک (۶۰۰) کامیاب تجرباتی عمل انجام دیا ہے اور اب کمال اطمینان کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہوں کہ ایام پیری کے قویٰ کو تجدید اور تقویت بخش کر کے اسے موخر کیا جا سکتا ہے، نیز انسان کی ستر سالہ طبیعی عمر کو چند گنا زیادہ کیا جا سکتا ہے:۔

اس بات میں شک نہیں ہے کہ کام، عادات اور اعتدال پسند ہونا، انسان کی طولانی عمر

کے لیے اساسی عوامل میں سے ہیں۔ اور ہر منحرف اور افراط و تفریطی امور، طبیعی نظام کے لحاظ سے انسانوں کی کوتاہی عمر کا باعث ہیں۔

طول عمر کا مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے کہ جس کے دانشمند افراد اور صاحبان ادیان و مذاہب منکر ہوں، بلکہ ہر شخص نے علم وفن کے راستہ سے یا دینی اور مذہبی طریقہ سے اس کو ثابت کیا ہے۔

انسان جتنی مقدار میں حفظان صحت کے قواعد سے زیادہ آگاہ ہوگا اس کی عمر اتنی ہی زیادہ طولانی ہوگی، اور انسان جتنی مقدار میں کوتاہی عمر کے اسباب فراہم کرے گا وہ زندگی سے کم فائدہ اٹھا سکے گا اور اس کے نتیجہ میں اس کی عمر بھی کم ہوگی۔

بعض اطبا اعتقاد رکھتے ہیں کہ موت مرض کا سرچشمہ ہے نہ کہ پیری، اور امراض کے مختلف اسباب ہوتے ہیں کہ ان میں سے بعض انسان کے اختیار میں نہیں ہیں، جیسے جاہل ماں باپ کا انسانی حفظان صحت کے قوانین کی رعایت نہ کرنا، اس لیے کہ والدین کے مزاج کا صحیح وسالم رہنا، بچہ کے اعتدالی مزاج میں کافی دخالت رکھتا ہے، بالخصوص نکاح کے وقت، اس طرح اچھی تربیت دینا اور سکون بخش ماحول فراہم کرنا بچے کی طول عمر میں بہت زیادہ اثر انداز ہونے والے عوامل میں شمار ہوتے ہیں۔

لیکن بعض دوسرے عوامل انسان کے اختیار میں ہیں لہذا انسان اسے خود سے دور کر سکتا ہے جیسے کھانے پینے میں افراط سے کام لینا اور اپنے روزمرہ کے امور میں صحیح طور پر مرتب و منظم نہ ہونا جنسی غرائز کے وہ امور جو انسانی مزاج کے مختل ہونے کا سبب ہوں۔

اس طرح برے اخلاق، ناپسند صفات اور باطل اعتقادات اس جہت سے کہ نفسیاتی

اضطراب کا سبب ہوں، وہ انسان کے لیے مضر ہوں گے۔ خبیث وسواس میں مبتلا ہونا بھی انسان کے سکون کو سلب کر لیتا ہے نیز کوتاہی عمر میں موثر ہے۔ اب اگر انسان ان تمام برے اوصاف کے دروازوں کو اپنے لیے بند کر لے اور اس پر غالب ہو تو اس کی عمر کی کوئی مخصوص حد نہیں ہوگی اور یہ بات علمی قوانین کے حساب سے کوئی مانع نہیں رکھتی۔ ہاں انبیاء کرام کے اقوال سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر ایک انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

اور ہر ایک شئے فنا ہونے والی ہے: " اینما تکونوا یدرککم الموت "(۱) تم جہاں بھی رہو گے موت تمہیں پا لے گی۔

لیکن انسانی طولانی عمر کو ہزاروں سال سے زائد ہونے کو نفی نہیں کیا جا سکتا۔(۲)

"ڈیمنڈ وبرل" جس کا شمار جونس ھبکنس یونیورسٹی کے اساتذہ میں ہوتا ہے کہتا ہے:" انسان کے تمام اصلی اجزاء بدن بغیر کسی استثناء کے، آزمائش کے بعد ثابت ہوا ہے کہ وہ خلود

۱۔ سورۂ نساء، ۷۸۔ ۲۔ تفسیر الجواہر، ج ۱۷، ص ۲۲۴۔

وجاودانگی کی صلاحیت رکھتے ہیں، یا حداقل یہ ثابت ہے کہ اس موجودہ عمر کی مقدار سے زائد طولانی عمر کی صلاحیت پائی جاتی ہے.... اور سب سے پہلے جس نے اس بات کو تجرباتی لحاظ سے آزمائش کی وہ ڈاکٹر جاک لوب ہے جو "راکفلر" نامی مرکز کے کارندوں میں سے ہے وہ اور دوسرے افراد بہت سے حیوانات پر تجربات کے بعد اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ اگر بعض مواد آلی حیوانات کے اجزاء بدن میں اضافہ کیے جائیں تو ان کی رشد اور عمر میں زیادہ ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے....(۱)

عجیب بات یہ ہے کہ اہل سنت امام مہدیؑ کی ولادت اور ان کے موجود ہونے کو طول

عمر کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، جبکہ وہ خود اپنے صحیح ترین حدیثی مصادر و مآخذ میں ایسی روایات نقل کرتے ہیں کہ ان احادیث میں ایسے اشخاص کے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جن کی عمریں بہت طولانی تھیں اور اب بھی وہ عظیم طویل عمر کے مالک ہیں، منجملہ ان احادیث میں سے ایک حدیث جساصہ ہے۔ جو صحیح مسلم میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔حدیث جساصہ میں ''دجّال'' نامی شخص کے موجود ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ جو لوگوں کی نظروں سے غائب رہ کر کافی طولانی عمر کے ساتھ ایک دریائی جزیرہ میں زندگی بسر کر رہا ہے اور ایک زمانہ میں باطل تحریک کے ساتھ قیام کرے گا۔(۲)

۱۔مجلہ ''المقتطف'' جزءسوم سال ۵۹ (آیا انسان در دنیا خالدی شود؟) کے عنوان کے تحت ایک مقالہ میں۔

۲۔صحیح مسلم، ج۸،ص۲۰۳۔۲۰۵، باب فی الدجال۔

۴۔عملی امکان

فلاسفہ و متکلمین کہتے ہیں: کسی شئے کے امکان کی سب سے بڑی دلیل اس شئے کا خارج میں واقع ہونا ہے۔ اگر گفتگو خارج میں کسی شئے کے امکان یا عدم امکان کی ہے تو اس کے امکان کی بہترین دلیل خارج میں واقع ہونے میں ہے۔

طول عمر کے مسئلہ میں بھی یہی قانون جاری و ساری ہے اس کے امکان کی بہترین دلیل گزشتہ تاریخ کی طرف رجوع کرنا ہے، طول تاریخ میں کثرت سے

ایسے افراد موجود ہیں جن کی عمر بہت طولانی تھی، تو حضرت مہدیؑ کی طول عمر بھی انہیں لوگوں میں سے ایک ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت یونسؑ "ذوالنون" کے متعلق فرماتا ہے: "فلولا انه کان من المسبّحین للبث فی بطنه الی یوم یبعثون" (۱) پھر اگر یونس خدا کی تسبیح اور ذکر نہ کرتے تو روز قیامت تک مچھلی ہی کے شکم میں رہتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ انسانی بدن صبح قیامت تک طولانی عمر کا مالک ہو سکتا ہے۔

نیز حضرت نوحؑ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: "و لقد ارسلنا نوحا الیٰ قومه فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاما" (۲) اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہے۔

۱۔ سورۂ صافات/۱۴۳، ۱۴۴۔

۲۔ سورۂ عنکبوت/۱۴۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق، حضرت عیسیٰ مسیحؑ اب تک زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے اور امام زمانہؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

اور حکم خدا سے ان کو اپنے اہداف تک پہونچنے کے لیے نصرت و مدد کریں گے جیسا کہ آیات اور صریحی روایات سے استفادہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "و ما قتلوه یقینا بل رفعه اللّٰه الیه و کان اللّٰه عزیزاً حکیما" (۱)

اور عیسیٰ کو ان لوگوں نے یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا اور خدا تو بڑا زبردست تدبیر والا ہے۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ جو کچھ گزشتہ امتوں میں رونما ہوا وہ اس امت (محمدؐ) میں بھی رونما ہوگا لہذا جس طرح گزشتہ امتوں میں ایسے افراد تھے جن کی عمریں طولانی تھیں تو اس امت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

محمد بن یوسف گنجی شافعی کہتے ہیں: ''وجود مہدیؑ کے بقا میں کسی قسم کا مانع موجود نہیں ہے، اس دلیل سے کہ عیسیٰؑ، الیاس اور خضر اولیاء خدا میں سے اور شیطان ملعون وغیرہ خدا کے دشمنوں میں سے باقی رہتے ہوئے طولانی عمر کے مالک ہیں اور ان کی طولانی عمر کتاب وسنت سے ثابت ہو چکی ہیں اور علماء بھی اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں۔ لیکن حضرت مہدیؑ کے مسئلہ میں طولانی عمر کے جواز پر اعتراض کرتے ہیں...''۔(۲)

۱۔ سورۂ نساء/۱۵۷، ۱۵۸۔

۲۔ کفایۃ الطالب، آخری حصہ۔

گزشتہ امتوں میں مُعمّر افراد

وہ افراد جن کی عمریں طولانی تھیں انہیں صدیوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ افراد جن کی عمریں سو سال سے تجاوز کر چکی ہیں اور دو سو سال تک نہیں پہونچی ہیں:

ابراہیم خلیل	۲۰۰ یا ۱۷۵ سال کی عمر۔(۱)
اسماعیل ذبیح اللہ	۱۳۷ سال کی عمر۔(۲)

سارہ ۱۲۷سال کی عمر۔(۳)

اسحاق ۱۶۰سال کی عمر۔(۴)

یعقوب ۱۴۷سال کی عمر۔(۵)

یوسف ابن یعقوب، ۱۲۰۔۱۲۳یا ۱۱۰سال کی عمر۔(۶)

منوچہر اپنی بادشاہت کے ساتھ ۱۲۰سال کی عمر۔(۷)

عمران ۱۳۷سال کی عمر۔(۸)

موسیٰ ابن عمران ۱۲۰سال کی عمر۔(۹)

ہارون ۱۲۳یا ۱۲۰سال کی عمر۔(۱۰)

۱۔کامل ابن اثیر،ج ا،ص ۳۳۔ ۲۔گزشتہ حوالہ۔
۳۔گزشتہ حوالہ،ص ۱۶۱۔ ۴۔گزشتہ حوالہ،ص ۱۶۰۔
۵۔تاریخ طبری،ج ا،ص ۱۶۹۔ ۶۔گزشتہ حوالہ،ص ۱۸۷۔
۷۔کامل ابن اثیر،ج ا،ص ۵۷۔ ۸۔گزشتہ حوالہ،ص ۵۸۔
۹۔کامل ابن اثیر،ج ا،ص ۶۸۔ ۱۰۔مروج الذہب۔

یوشع بن نون، ۱۲۶سال کی عمر۔(۱)

۲۔وہ افراد جن کی عمر ۲۰۰سو سال سے زائد تھی اور تین سو سال تک نہیں پہونچی تھی۔

صفی بن ریاح، ۲۷۰سال کی عمر۔(۲)

ضبیرۃ بن سعید بن سہم بن عمر، ۲۲۰سال کی عمر۔(۳)

عامر بن طرب غدوانی، عرب کے حکماء میں سے ایک تھے، ۲۰۰سال کی عمر۔(۴)

حرث ابن کعب مذحجی، ۲۶۰سال کی عمر۔(۵)

اقوت ابن مالک، ۲۳۰ سال کی عمر۔(۶)

خثعم ابن عوف ابن حذیفہ، ۲۵۰ سال کی عمر۔(۷)

اوس ابن ربیعہ ابن کعب ابن امیا اسلمی ۲۱۴، سال کی عمر۔(۸)

ثعلبہ ابن عبدالاشھل، ۲۳۳ سال کی عمر۔(۹)

درید ابن حمہ جبسی، ۲۰۰ سال کی عمر۔(۱۰)

زہیر ابن جناب ابن ھبل حمیری، ۲۰۰ یا ۲۵۰ سال کی عمر۔(۱۱)

۱۔ گزشتہ حوالہ۔
۲۔ گزشتہ حوالہ۔
۳۔ کنز الفوائد، ص ۲۵۰۔
۴۔ گزشتہ حوالہ، ص ۲۵۱۔
۵۔ گزشتہ حوالہ۔
۶۔ گزشتہ حوالہ۔
۷۔ گزشتہ حوالہ، ص ۲۵۳۔
۸۔ گزشتہ حوالہ۔
۹۔ گزشتہ حوالہ۔
۱۰۔ گزشتہ حوالہ۔
۱۱۔ بحار الانوار، ج ۱۳، ص ۶۷۔

۳۔ وہ افراد جن کی عمر ۳۰۰ سال سے زائد تھی اور چار سو سال تک نہیں ہوئی تھی:

عامر بن صالح، ۳۴۰ سال کی عمر(۱)

اکثم ابن سیفی اسدس تمیمی، ۳۳۰ سال کی عمر۔(۲)

ذوجدن حمیری، ۳۰۰ سال کی عمر۔(۳)

عبد ابن شرید جرہمی، ۳۱۳ یا ۳۵۰ سال کی عمر۔(۴)

شریح ابن عبداللہ جعفی، ۳۰۰ سال کی عمر۔(۵)

عبید ابن ابرص، ۳۰۰ سال کی عمر۔(۶)

عوف ابن کنانہ کلبی، ۳۰۰ سال کی عمر۔(۷)

سوی ابن کاہن، ۳۰۰ سال کی عمر۔(۸)

عبدالمسیح ابن بقیلہ، ۳۵۰ سال کی عمر۔(۹)

ذو اصبغ عدوانی، ۳۰۰ سال کی عمر۔(۱۰)

۴۔ وہ افراد جن کی عمر چار سو سال سے زائد تھی اور ۵۰۰ سے تجاوز نہیں ہوئی تھی۔

عمر ابن حمۂ دوسی، ۴۰۰ سال کی عمر۔(۱۱)

۱۔ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۴۔
۲۔ کمال الدین، ص ۳۱۴۔
۳۔ کنز الفوائد، ص ۲۵۳۔
۴۔ کمال الدین، ص ۳۱۴
۵۔ الاصابۃ۔
۶۔ کمال الدین، ص ۳۱۴۔
۷۔ کمال الدین، ص ۳۱۴۔
۸۔ گزشتہ حوالہ، ص ۳۰۵۔
۹۔ بحار الانوار، ج ۱۳، ص ۴۷۔
۱۰۔ کمال الدین، ص ۳۱۳۔
۱۱۔ کنز الفوائد، ص ۲۵۰۔

حرث ابن مضاض جرہمی، ۴۰۰ سال کی عمر۔(۱)

شائخ، ۴۹۳ سال کی عمر۔(۲)

سلمان فارسی، ۴۰۰ سال کی عمر۔(۳)

۵۔ وہ افراد جن کی عمر، ۵۰۰ سو سال تھی اور ۶۰۰ سال سے تجاوز نہیں کی تھی:

فریدون ابن اثغبان، ۵۰۰ سال کی عمر۔(۴)

۶۔ وہ افراد جن کی عمر، ۶۰۰ سال تھی اور ۷۰۰ سال سے تجاوز نہیں کی تھی:

قیس ابن ساعدہ، ۷۵۰ سال کی عمر۔(۵)

سام ابن نوح، ۶۰۰ سال کی عمر۔(۶)

حنبل ابن عبداللہ، ۶۰۰ سال کی عمر۔(۷)

فرعون بادشاہ مصر، ۶۲۰ سال کی عمر۔(۸)

ماریان ابن اوس، ۶۶۰ سال کی عمر۔(۹)

۷۔ وہ افراد جن کی عمر ۷۰۰ سال تھی اور ۸۰۰ سال سے تجاوز نہیں کی تھی:

سلیمان پیغمبر، ۷۱۲ سال کی عمر۔(۱۰)

جمشید، ۷۱۶ سال کی عمر۔(۱۱)

۱۔ گزشتہ حوالہ، ص ۲۵۱۔ ۲۔ کنز الفوائد، ص ۲۵۴۔ ۳۔ نفس الرحمن۔
۴۔ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۱۳۱۔ ۵۔ مروج الذہب۔
۶۔ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۴۔ ۷۔ بحار الانوار۔
۸۔ اخبار الدول۔ ۹۔ حیات القلوب۔
۱۰۔ المستطرف، ج ۲، ص ۳۳۔ ۱۱۔ کامل ابن اثیر۔

لود ابن مھلائیل، ۷۳۲ سال کی عمر۔(۱)

لمک ابن متوشلخ ابن ادریس پیغمبر، ۷۰۰ سال کی عمر۔(۲)

سطیح، ۷۰۰ سال کی عمر۔(۳)

۸۔ وہ افراد جن کی عمر ۸۰۰ سال تھی اور ۹۰۰ سال سے تجاوز نہیں کی تھی:

عمرو ابن عامر سرزمین سبا کے حکمرانوں کا ایک حکمراں، ۸۰۰ سال کی عمر۔(۴)

ادریس پیغمبر، ۸۶۲ سال کی عمر۔(۵)

مہلائیل ابن قینان، ۸۹۵ سال کی عمر۔(۶)

غابر، ۸۷۰ سال کی عمر۔(۷)

۹۔ وہ افراد جن کی عمر ۹۰۰ سال تھی اور ۱۰۰۰ سال سے تجاوز نہیں کی تھی:

آدم صفی اللہ، ۹۳۰ سال کی عمر۔(۸)

شدّاد ابن عاد ابن عوص ابن ارم سام ابن نوح، ۹۰۰ سال کی عمر۔(۹)

شیث ابن آدم، ۹۱۲ سال کی عمر۔(۱۰)

انوش، ۹۶۵ سال کی عمر۔(۱۱)

۱۔ مروج الذہب۔
۲۔ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۲۳۔
۳۔ کمال الدین۔
۴۔ گزشتہ حوالہ۔
۵۔ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۲۱۔
۶۔ کنز الفوائد، ص۲۳۵۔
۷۔ گزشتہ حوالہ۔
۸۔ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۱۹۔
۹۔ کمال الدین۔
۱۰۔ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۱۹۔
۱۱۔ کنز الفوائد، ص۲۳۵۔

عدیم، مصر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ، ۹۲۶ سال کی عمر۔(۱)

قینان، ۹۲۰ سال کی عمر۔(۲)

۱۰۔ وہ افراد جن کی عمر ۱۰۰۰ سال تھی اور ۲۰۰۰ سال سے تجاوز نہیں کی تھی:

ضحاک، ۱۰۰۰ سال کی عمر۔(۳)

صاحب مہرجان، ۱۵۰۰ سال کی عمر۔(۴)

بخت النصر، ۱۵۰۷ سال اور ۵۰ دن۔(۵)

بیوراسف ابن اروند اسف، ۱۰۰۰ سال کی عمر۔(۶)

۱۱۔وہ افراد جن کی عمر ۲۰۰۰ سال سے تجاوز کی تھی:

نوح پیغمبر، ۲۵۰۰ سال کی عمر۔

لقمان حکیم، ۴۰۰۰ سال اور ایک نقل کے مطابق ۱۰۰۰ سال کی عمر۔

لقمان ابن عاد، ۳۵۰۰ سال کی عمر۔(۷)

۱۲۔وہ افراد جنہوں نے ہزاروں سال زندگی بسر کی اور امام زمانہؑ کے ظہور تک دنیا کی آخری عمر تک زندہ رہیں گے۔ان افراد میں سے ایک مثال حضرت خضرؑ کی دی جاسکتی ہے۔(۸)

۱۔اخبار الدول ۔

۲۔کنز الفوائد، ص ۲۴۵۔

۳۔تاریخ طبری ۔

۴۔غیبت طوسی۔

۵۔اخبار الدول۔

۶۔کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۱۳۱۔

۷۔اخبار الدول۔

۸۔المستطرف، ج ۲، ص ۳۳۔

طول عمر کے عوامل

اطبا اور علم اجتماع کے ماہرین نے جو نظریات اپنے مباحث وگفتگو میں پیش کیے ہیں انہوں نے انسان کی طول عمر کے لیے چند عوامل ذکر کیے ہیں: جیسے نفسیاتی اعتماد واطمینان ،وراثت، غذائیں، کم کھانا، ماحول، کام کی نوعیت، سگریٹ نہ پینا، کھلی فضا، سردی، کثرت سے پاپیادہ چلنا، زندگی گزارنے کا لائحہ عمل مرتب کرنا، انسان کے لیے زندگی کا باہدف ہونا

،کام اور استراحت کے درمیان تناسب و اعتدال برقرار رکھنا، قیلولہ خصوصاً ان افراد کے لیے جو چالیس سے لے کر پچاس سال تک کی عمر والے ہوں، آرام دہ اور خوبصورت رنگ کا جوتا اپنے پاس رکھنا، اچھی طرح ناشتہ تناول کرنا، طبیعی نعمتوں سے بہرہ مند ہونا، سونے کا وقت اور مقدار کے لحاظ سے منظم رکھنا اس کے علاوہ اور بھی دوسرے عوامل انسان کی طول عمر میں بہت زیادہ مؤثر ہوسکتے ہیں۔(۱)

۵۔ فلسفی (منطقی) امکان

فلسفی یا منطقی امکان کا مقصد یہ ہے کہ عقل کی طرف مراجعہ کرنے کے بعد کسی طرح کی طول عمر کے نظریہ سے عقلی و فلسفی مشکل نہیں پائی جاتی۔ تین سنترے برابر سے بغیر کسی کمی کے دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں۔ عقلی امکان نہیں پایا جاتا، کیونکہ عقل ہر تجرباتی عمل سے پہلے درک کرتی ہے کہ تین عدد فرد (طاق) ہے زوج (جفت) نہیں، اس لیے برابر سے دو دو تقسیم ہونے کا امکان نہیں پایا جاتا، وگرنہ یہ بات لازم آئے گی کہ ایک ہی زمانہ میں ایک شئے

۱۔ اولین دانشگاہ و آخرین پیامبر، ج ۲، ص ۲۱۳۔

زوج بھی ہو فرد بھی اور یہ متضاد بات ہے ایسا تناقض و تضاد عقلاً محال ہے۔ لیکن انسان کا آگ میں چلے جانا اور سورج پر پہونچ جانا بغیر اس کے کہ اس کی حرارت انسان کو جلا دے عقلی اور منطقی لحاظ سے محال نہیں ہے، اس لیے کہ اس بات میں تضاد نہیں پایا جاتا۔

ایک وہ جسم جس کی حرارت زیادہ ہے وہ ایسے جسم میں کہ جس کی حرارت کم ہو نہ پہونچے، یہ بات صرف علم اور تجربہ کے برخلاف ہے۔

یہاں سے اس بات کا استفادہ ہوتا ہے کہ عقلی امکان کا دائرہ علمی اور عملی امکان کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے۔

اس بات میں شک نہیں ہے کہ انسان کا ہزاروں سال تک طویل عمر پانا عقلی اور منطقی لحاظ سے ممکن ہے اور کسی قسم کا عقلی اعتراض نہیں پایا جاتا اور کبھی بھی کسی قسم کا تضاد کا لازمہ بھی نہیں ہوگا اس لیے کہ حیات وزندگی کے مفہوم میں موت کی سرعت بھی نہاں ہے۔

فخر رازی انسان کی طول عمر کی توجیہ وتوضیح میں آیۂ مبارکہ "فلبث فیھم الف سنة الا خمسین عاماً..." (۱) کے ذیل میں اپنی تفسیر میں کہتے ہیں: "بعض اطبا کہتے ہیں: انسان کی عمر (۱۲۰) سال سے زائد نہیں ہوسکتی، لیکن آیت، اس کے برخلاف دلالت کرتی ہے اور عقل بھی عمر کی اس مقدار سے زیادہ طولانی ہونے کی تائید کرتی ہے، اس لیے کہ انسانی ترکیب کے لحاظ سے ذاتی طور پر بقاء کا امکان موجود ہے وگرنہ انسان باقی نہ رہتا، موثر کے تاثیر کرنے کا بھی اس میں امکان پایا جاتا ہے، اس لیے کہ انسانی وجود میں اگر مؤثر ذات واجب الوجود ہے جو دوام رکھتا ہے، اور اگر ذات واجب الوجود کے علاوہ کوئی ہے تو وہ اس

۱۔ سورۂ عنکبوت/۱۴۔

کے لیے مؤثر ہے۔

اور بالآخر ذات واجب الوجود تک اس کی بازگشت ہوگی جو دوام رکھتا ہے۔ لہذا یہ ممکن ہے کہ واجب الوجود کی تاثیر دائمی ہو کہ جس کے نتیجہ میں بقا ذاتاً ممکن ہوگی اور اگر کسی امر عارض کی بنا پر بقا کا امکان نہ پایا جائے اور امر عارض بھی ممکن العدم ہے اور اگر وجودِ عارض واجب سے مانع تھا تو عمر کی مقدار بھی اس حد تک

باقی نہیں رہ سکتی، بعض اطبا کے اقوال کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ انسان کی عمر (۱۲۰) سال سے زائد نہیں ہوسکتی، باطل ہے۔(۱)

شیخ مجتبیٰ قزوینی خراسانی عقلی وفلسفی استدلال میں ایک شخص کے خارج میں [نہ کہ ذہن میں] طبیعی طور پر طویل العمر ہونے کی ضرورت کے سلسلہ میں کہتے ہیں: ''فلسفہ وحکمت کے قواعد کے مطابق ہر وہ طبیعت جو دنیا میں کم وبیش ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس فرد کی کامل طبیعت عالمِ خارج میں موجود ہونی چاہیے، اس لیے کہ ہر ایک طبیعت اپنے انتہائی کمال کی طالب ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق فلسفی مسائل کی ایک خاص تعداد کے قواعد کی اساس رکھی گئی ہے منجملہ ان میں سے انسان کے درمیان کامل فرد (نبی) یا حکیم کے نام سے موجود ہونا ہے۔

اس قانون کے مطابق بھی برہان ودلیل کے ساتھ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انسان کی حیات اور عمر عالمِ خارج میں متعدد مراتب کی حامل ہے۔ کسی شخص کی عمر کے لیے (۱۰۰۰) یا (۲۰۰۰) سال تک زندگی کا آخری امکانی مرتبہ یقینی طور پر نہیں جاننا چاہیے، بلکہ ممکن ہے کہ

۱۔ تفسیر فخر رازی، ج ۲۵، ص ۳۲۔

اس مذکورہ مقدار سے زائد ہو۔ اس قانون کے قطع نظر بعض افراد کی طول عمر طبیعی موجودات کے برخلاف نہیں ہے، اس لیے کہ یہ واضح ہے کہ ہر ایک شخص کی عمر اس کی صحت اور مزاجی قوتوں کے تابع ہے جتنی مقدار میں اس کا مزاج زیادہ صحیح وسالم ہوگا اور اس کے تمام قویٰ زیادہ قوی ہوں گے اتنی ہی مقدار میں اس کی بقا اور عمر دراز ہونے کے اسباب بھی زیادہ ہوں گے۔(۱)

دوسرا حصّہ

غیبت صغریٰ

غیبت صغریٰ

غیبت صغریٰ کی ابتدا

غیبت صغریٰ کی ابتدا کے سلسلہ میں دو نظریہ پایا جاتا ہے:

پہلا نظریہ یہ ہے کہ غیبت صغریٰ کا آغاز امام مہدیؑ کی ولادت کے زمانہ ہی سے تھا، اس لیے کہ حضرتؑ کی ولادت مخفی طور پر واقع ہوئی ہے۔ لیکن اس نظریہ کے متعلق اعتراض واقع ہوا ہے، اس لیے کہ غیبت امامؑ کے مسئلہ میں بحث ہے اور اس وقت حضرتؑ منصب امامت تک نہیں پہونچے تھے۔ بالخصوص شیعوں کی ایک کثیر جماعت نے حضرتؑ کا امام عسکریؑ کی شہادت سے ۵ سال قبل مشاہدہ کیا تھا۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ حضرتؑ کی غیبت آپ کے پدر گرامی امام عسکریؑ کی شہادت کے زمانہ سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ اور دقیق طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے والد گرامی کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد ہی غیبت کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، اس واقعہ سے جسے ابوالادیان بصری نے نقل کیا ہے۔

غیبت صغریٰ کی حکمت

غیبت صغریٰ حضرت مہدیؑ کی امامت کے پہلے مرحلہ کی نشان دہی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مختصر مدت تک معین فرمایا اور یہ کہ وہ عام لوگوں سے بہت زیادہ دور رہ کر مخفی رہیں اور شیعوں کے امور کو نائبین کے ذریعہ انجام دیں۔

لیکن غیبت صغریٰ، غیبت کبریٰ سے قبل کیوں واقع ہوئی اس میں ممکن ہے یہ جہت ہو کہ امامت کی طول تاریخ میں شیعوں کی عادت یہ تھی کہ جب وہ ارادہ کرتے تھے تو امامؑ کی خدمت با برکت میں پہونچ جاتے تھے اور ان کی ذاتِ گرامی سے استفادہ کرتے تھے اور ہرگز کلی طور پر غیبت سے مانوس نہیں تھے۔ لہذا اس موضوع کے محقق ہونے کے لیے پہلے غیبت صغریٰ محقق ہوئی کہ اس میں ایک حد تک لوگوں کے ارتباط منقطع ہوئے اور یہ کہ لوگ

اگر چہ ابتدا میں شک وشبہ اور ذہنی تشویش میں مبتلا ہوئے لیکن کچھ ہی مدت کے بعد نہ کہ بہت طولانی زمانہ کے بعد ان کے شکوک وشبہات برطرف ہوئے اور قطعی دلائل کے مشاہدہ کے بعد امام مہدیؑ کے وجود کا یقین حاصل کرلیا۔ اور مختصر سی مدت کے بعد نہ کہ بہت طولانی عرصہ کے بعد غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔

زمانۂ غیبت صغریٰ کی خصوصیت

ایک قول کی بنا پر غیبت صغریٰ کی ابتدا امام عسکریؑ کی شہادت کے زمانہ سے ہی ہو چکی تھی کہ اسی زمانہ سے امامؑ نے امر امامت کی ذمہ داری سنبھالی۔ حضرت نے اپنی خلافت کا سب سے پہلے دشمنوں سے مقابلہ کے لیے وکیل منصوب کرکے، اہل قم کی جماعت کے ہمراہ آغاز کیا۔ زمانۂ غیبت صغریٰ مخصوص امتیازات کا حامل ہے کہ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ اس زمانہ میں امام مہدیؑ امامت وخلافت کے ذمہ دار ہوئے۔

۲۔ اس زمانہ میں مکمل طور پر مخفی نہیں ہوئے، بلکہ کلی مصلحتوں کی وجہ سے اپنے بعض خاص دوستوں سے ملاقات کا سلسلہ برقرار رکھے ہوئے تھے۔

۳۔ اس زمانہ میں چار نائب تھے جو حضرت مہدیؑ کی طرف سے لوگوں کے امور کی خصوصی طور پر دیکھ بھال کرتے تھے جو ان لوگوں اور حضرت کے درمیان واسطہ شمار کیے جاتے تھے۔

حضرت حجت (ع) کی امامت کے لیے اللہ تعالیٰ کا زمینہ فراہم کرنا

منجملہ ان موضوعات میں سے جو امام مہدیؑ کی ولادت سے قبل ظاہر ہوئے کہ

جسے حضرت مہدیؑ کی امامت کا بچپن ہی میں مقدمہ شمار کیا جا سکتا ہے اور وہ امام جوادؑ (تقی ؑ) اور امام ہادیؑ (نقی ؑ) کی ولادت ہے، اس لیے کہ امام جوادؑ آٹھ یا سات سال کی عمر میں اور امام ہادیؑ چھ سال کے مبارک سن میں منصب امامت پر فائز ہوئے۔ لہذا شیعہ ان دو امام کی امامت کے معتقد ہوئے، یہی مسئلہ حضرت مہدیؑ کی امامت کے عقیدہ کے لیے زمینہ ساز ثابت ہوا اور ان سے پانچ سال کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہونے کا بعید شمار کرنا مرتفع ہوا۔

حضرت حجتؑ کی غیبت کے لیے معصومین علیہم السلام کا زمینہ فراہم کرنا

غیبت امامؑ کا موضوع امت مسلمہ کے لیے ایک نیا تجربہ تھا، اس طرح کہ غیبت کا تجربہ اس مقدار میں کسی امت نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا، لہذا امت مسلمہ اور شیعہ معاشرہ اس کے وارد ہونے کے لیے محکم اور یقینی طور پر زمینہ سازی کا محتاج تھا۔

اسی وجہ سے اہل بیتؑ حتیٰ رسول خداؐ سب نے بارہا، بارھویں امام کی غیبت کے موضوع کی طرف صریحی طور پر اشارہ کیا ہے۔ جس طرح زمانۂ غیبت صغریٰ، غیبت کبریٰ کے آغاز سے پہلے بھی لوگوں کے درمیان اس کے آنے کی زمینہ سازی اور لوگوں کے درمیان انس پیدا کرنے کا سبب تھا۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول خداؐ کی بہت سی روایات میں اس موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ابن عباس رسول خداؐ سے ایک حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "...

وجعل من صلب الحسين ائمة يقومون بامرى و يحفظون وصيّتى التاسع

منهم قائم اهل بيتي و مهديّ امّتي اشبه الناس بي في شمائله و اقواله و افعاله. يظهر بعد غيبة طويلة و حيرة مضلّة فيعلن امر اللّه و يظهر دين اللّه عزّوجلّ ..."(۱)

"... حسینؑ کی صلب سے ائمہ قرار دیے۔ جو میرے امر کے لیے قیام فرمائیں گے اور میری وصیتوں کی حفاظت کریں گے، ان میں سے نویں قائم اہل بیت اور میری امت کے مہدی ہیں۔ وہ لوگوں میں میرے شکل وشمائل اور اقوال وافعال میں بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ ایک طولانی غیبت اور گمراہ کرنے والی حیرت کے بعد ظہور کریں گے۔ اس وقت امر خدا کا اعلان عام فرمائیں گے اور اس کے دین کو ظاہر کریں گے..."

امام علیؑ نے بھی رسول خداؐ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ثم يغيب

۱۔ کمال الدین، ص ۲۵۶۔ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۲۲۷، ح ۳۔

عنهم امامهم ما شاء اللّه و يكون له غيبتان: احداهما اطول من الأخرىٰ..." (۱) "پھر ان لوگوں کا امام ان کے درمیان سے غائب ہو جائے گا اور اس کے لیے دو غیبتیں ہوں گی ایک غیبت دوسری سے زیادہ طولانی ہوگی..."۔

جابر ابن عبداللہ انصاری نے رسول خداؐ سے دریافت کیا: "وللقائم من ولدك غيبة؟ قال: اي و ربّي، ثم قرأ هذه الآية: "وليمحّص اللّه الذين آمنوا و يمحق الكافرين (۲) "(۳) اور کیا آپ کی اولاد میں جو قائم ہوگا اس کے لیے غیبت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "ہاں، میرے رب کی قسم! پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی

''تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آزمائے اور کافروں کو نیست و نابود کرے''۔

۲۔ امام علی علیہ السلام

بہت سی روایات میں حضرت علیؑ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے منجملہ ان میں سے شیخ صدوقؒ نے ایک حدیث میں اپنی سند سے حضرت امیرالمومنینؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''للقائم منّا غیبة امرها طویل کانّی بالشیعة یجولون جولان النعم فی غیبته یطلبون المرعیٰ فلا یجدونه الا فمن ثبت منهم علی دینه و لم یقس قلبه لطول امد غیبة امامه فهو معی فی درجتی یوم القیامة...''(۴) ہم میں

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۸۰۔ ۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۴۱۔
۳۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۷۳، ح ۱۸۔ کمال الدین، ص ۲۸۷۔
۴۔ کمال الدین، ص ۳۰۳، اعلام الوریٰ، ص ۴۲۶۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۰۹، ح ۱۔

سے جو امام قائم ہوگا اس کی غیبت طولانی مدت تک رہے گی، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس زمانہ غیبت میں شیعہ اس طرح پھریں گے جیسے چوپائے چراگاہ کی تلاش میں حیران و سرگردان پھرتے ہیں، مگر ان کو چراگاہ نہیں ملتی، مگر یاد رہے کہ جو شخص اس زمانہ غیبت میں اپنے دین پر قائم رہا اور اپنے امام کی طولانی غیبت کی وجہ سے اس کا دل سخت نہ ہوا تو وہی قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا''۔

۳۔ امام حسن علیہ السلام

شیخ صدوقؒ اپنی سند سے ایک حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسن مجتبیٰؑ نے

معاویہ سے مصالحت کر لی تو آپ کے اس فعل پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرتؑ نے اس کے متعلق فرمایا: " ویحکم ما تدرون ما عملت ،واللّٰہ الذی عملت خیر لشیعتی ممّا طلعت علیہ الشمس او غربت ،الا تعلمون انّی امامکم مفترض الطاعة علیکم و احد سیّدی شباب اھل الجنّة ینصّ رسول اللّٰہ علیّ؟ قالوا: بلی. قال: اما علمتم ان الخضر لمّا خرق السفینة و اقام الجدار و قتل الغلام کان ذلک سخطاً لموسیٰ بن عمران اذا خفی علیہ وجہ الحکمة فی ذلک و کان ذلک عند اللّٰہ تعالیٰ ذکرہ حکمة و صواباً. اما علمتم انہ ما منّا احد الّا ویقع فی عنقہ بیعة لطاغیة زمانہ الّا القائم الّذی یصلّی روح اللّٰہ عیسی ابن مریم خلفہ فانّ اللّٰہ عزّ و جلّ یخفی و لادتہ و یغیب شخصہ لئلا یکون لأحد فی عنقہ بیعة اذا خرج ذلک التاسع من ولد اخی الحسین بن سیّدة الاماء یطیل اللّٰہ عمرہ فی غیبتہ ثم یظھرہ بقدرتہ فی صورة شابّ دون اربعین سنة ذلک لیعلم انّ اللّٰہ علی کلّ شئی قدیر "۔(۱)

"تم پر وائے ہو، میں نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا، خدا کی قسم! میرا یہ عمل ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع و غروب ہوتا ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں تم لوگوں کا امام ہوں اور میری اطاعت تم پر فرض ہے میں جوانانِ اہل جنت کے دو سرداروں میں سے ایک ہوں جس پر رسول خداؐ کی نص موجود ہے؟

لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں معلوم ہے۔

پھر فرمایا: کیا تم یہ نہیں جانتے کہ حضرت خضرؑ نے جب کشتی میں سوراخ کیا۔ ایک لڑکے کو قتل کیا اور ایک گرتی ہوئی دیوار کو کھڑا کر دیا، تو اس عمل پر حضرت موسیٰؑ بن عمران ناراض ہوئے۔ اس لیے کہ حضرت خضرؑ کے اس عمل میں جو حکمت پوشیدہ تھی اس سے حضرت موسیٰؑ ناواقف تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب صحیح اور حکمت سے پُر تھا (جس سے حضرت خضرؑ واقف تھے)۔

کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے زمانہ کے کسی ظالم و جابر کے زیر حکومت نہ رہا ہو، سوائے امام قائمؑ کے، جن کے پیچھے حضرت عیسیٰؑ روح اللہ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کو پوشیدہ رکھا اور جسمانی طور پر انہیں پردۂ غیب میں رکھا ہے تاکہ وہ کسی کے زیر حکومت نہ رہیں۔ میرے بھائی حسینؑ کی اولاد میں سے نواں جو کنیزوں کے سردار کے بطن سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ زمانۂ غیبت میں اس کی عمر

۱۔ کمال الدین، ص ۳۱۵۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۳۲، ح ۱۔

کو طویل کر دے گا پھر جب وہ ظہور کرے گا تو وہ چالیس سالہ جوان سے معلوم ہوں گے تاکہ دنیا والے جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے"۔

۴۔ امام حسین علیہ السلام

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "فی التاسع من ولدی سنّة من یوسف و سنّة من موسیٰ بن عمرانؑ وهو قائمنا اهل البیت یصلح الله تبارک و تعالیٰ امره فی لیلة واحدة "(۱)

''میری اولاد میں سے نویں کے اندر بعض حضرت یوسفؑ کی سنت ہوگی اور بعض حضرت موسیٰ بن عمران کی، اور وہی ہم اہلبیتؑ میں سے (امام) قائم ہوگا، اور اللہ تبارک و تعالیٰ صرف ایک شب میں ان کی حکومت قائم کردے گا''۔

نیز امام حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: '' قائم هذه الامّة هو التاسع من ولدی وهو صاحب الغیبة''(۲)

اس امت کا قائم میری اولاد میں سے نواں (امام) ہوگا جو صاحب غیبت ہوگا۔

نیز فرمایا: ''...له غیبة یرتدّ فیها اقوام و یثبت علی الدین فیها آخرون...''(۳)

''...اس کے زمانۂ غیبت میں کچھ قومیں مرتد ہوجائیں گی اور کچھ اپنے دین پر قائم و ثابت رہیں گی...''۔

ا۔کمال الدین، ص۳۱۶۔ بحار الانوار، ج۵۱ ص۱۳۲، ۱۳۳، ح۲۔

۲۔کمال الدین ص۳۱۷۔ بحار الانوار، ج۵۱ ص۱۳۲، ۱۳۳، ح۳۔

۳۔کمال الدین، ص۳۱۷۔ بحار الانوار، ج۵۱ ص۱۳۲، ۱۳۳، ح۴۔

۵۔امام سجاد علیہ السلام

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام زین العابدینؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: '' تمتدّ الغیبة بولیّ اللّٰه الثانی عشر من اوصیاء رسول اللّٰه و الائمة بعده. یا ابا خالد! انّ اهل زمان غیبته القائلین بامامته و المنتظرین لظهوره افضل من اهل کلّ زمان، لانّ اللّٰه تبارک و تعالیٰ اعطاهم من العقول و

الافہام والمعرفۃ ما صارت بہ الغیبۃ عندھم بمنزلۃ المشاھدۃ..."(۱)

"اس وقت حضرت رسول خداؐ کے اوصیا میں سے بارہویں وصی اور ولی خدا کی غیبت طولانی ہوگی۔ اے ابو خالد! ان کی غیبت کے زمانہ میں جو لوگ ان کی امامت کے قائل ہوں گے ان کے ظہور کے منتظر ہوں گے وہ تمام زمانے کے لوگوں سے افضل ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی عقل وفہم اور معرفت عطا فرمائے گا کہ ان کے نزدیک غیبت بھی بمنزلۂ مشاہدہ ہوگی..."۔

۶۔ امام باقر علیہ السلام

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام باقرؑ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"یاتی علی الناس زمان یغیب عنھم امامھم، فیا طوبیٰ للثابتین علی امرنا فی ذلک الزمان، انّ ادنیٰ ما یکون لھم من الثواب ان ینادیھم الباری

۱۔ کمال الدین، ص ۳۱۹۔ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۳۸۶۔

جلّ جلالہ فیقول عبادی و امائی آمنتم بسرّی و صدقتم بغیبی، فابشروا بحسن الثواب منّی ..."(۱) لوگوں کے لیے ایسا زمانہ بھی آئے گا جب ان کا امام ان کے درمیان سے غائب ہو جائے گا۔ لہٰذا ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو اس زمانہ میں ہمارے امر پر قائم رہیں۔ یقیناً ان لوگوں کے لیے سب سے کم ثواب جو نصیب ہوگا وہ یہ ہے کہ ان سے باری تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے غلاموں اور کنیزوں! میرے راز پر ایمان لائے اور میرے غیب کی تصدیق

کی، لہٰذا تمھیں میری طرف سے حسن ثواب کی بشارت ہو...“۔

۷۔ امام صادق علیہ السلام

امام صادقؑ نے ایک حدیث میں فرمایا: ”الخامس من ولد السابع یغیب عنکم شخصہ“(۲)

”وہ ساتویں امام کے پانچویں فرزند ہوں گے جو جسمانی طور پر تم لوگوں کی نظروں سے غائب رہیں گے“۔

نیز فرمایا: ” اما واللّٰہ لیغیبنّ عنکم مہدیکم حتی یقول الجاھل منکم ماللّٰہ فی آل محمد حاجۃ“(۳)

”آگاہ ہو جاؤ خدا کی قسم! تمہارا مہدی تم لوگوں سے اتنے دنوں پردۂ غیب میں رہے گا

۱۔کمال الدین، ص۳۳۰۔ بحارالانوار، ج۵۲،ص۱۳۵، ح۶۶۔

۲۔کمال الدین، ص۳۳۸۔ بحارالانوار، ج۵۱،ص۱۳۳، ح۴۔

۳۔کمال الدین، ص۳۴۱۔ بحارالانوار، ص۱۳۵، ح۱۲۔

کہ تمہارے درمیان رہنے والے جاہل لوگ کہنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو اب آل محمدؐ کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے“۔

نیز فرمایا: ” انّ الغیبۃ ستقع بالسادس من ولدی وھو الثانی عشر من الائمّۃ الھداۃ بعد رسول اللّٰہ، اوّلھم امیر المومنین علی بن ابی طالب و آخرھم القائم بالحق بقیّۃ اللّٰہ فی الارض...“(۱)

”یقیناً میرا چھٹا فرزند اور ائمہ میں سے بارہویں کی، بعدِ وفاتِ رسولؐ، غیبت واقع ہوگی

جن میں سے پہلے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ ہیں اور آخری قائم بالحق ہیں جو بقیۃ اللہ فی الارض ہیں...''۔

نیز فرمایا: ''انّ للقائم غیبة قبل ان یقوم''(۲)''یقیناً قائم کے لیے قیام سے پہلے ایک غیبت ہے''۔

۸۔امام کاظم علیہ السلام

امام کاظمؑ نے فرمایا: ''اذا فقد الخامس من ولد السابع فاللّٰہ فی ادیانکم لا یزیلنّکم احد عنها ،یا بنیّ! انّه لا بدّلصاحب هذا الامر من غیبة...''(۳)

''جب تمہارے ساتویں امام کا پانچواں فرزند پردۂ غیبت میں چلا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے دین کا بہت زیادہ خیال رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص تمہارے دین سے تم کو ہٹا دے، اے میرے بیٹے! اس صاحب امر کی غیبت یقینی ہے...''۔

یونس ابن عبد الرحمٰن کہتے ہیں: میں حضرت موسیٰ کاظمؑ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا ،اور عرض کیا: فرزند رسولؐ! کیا آپ قائم بالحق ہیں؟

فرمایا: ''انا القائم بالحق و لکنّ القائم الذی یطهّر الارض من اعداء اللّٰہ عزّوجلّ ویملأها عدلا کما ملئت جورا و ظلما هو الخامس من ولدی له

۱۔کمال الدین، ص ۳۴۱۔بحار الانوار، ص ۱۴۵، ح ۱۳

۲۔کمال الدین، ص ۳۴۲۔بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۴۶، ح ۷۰۔

۳۔کمال الدین، ص ۳۵۹، ۳۶۰۔کافی، ج ۱، ص ۳۳۶، ح ۲۔

غيبة يطول امدها خوفا على نفسه ..."(۱)

"میں قائم بالحق ہوں، لیکن وہ قائم جو زمین کو دشمنانِ خدا سے پاک کریں گے اس کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی، وہ میرے پانچویں فرزند ہوں گے، ان کی غیبت بہت طولانی ہوگی چونکہ ان کی جان خطرے میں ہے..."۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بیان میں (واسبغ عليكم نعمه ظاهرة و باطنة)(۲) اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں فراوانی سے عطا کیں۔ فرمایا: "النعمة الظاهرة الامام الظاهر و الباطنة الامام الغائب، فقلت له: و يكون في الائمة من يغيب؟ قال: نعم، يغيب عن ابصار الناس شخصه ولا يغيب عن قلوب المومنين ذكره وهو الثاني عشر منا ...".(۳)

۱۔ گزشتہ حوالہ، ص ۳۶۱۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۵۱، ح ۶۔

۲۔ سورۂ لقمان، آیت ۲۰۔ ۳۔ کمال الدین، ص ۳۶۸۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۵۱، ح ۲۔

"ظاہری نعمت سے مراد، امامِ ظاہر اور باطنی نعمت سے مراد، امام غائب ہیں، میں نے عرض کیا: کیا ائمہ میں سے کوئی غائب بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں وہ جسمانی طور پر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں گے مگر مومنین کے دلوں سے ان کا ذکر محو نہیں ہوگا۔ وہ ہم ائمہ میں سے بارہویں ہوں گے..."۔

۹۔ امام رضا علیہ السلام

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام رضاؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "الرابع

من ولدی ابن سیّدة الاماء یطهّر اللّه به الارض من کلّ جور و یقدّسها من کلّ ظلم ،وهو الذی یشکّ الناس فی ولادته وهو صاحب الغیبة قبل خروجه..."(۱)

"میری نسل سے چوتھا جو بہترین کنیزوں کا فرزند ہے۔اللہ تعالیٰ کے ذریعہ زمین کو ہر طرح کے ظلم و جور سے پاک کرے گا، یہی وہ ہوں گے کہ جن کی ولادت میں لوگوں کو شک رہے گا ان کے لیے ظہور سے پہلے غیبت ہے..."۔

نیز دعبل سے فرمایا:"...یا دعبل ! الامام بعدی محمد ابنی و بعد محمد ابنه علی و بعد علیّ ابنه الحسن و بعد الحسن ابنه الحجّة المنتظر فی غیبته..."(۲)

۱۔کمال الدین، ص ۳۷۱۔بحارالانوار، ج ۵۲، ص ۳۲۱، ح ۲۹۔

۲۔کمال الدین، ص ۳۷۲۔بحارالانوار، ج ۵۱، ص ۱۵۴، ح ۴۔

"...اے دعبل ! میرے بعد میرا فرزند؛ محمد امام ہوگا اور محمد کے بعد اس کا فرزند؛علی اور علی کے بعد اس کا فرزند؛حسن اور حسن کے بعد اس کے فرزند؛ حجت امام ہوں گے۔جن کی غیبت میں ان کا انتظار کیا جائے گا..."۔

۱۰۔امام جواد تقی علیہ السلام

عبدالعظیم حسنیؒ فرماتے ہیں: میں حضرت امام محمد ابن علی رضاؑ کی خدمت بابرکت میں اس قصد سے حاضر ہوا کہ آپ سے دریافت کروں کہ امام قائم ہی مہدی ہوں گے یا کوئی اور

شخص؟ مگر میرے دریافت کرنے سے پہلے ہی آپ نے ارشاد فرمایا: "...یا ابا القاسم! انّ القائم منّا هو المهدیّ الذی یجب ان ینتظر فی غیبته و یطاع فی ظهوره وهو الثالث من ولدی..."۔(۱)

"...اے ابوالقاسم! ہم میں سے جو قائم ہوگا وہی مہدی ہوگا، جس کی غیبت میں اس کا انتظار کرنا واجب ہے اور عہد ظہور میں اس کی اطاعت فرض ہے اور وہ میرا تیسرا فرزند ہوگا..."۔

صقر ابن ابی دلف کہتے ہیں: میں نے امام جوادؑ سے عرض کیا: کیوں قائم کو منتظر کہتے ہیں؟ فرمایا: "... لأنّ له غیبة تکثر ایامها و یطول امدها فینتظر خروجه المخلصون و ینکره المرتابون..."۔(۲)

۱۔کمال الدین، ص ۳۷۷۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۵۶، ح ۱۔

۲۔کمال الدین، ص ۳۷۸۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۰، ح ۴۔

"...اس لیے کہ ان کی غیبت کی مدت بہت طولانی ہوگی۔ جس میں مخلص لوگ ان کے ظہور کے منتظر ہوں گے اور شک کرنے والے ان کے وجود سے انکار کریں گے..."۔

۱۱۔امام ہادی علیہ السلام (نقیؑ)

شیخ صدوقؒ اپنی سند کے ساتھ ابو ہاشم داؤد ابن قاسم جعفری سے نقل کرتے ہیں کہ ابوالحسن (امام نقیؑ) کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "...و من بعدی الحسن ابنی فکیف للنّاس بالخلف من بعده؟ قال: فقلت: و کیف ذاک یا مولاي؟! قال: لأنّه لا

یری شخصه و لا یحلّ ذکره باسمه ...‘‘(۱)

’’...میرے بعد میرا جانشین میرا بیٹا حسن ہے، پھر لوگوں کے لیے آپ کے بعد کس طرح جانشین ہوں گے؟ میں نے عرض کیا: کیسے اے میرے آقا ومولا؟! حضرت نے فرمایا: اس لیے کہ وہ جسمانی طور پر غائب رہیں گے اور ان کا نام لینا جائز نہیں ہوگا‘‘۔

۱۲۔ امام عسکری علیہ السلام

امام حسن عسکریؑ کی سرگرمیوں کو اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ تعلیمات اور بیانات

امام عسکریؑ نے ایک مفصل حدیث میں احمد ابن اسحاق سے فرمایا: ’’...یا احمد بن اسحاق! مثله فی هذه الامّة مثل الخضرؑ و مثله مثل ذی القرنین و اللّٰه لیغیبنّ غیبة لا ینجو فیها من التهلکة الّا من ثبّته اللّٰه عزّوجلّ علی القول بامامته، و وفّقه فیها الدعاء بتعجیل فرجه...‘‘(۱)

’’...اے احمد ابن اسحاق! اس (بچے) کی مثال اس امت میں خضر کی طرح ہے، اس کی مثال ذوالقرنین کی مثال ہے، خدا کی قسم! یقیناً اس کی ایسی غیبت ہوگی کہ جس میں ہلاکت سے صرف وہی نجات پائے گا جس کو اللہ تعالیٰ اس کی امامت پر ثابت قدم رکھے گا اور اس امر کی توفیق دے گا کہ وہ اس کی غیبت میں تعجیل ظہور کے لیے دعا کرتا رہے...‘‘۔

۱۔ کمال الدین، ص ۳۷۹، ۳۸۰۔ اعلام الوریٰ، ص ۴۳۷، ۴۳۸۔

نیز ارشاد فرمایا: "... اما انّ لولدی غیبة یرتاب فیها الناس الّا من عصمه اللہ عزّ و جلّ "(۲)

"...آگاہ رہو! یقیناً میرے بیٹے کے لیے ایسی غیبت ہوگی کہ لوگ ان کے متعلق شک کرنے لگیں گے سوائے ان لوگوں کے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے محفوظ کیا ہو"۔

۲۔ اپنے تعلقات شیعوں سے کم کرنا

مسعودی ناقل ہیں: جب انہیں امر امامت حاصل ہوئی تو انہوں نے اپنے خواص اور غیر خواص سے پس پردہ کلام کیا، سوائے ان اوقات کے کہ جب انہیں بادشاہ کے گھر لے گئے تھے۔(۳) لہٰذا حضرت کے چاہنے والے شیعہ ان کی ملاقات کے لیے سر راہ بیٹھ جاتے تھے تاکہ اس وقت حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل کریں۔(۴)

۱۔ کمال الدین، ص۳۸۴۔ بحار الانوار، ج۵۲، ص۲۳، ۲۴، ح۱۶۔

۲۔ کمال الدین، ص۴۰۹۔ بحار الانوار، ج۵۱، ص۱۶۰، ح۶۔

۳۔ اثبات الوصیہ، ص۲۸۶۔ ۴۔ بحار الانوار، ج۵۰، ص۲۹۰، ح۶۳، اور ص۲۹۳، ح۶۷۔

۳۔ نظام وکالت کا اتخاذ

اگرچہ امام عسکریؑ کی پہلی شخصیت نہیں تھی کہ جس نے نظام وکالت کو اختیار کیا، البتہ حضرت نے اپنے زمانہ میں اپنے فرزند ارجمند مہدیؑ کی غیبت کے لیے وسیع زمینہ فراہم کیا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں عثمان ابن سعید اور ان کے فرزند کو اپنا مورد اعتماد و موثق وکیل کے عنوان سے یوں تعارف کرایا: "... و اشهد واعلی انّ عثمان بن سعید العَمری وکیلی و انّ ابنه محمد وکیل ابنی مهدیکم "(۱)

''تم لوگ گواہ رہو کہ عثمان ابن سعید عمری میرے وکیل ہیں اور یقیناً ان کے فرزند محمد میرے فرزند کے وکیل ہیں جو تم لوگوں کے مہدی ہیں''۔

نیز ان کے وکلاء میں سے محمد ابن احمد ابن جعفر اور جعفر ابن صیقل ہیں۔ (۲)

۴۔ اپنے فرزند ارجمند کے لیے قربانی کرنا

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابو جعفر عمری سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب امام زمانہؑ کی ولادت ہوئی تو ابو محمد (عسکریؑ) نے ارشاد فرمایا: ''ابعثوا الی ابی عمرو ،فبعث الیه فصار الیه ،فقال: اشتر عشرة آلاف رطل خبزاً و عشرة آلاف رطل لحماً وفرّقه. احسبه قال: .علی بنی هاشم ،وعقّ عنه بکذا او کذا شاة'' ۔(۳)

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۴۴، ح ۱۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۳۰۹، ۳۱۰، ح ۹۔

۳۔ کمال الدین، ص ۴۳۰۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۵، ح ۹۔

کسی شخص کو ابو عمر کے پاس بھیجو۔ پھر کسی کو بھیجا اور جب وہ آ گئے تو آپ نے فرمایا: دس ہزار رطل روٹی اور دس ہزار رطل گوشت خرید کر اسے تقسیم کر دو۔

(راوی کہتا ہے: میرے گمان میں ہے کہ) آپ نے بنی ہاشم میں تقسیم کرنے کے لیے فرمایا تھا اور آپ نے ان کا عقیقہ بھی اتنی اتنی بکریوں پر کیا۔

نیز اپنے ایک نامہ میں اپنے خواص کو قم میں حکم دیا کہ میرے فرزند کی طرف سے عقیقہ کر کے لوگوں کے گوش گزار کریں کہ یہ مبارک عقیقہ امام عسکریؑ کے نو مولود محمد کی ولادت کی

مناسبت سے ہے۔ نیز اپنے خواص کو بغداد اور سامرا میں اسی طرح تحریر لکھی۔

۵۔ اپنے فرزند ارجمند کو اپنے خاص شیعوں کو دکھانا

امام عسکریؑ نے اپنے بیٹے مہدی کی ولادت اور امامت کے متعلق اپنے شیعوں کے قلوب کو محکم کرنے کے لیے اپنے بہت سے دوستوں کو مشاہدہ کرایا۔

ان لوگوں نے بھی اس فرزند سے بعض معجزات کا مشاہدہ کیا جو ان کی امامت پر یقین کا باعث ہوا، منجملہ ان میں سے احمد ابن اسحاق اشعری کی ذات کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔(۱)

۱۳۔ امام مہدیؑ

حضرتؑ کے مسئلہ ولادت، امامت اور غیبت کے متعلق جو دیگر ائمہ نے ان سے پہلے زمینہ فراہم کیا اس سے قطع نظر بذات خود حضرتؑ نے اس سلسلہ میں نیز مختلف طریقوں سے اپنی ولادت اور امامت کے اثبات میں حصہ لیا۔

۱۔کمال الدین، ص ۳۸۴۔ بحار الانوار ج ۵۲، ص ۲۳، ۲۴، ح ۱۶۔

اب ان میں سے بعض طریقوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ حضرت نے ایسا فعل انجام دیا کہ بزرگان شیعہ کا ایک گروہ آپ کی ملاقات سے مشرف ہوا۔

۲۔ ضروری مواقع پر کرامت و معجزہ کا اقدام کیا ان معجزات میں سے بعض نائبین کے ذریعہ اور بعض مقامات پر خود ہی انجام دیا۔(۱)

۳۔ حضرت ذاتی طور پر لوگوں کے مختلف سوالات کے جواب دینے کے لیے آمادہ

رہتے تھے تاکہ ان کی بہ نسبت ان کے اعتقاد و یقین میں اضافہ ہو سکے۔

۴۔ حضرت کے خاص تحریر بھی منجملہ قرائن اور دلائل میں سے تھی جو امام عصرؑ کے وجود پر دلالت کر سکتی تھی، اس لیے کہ یہ تحریر آپ کے والد گرامی امام عسکریؑ کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان مانوس ہو چکی تھی، لہذا یہ بھی منجملہ ان طریقوں میں سے تھا کہ حضرت کی طرف سے توقیعات کا ملنا ہی شیعوں کے لیے امام زمانہؑ کے وجود کے متعلق یقین و اطمینان بخش تھا۔

دشمنوں سے مخفی ہونا

چونکہ امام عسکریؑ کی شہادت کے بعد حکام جور حضرتؑ کی نابودی کے درپے تھے، لہذا حضرت نے اپنے مخفی ہونے کی مختلف تدبیریں بنا رکھی تھیں۔

اب ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کریں گے:

۱۔ حضرت خود کو، مخلص اور وفادار شخص کے علاوہ کسی اور کو اپنا دیدار نہیں کراتے تھے۔

۲۔ حضرت کی خدمت میں مشرف ہونے والے شخص کو بہت زیادہ تاکید کی جاتی تھی کہ

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۲۵، ح ۴۳۔

اس امر کو مخفی رکھیں اور شیعوں کو اس سے باخبر کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیں۔

۳۔ امام زمانہؑ کا مخصوص نام یعنی ''محمد'' لینے کو حرام قرار دینا۔ اس لحاظ سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں امامؑ کے متعلق قائم، غریم، حجت، ناحیہ، صاحب الزمان وغیرہ جیسی مبہم تعبیروں سے استفادہ کیا جاتا تھا۔(۱)

۴۔ دربار خلافت سے مخفی ہونا نیز جو شخص حضرت کے موالیوں میں سے شمار نہیں کیا جاتا تھا۔

۵۔ حضرت کا بیت الشرف ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرنا اس طریقہ سے کہ دوسروں کے

لیے جاذب نظر نہ ہو، نیز کوئی شخص حضرت کے متعلق مشکوک نہ ہو۔ لہذا وہ روایات جو حضرت کے بیت الشرف کے معین ہونے میں اختلاف رکھتی ہیں ہم ان کی اسی معنی میں توجیہ کریں گے۔

۶۔ وکیل یا نائب سے ارتباط کی کیفیت اس قدر مخفی تھی کہ اس سے کوئی شخص اطلاع نہیں حاصل کرسکتا تھا۔

۷۔ حضرت اپنی وکالت یا نیابت کو اپنے نہایت مخلص اور وفادار شخص کو سپرد کرتے تھے ،اس حد تک کہ اس کے لیے محال تھا کہ حضرت کے بیت الشرف اور ان کی خصوصیات کی دوسروں کو اطلاع دے۔ لہذا جب ابوسہل نوبختی سے کہا گیا: سفارت کیوں حسین ابن روح کو سپرد کی گئی اور تمہیں نہیں دی گئی؟ تو جواب میں کہا: "...وہ ایسی ذات ہے کہ اگر حضرت حجت ان کی عبا کے اندر ہوں اور ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں تاکہ ان کے اوپر سے اپنی عبا کو اٹھادیں تو وہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ (۲)

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص۳۶۴۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۵۱، ح۳۔

۲۔ الغیبۃ، طوسی، ص۳۹۱۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۵۸، ح۶

حضرت حجت (ع) کے نائبین

حضرت حجت (ع) کے چار نائب

امام مہدی نے غیبت صغریٰ کے زمانہ میں چار شخص کا شیعوں کے درمیان اپنے نواب خاص کے عنوان سے تعارف کرایا۔

یہ چار افراد بزرگ علماء اور شیعہ زاہدوں میں سے تھے ان سے مراد یہ ہیں:

۱۔ ابو عمرو، عثمان ابن سعید عمری۔

۲۔ ابو جعفر، محمد ابن عثمان ابن سعید عمری۔

۳۔ ابو القاسم، حسین ابن روح نوبختی۔

۴۔ ابو الحسن، علی ابن محمد سمری۔

اگر چہ شیخ طوسیؒ اور دیگر علماء نے ان عظیم الشان نواب اربعہ کی زندگی کے بارے میں مختصر مطالب کو قلمبند کیا ہے لہذا ان کی زندگی کے سلسلہ میں وافر مقدار میں اطلاعات فراہم نہیں ہوسکتیں مگر اس کے باوجود ایک حد تک مستندات اور تاریخی مصادر اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کچھ مطالب بیان کریں۔

امام مہدیؑ کے پہلے نائب

امام مہدیؑ کے پہلے نائب ابو عمرو عثمان بن سعید عمری ہیں۔ انہوں نے اپنی عدم شناخت کے لیے روغن فروشی کا کام کرنا شروع کیا۔

تاریخی مصادر میں ان کی ولادت اور وفات کے سال کا کوئی ذکر نہیں ہوا ہے، اور صرف ان کا نام پہلی مرتبہ امام ہادیؑ (نقی) کے وکیل خاص کے عنوان سے لیا گیا ہے۔

آپ امام ہادیؑ کی شہادت کے بعد امام عسکریؑ کی طرف سے وکیل خاص معین ہوئے۔ آنحضرتؑ بھی اپنی طرف سے ان کی مختلف مناسبتوں کے موقع پر مدح وثنا کیا کرتے تھے۔ منجملہ ان میں سے یہ ہے کہ آپ کے حق میں فرمایا: " هذا ابو عمرو الثقة الامين ،ثقة الماضي و ثقتي في المحييٰ و الممات ،فما قاله لكم فعنّي يقوله ،وما اذى اليكم فعنّي يوذيه "(۱)" یہ ابو عمرو ہیں جو میرے والد بزرگوار کی

حیات میں بھی ثقہ و امین تھے اور آپ کی وفات کے بعد میرے نزدیک بھی ثقہ ہیں جو کچھ کہیں گے میری طرف سے کہیں گے اور جو حکم دیں گے میری طرف سے حکم دیں گے"۔

ایک نشست میں جب آپ امام عسکریؑ کے شیعوں میں سے چالیس افراد کے ہمراہ تھے تو حضرت نے اپنے فرزند ارجمند مہدی کو انہیں دکھایا، ان کی امامت و غیبت کی تصریح فرمائی اور ان کی وکالت کے متعلق فرمایا: "جو کچھ عثمان (ابن سعید) کہیں قبول کریں..."۔(۲)

۲۶۰ھ میں امام عسکریؑ کی شہادت کے موقع پر، حضرت کے غسل کے موقع پر حاضر تھے اور ان کے تمام امور کی ذمہ داری انہیں کے دوش پر تھی۔(۳)

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۵۴۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۴۴۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۴۶، ح ۱۔

۳۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۵۶۔

اس فعل کی اس طرح توجیہ کی جاسکتی ہے کہ وہ ظاہری طور پر غسل کا عمل انجام دے رہے تھے تاکہ حکام ظلم و جور کے لیے یہ امر مشتبہ ہو جائے، ورنہ بعض روایات کے مطابق، امام کے غسل و کفن کے جملہ امور ایک امام ہی کے ذمہ ہوتا ہے۔ عثمان ابن سعید امام عسکریؑ کی شہادت کے بعد خود حضرت کی تصریح اور امام مہدیؑ کی نص سے جب قمی حضرات سامرا میں وارد ہوئے تو عثمان ابن سعید حضرت کے پہلے نائب مقرر ہوئے اور اس وقت سے اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیا، یہاں تک کہ آپ کی وفات کا وقت آپہنچا، اس وقت آپ کے فرزند

ابو جعفر محمد ابن عثمان تجہیز و تکفین کے متولی و نگراں ہوئے اور بغداد کی مغربی سمت میں دفن کیے گئے۔(۱)

عثمان ابن سعید کی وفات کے بعد حضرت کی جانب سے ایک نامہ صادر ہوا اس نامہ میں حضرت نے آپ کے فرزند محمد کو تسلیت و تعزیت کے ساتھ انہیں اپنا نائب منصوب و منتخب فرمایا۔(۲)

پہلے نائب کی نیابت کا حوالہ

احمد کاتب کا قول ہے: وہ روایت جو امام عسکریؑ کے بزرگوں میں عثمان ابن سعید کی نیابت پر امام مہدیؑ کی طرف سے نص صریح ہے وہ سندی حیثیت سے ضعیف ہے، اس لیے کہ اس سند میں جعفر ابن محمد ابن مالک فرازی ہے جس کی نجاشی اور ابن غضائری نے تکذیب کی ہے۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۵۰، ح ۳۔

۲۔ الغیبۃ طوسی، ص ۳۶۱۔ کمال الدین، ص ۵۱۰۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۴۸۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے:

۱۔ جعفر ابن محمد ابن مالک کو شیخ طوسیؒ نے موثق قرار دیا ہے اور اس کی تضعیف کا منشا ابن غضائری کی کتاب ہے کہ یہ کتاب مشہور علماء امامیہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

۲۔ شیخ طوسیؒ نے کتاب "الغیبۃ" میں اعلائی سند کے ساتھ احمد ابن اسحاق قمی کے گروہ کے بزرگوں سے دوسرے نائب کی وکالت اور ان کے والد گرامی کے لیے بھی روایت نقل کی ہے۔(۱)

۳۔ شیعہ حضرات نے امامت و نیابت کے مسئلہ میں بہت دقت سے کام لیا ہے اور صرف ایک شخص کی نیابت کے ذاتی دعویٰ کی بنا پر اس کی بات کی تصدیق نہیں کرتے تھے لہٰذا اسفارت کے جھوٹے دعویداروں سے شدت کے ساتھ مقابلہ کیا کرتے تھے۔

عثمان ابن سعید کی شخصیت سے دفاع

بعض کہتے ہیں: امام زمانہؑ کی غیبت کا موضوع بعض اصحاب بالخصوص عثمان ابن سعید (امام زمانہؑ کے پہلے نائب) کا خود ساختہ ہے۔ لیکن ہم اس کے جواب میں کہیں گے:

سب سے پہلے جس نے امام زمانہؑ کی غیبت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رسول اسلامؐ، امیر المومنین علیؑ اور دوسرے ائمہ تھے۔ ان لوگوں نے حضرت کی غیبت کی پیشگوئی کی ہے اور اس کے واقع ہونے کو لوگوں کے گوش گزار کیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اس خدا کی قسم! جس نے مجھے بشارت کے لیے مبعوث کیا، قائمؑ جو میرے فرزندوں میں سے ہے اس عہد کے مطابق جو اس سے لیا گیا ہے غائب ہوگا اس طرح سے کہ اکثر لوگ کہیں گے: اللہ تعالیٰ آل محمد کا محتاج نہیں ہے اور دوسرے افراد ان کی ولادت میں شک و شبہ کریں گے، لہٰذا جو شخص زمانہ غیبت کو درک کرے اسے اپنے دین کی حفاظت کرنی چاہیے...''(۱)

اصبغ ابن نباتہ حضرت امیر المومنین علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ کہ آنحضرت اس طرح غائب ہوں گے کہ جاہل شخص کہے گا: اللہ تعالیٰ آل محمد کا محتاج نہیں ہے''۔(۲)

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۵۹، ۳۶۰۔

امام صادقؑ نے فرمایا: ''اگر اپنے امام کی غیبت کی خبر سنو تو انکار نہ کرو''۔ (۳)

لہذا امام زمانہؑ کی غیبت کا موضوع شیعوں کے درمیان اس طرح شائع و رائج ہو چکا تھا کہ شعراء کرام نے اپنے اشعار اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ وہ افراد جو امام زمانہؑ کی ولادت سے قبل حضرت مہدیؑ کی غیبت کے مسئلہ میں صاحب تالیف تھے وہ مندرجہ ذیل مؤلفین تھے:

۱۔ علی ابن حسن ابن محمد طائی طاطری، جو امام موسیٰ ابن جعفرؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔ (۴)

۲۔ علی ابن عمر اعرج کوفی، جو امام موسیٰ ابن جعفرؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔ (۵)

۳۔ ابراہیم ابن صالح، جو امام موسیٰ ابن جعفرؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔ (۶)

۱۔ اثباۃ الھداۃ، ج۶، ص۳۸۶۔
۲۔ اثباۃ الھداۃ، ج۶، ص۳۹۳۔
۳۔ اثباۃ الھداۃ، ص۳۵۰۔
۴۔ رجال نجاشی، ص۱۹۳۔
۵۔ رجال نجاشی، ص۱۹۲۔
۶۔ رجال نجاشی، ص۲۸۔

۴۔ حسن ابن علی ابن ابو حمزہ، امام رضاؑ کے ہم عصر تھے۔ (۱)

۵۔ عباس ابن ہشام ناشری اسدی، امام رضاؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔ (۲)

۶۔ علی ابن حسن ابن فضال، امام ہادیؑ و عسکریؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔ (۳)

۷۔ فضل ابن شاذان نیشاپوری، امام ہادیؑ و عسکریؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔ (۴)

امام زمانہؑ کے دوسرے نائب

ابوجعفر محمد ابن عثمان ابن سعید عمری اپنے پدر گرامی کی وفات کے بعد جیسا کہ امام عسکریؑ

نے تصریح فرمائی تھی، منصب نیابت پر فائز ہوئے۔ آنحضرتؑ نے اہل قم کی ایک جماعت سے فرمایا: "اشهد واعلیّ انّ عثمان بن سعید وکیلی ،و انّ ابنه محمد وکیل ابنی مهدیکم "(۵)

"میرے گواہ رہنا کہ عثمان ابن سعید میرے وکیل ہیں نیز ان کے فرزند محمد، میرے لخت جگر کے وکیل ہیں جو تمہارے مہدی ہیں"۔

ان کی نیابت ان کے والد کی نص صریح کے ساتھ امضاء ومورد تائید واقع ہوئی۔(۶)

آپ اپنے ہم عصر شیعوں کے نزدیک قابلِ اعتماد اور امانت داری میں مشہور تھے۔ اور شیعہ امامیہ میں سے کوئی شخص بھی اس بات میں شک وشبہ نہیں رکھتا تھا۔ اور شک بھی کیسے کر سکتا ہے جب کہ امام عسکریؑ نے ان کے حق میں اور خود ان کے والد گرامی نے یہ فرمایا:

۱۔ رجال نجاشی، ص ۲۸۔
۲۔ رجال نجاشی، ص ۲۱۵۔
۳۔ رجال نجاشی، ص ۱۹۵۔
۴۔ رجال نجاشی، ص ۳۳۵۔
۵۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۵۵۔
۶۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۵۹۔

" العمری و ابنه ثقتان "(۱) عمری اور ان کے فرزند قابل اعتماد ہیں....

امام مہدیؑ نے بھی اپنے اس قول سے ان کی تائید فرمائی: "لم یزل ثقتنا فی حیاة الأب رضی الله عنه "(۲)

"تم اپنے والد کی زندگی میں ہمیشہ میرے قابل اعتماد تھے..."۔

انہوں نے تقریباً پچاس سال تک اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا یہاں تک کہ جمادی الاول ۳۰۵ھ یا ۳۰۴ھ میں رحمت حق سے جا ملے۔(۳)

محمد ابن عثمان نے دوسرے نائبین سے زیادہ اس منصب کے زمانہ میں خدمات انجام دیں۔

فقہ میں کتابوں کی تالیف کی جن میں ان مطالب کو قلمبند کیا جو انہوں نے امام عسکریؑ، حضرت مہدیؑ اپنے پدر بزرگوار عثمان ابن سعید اور امام ہادیؑ سے اخذ کیے تھے۔(۴) آپ امام مہدیؑ کی رہنمائی سے اپنی موت کے زمانہ سے آگاہ تھے، لہذا پہلے سے اپنے لیے ایک قبر آمادہ کیے ہوئے تھے۔(۵)

وفات کے بعد اپنے والد کی قبر کے پاس سپرد خاک ہوئے۔

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۶۰۔ کافی، ج ۱، ص ۳۲۹۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۴۹۔

۳۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۶۶۔

۴۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۶۳۔

۵۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۶۵۔

امام زمانہؑ کے تیسرے نائب

تیسرے نائب، شیخ جلیل ابو القاسم حسین ابن روح نوبختی ہیں۔ آپ ابتدا میں ابو جعفر ابن عثمان عمری کے وکیل تھے جو ان کی تمام ملکیت پر نظارت رکھتے تھے، یہاں تک کہ نص کے ساتھ وصیت ان تک پہونچی اور کسی شخص کو اس مسئلہ میں شک باقی نہیں تھا۔(۱)

بعض شیعوں نے، کچھ مال ابو جعفر عمری کے لیے چار سو دینار کی مقدار میں بھیجا تا کہ

آپ امام زمانہ تک پہونچا دیں، ابو جعفر نے حکم دیا کہ اسے حسین ابن روح کو دے دیں۔ انہوں نے جب اس شخص کو ان کی نیابت کے ثابت ہونے میں شک وشبہ میں مبتلا ہوتے ہوئے دیکھا تو دوبارہ تاکید کی کہ اس رقم کو حسین ابن روح تک پہونچا دیں، اس لیے کہ یہ امام زمانہؑ کا حکم ہے۔

جب ابو جعفر عمری کی مزاجی کیفیت بحرانی ہوئی تو شیعوں کے بزرگوں کی ایک جماعت منجملہ ان میں سے ابو علی ابن ھمام، ابو عبد اللہ ابن محمد کاتب، ابو عبد اللہ باقطانی، ابو سہل اسماعیل ابن علی نوبختی، ابو عبد اللہ ابن وجناء، ان کے علاوہ اور دوسرے بزرگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: اگر آپ کے ساتھ کوئی سانحہ پیش آجائے تو آپ کا جانشین کون ہوگا؟ ابو جعفر عمری نے جواب دیا: ابو القاسم حسین ابن روح، میرے جانشین و قائم مقام اور تمہارے اور صاحب الامر کے درمیان نائب ہیں۔ وہ وکیل، ثقہ اور امین ہیں، لہذا اپنے امور میں انہیں کی طرف مراجعہ کرو اور اپنے اہم امور میں انہیں پر اعتماد کرو، اس لیے کہ میں اس بات پر مامور ہوا ہوں کہ یہ بات تم تک پہونچا دوں۔ (۲)

۱۔ الغیبۃ طوسی، ص ۳۷۲۔ ۲۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۷۱۔

ابو جعفر ابن احمد متیل کا بیان ہے: جب محمد ابن عثمان عمری کی وفات کا وقت نزدیک ہوا تو میں ان کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا ان سے سوال کر رہا تھا اور حسین ابن روح بھی ان کے پائینتی (پاؤں کی طرف) بیٹھے ہوئے تھے۔

محمد ابن عثمان نے اپنا رخ میری طرف کر کے فرمایا: میں ابو القاسم ابن روح کے لیے وصیت کرنے پر مامور ہوا ہوں۔ میں اس خبر کے سنتے ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا، حسین ابن علی

روح کو اپنی جگہ محمد ابن عثمان کے سرہانے قرار دیا۔(۱)

محمد ابن عثمان کی جانب سے حسین ابن روح کی وصایت و نیابت پر اس جہت سے اتنی زیادہ تاکید تھی کہ وہ شیعوں کے درمیان اپنا کوئی بہت خاص مقام و کردار ائمہؑ سے ارتباط رکھنے میں نہیں رکھتے تھے، اگرچہ وہ محمد ابن عثمان کے خاص اور نزدیک افراد میں سے تھے۔ اورانہیں منصب نیابت دینے کا راز ان کی فداکاری واخلاص کی بنا پر تھا۔ وہ ابو جعفر عمری کی وفات کے بعد ۲۱ سال کی مدت تک منصب نیابت پر فائز تھے۔ سب سے پہلا نامہ جو حضرت سے دریافت کیا وہ آنحضرتؑ کی جانب سے آپ پر درود وسلام پر مشتمل تھا۔(۲)

اسی زمانہ سے اپنی ذمہ داریوں میں مشغول ہوئے آپ کا طریقہ کار شدت سے تقیہ کی پابندی تھی اس حیثیت سے کہ آپ اپنے عقیدہ کا اہل سنت کے مطابق اظہار کیا کرتے تھے تاکہ اس طرح اپنی ذمہ داریوں پر عمل پیرا ہوں۔ وہ اپنی نیابت کے زمانہ میں انحرافات اور انحرافی نیابت کے دعویداروں سے شدت کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے یہاں تک کہ ۳۲۶ھ میں رحلت کر گئے۔

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۷۰۔ ۲۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۷۲۔

امام زمانہؑ کے چوتھے نائب

چوتھے نائب، شیخ جلیل ابوالحسن علی ابن محمد سمری ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت مشخص نہیں ہے، لیکن پہلی مرتبہ امام عسکریؑ کے اصحاب میں سے ایک صحابی کے عنوان سے جانا پہچانا گیا،(۱) کہ بغداد میں حسین ابن روح کے اشارہ سے امام زمانہؑ کی طرف سے نیابتی امور کی

ذمہ داری سنبھالی۔

آپ کی نیابت کے مسئلہ میں کوئی معین خبر نہیں آئی اور صرف اس بات (نیابت) کو شیعوں کے درمیان آپ کی نیابت پر اجماع واتفاق کے ذریعہ کشف کیا جا سکتا ہے اور اس موضوع کو حسین ابن روح کے ذریعہ امام زمانہ کی طرف سے دیے گئے پیغام کا نتیجہ اور اسے کشف کرنے والا جانا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنی نیابت کی ذمہ داریوں کو حسین ابن روح کی وفات سے لے کر تین سال کی مدت تک انجام دیا۔ آپ اگر چہ دوسروں کی طرح قابل اعتماد و اطمینان تھے، مگر ان تین نائبین کی طرح وسیع پیمانہ پر سرگرم عمل نہیں تھے۔ اور یہ بات بعید بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ان ایام میں اسلامی حکومت اختلافات، ظلم و جور اور خون ریزیوں میں مبتلا تھی، اور ایسے امور اجتماعی وثقافتی پروگرام ولائحہ عمل کو جاری رکھنے میں منافات اور تضاد رکھتے ہیں۔ اور صرف یہی عنصر آپ کی وفات کے چند روز قبل ایک توقیع (جواب نامہ) امام کی جانب سے دریافت کیا کہ جس میں غیبت صغریٰ کے اختتام کی خبر ان کے انتقال کے بعد دی تھی اور آپ کو اپنے بعد کسی دوسرے سے نیابت کی وصیت کرنے سے منع فرمایا تھا۔ (۲)

۱۔ رجال شیخ طوسی، ص ۴۰۰۔

۲۔ کمال الدین، ص ۵۱۶۔ اعلام الوریٰ، ص ۴۴۵۔

راوی کہتا ہے: اس توقیع کے صادر ہونے کے چھ دن بعد علی ابن محمد کی خدمت میں جب وہ احتضار کی حالت میں تھے، پہونچا تو ان سے عرض کیا:

آپ کا وصی کون ہے؟ فرمایا: ''خدا کے لیے ایک امر ہے کہ جسے وہی پہونچائے گا'' اس بات کو کہتے دار دنیا سے رحلت کر گئے۔

حضرتؑ کے نوّاب اربعہ کی نیابت کا اثبات

۱۔عثمان ابن سعید کے متعلق ہم کہتے ہیں: آپ امام عسکریؑ کے قابل اعتماد فرد تھے اور امام مہدیؑ نے بھی ان کے منصب کی تصریح فرمائی ہے۔

آپ کے فرزند محمد ابن عثمان کے لیے بھی ہم کہتے ہیں: وہ اپنے پدر گرامی کی طرف سے منصوب ہوئے اس کے علاوہ امام عسکریؑ کے لئے قابل اعتماد تھے۔امام زمانہؑ کی جانب سے بھی اس امر میں نیابت خاص کے حامل تھے۔

حسین ابن روح بھی محمد ابن عثمان کی طرف سے اس مقام ومنصب کے لیے منصوب ہوئے اور انہوں نے علی بن محمد سمری کو اس مقام کے لیے منصوب کیا۔

۲۔ان چاروں بزرگوں کی نیابت کے اثبات کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ امامؑ کی مشہور تحریر کو دوسروں کو دکھاتے اور بتاتے رہے۔امام زمانہؑ کی تحریر ان کے والد امام عسکریؑ کے زمانہ میں شیعوں کے نزدیک مشہور ومعروف تھی۔

۳۔بہت سی کرامات جو ان بزرگوں کے دست مبارک سے انجام پائی ،وہ بھی ان کی نیابت کو ثابت کر سکتی ہے۔

یہ کرامات بعض مقامات پر ان کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی اور بعض دوسری کرامات بھی جو امام زمانہؑ سے منسوب تھی ان کی اطلاع شیعوں تک پہونچاتے تھے ،جیسا کہ ابو علی بغدادی کے مشہور واقعہ سے یہ ہمیں معلوم ہوا ہے۔

سید عبداللہ شبر فرماتے ہیں:''شیعہ حضرات نوّاب اربعہ کی باتوں کو جب تک امام عصرؑ کی طرف سے ان کے ہاتھوں ظاہر شدہ کوئی معجزہ یا کرامت جو ان کی صدق گفتاری اور

نیابت کے صحیح ہونے پر دلالت کرے نہیں دیکھ لیتے تھے قبول نہیں کرتے تھے"۔(۱)

نوّاب اربعہ کا شیعوں کے ساتھ ارتباط کا طریقہ

شیعہ حضرات نوّاب اربعہ کے ساتھ دو طریقوں سے ارتباط رکھتے تھے:

۱۔ واسطہ کے ساتھ اور غیر مستقیم طریقہ سے ارتباط

واسطہ کے ساتھ ارتباط، نیابتی وسفارتی ادارہ میں ایک اصل وقاعدہ تھا، اس لیے کہ یہ ادارہ عباسیوں کے مظالم کی بنا پر بطور آزاد و آشکار سرگرم عمل نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی بنا پر لوگوں کے ساتھ مخفی طریقوں سے ارتباط رکھا جاتا تھا۔

۲۔ مستقیم اور بغیر واسطہ کے ارتباط

اس طریقہ کا ارتباط نوّاب اربعہ کی سرگرمی کے آغاز میں غیبت صغریٰ کے زمانہ میں نہیں پایا جاتا تھا، اس لیے کہ نیابت خاصہ کے مسئلہ کی بنا مخفی رکھنے پر تھی، تا کہ حکام جور اپنی طرف سے کوئی عکس العمل انجام نہ دیں۔ لیکن آہستہ آہستہ شیعہ حضرات مخفی طور پر نائب کا نام اور پتہ ان کے وکیلوں اور خاص افراد سے لیتے تھے اور ان سے بغیر واسطہ کے ارتباط برقرار کر

۱۔ حق الیقین، ص ۲۳۲۔

لیتے تھے۔ یہ کام دوسرے نائب کی نیابت کے زمانہ میں اچھی طرح سے شروع ہوا اور جاری وساری رہا۔

شیخ طوسیؒ اس قسم کے ارتباط کے متعلق رقم طراز ہیں: "بعض قابل اعتماد افراد امام مہدیؑ کے نائبین کے پاس جاتے تھے اور نامہ دے کر یا اپنی حاجتوں کو بیان کر کے اس کا جواب حضرتؑ کی طرف سے نائبین کے ذریعہ دریافت کرتے تھے"۔(۱)

نوّاب اربعہ کی ذمہ داریاں

نوّاب اربعہ کی مجموعی طور پر مندرجہ ذیل ذمہ داریاں تھیں:

۱۔امام مہدیؑ کے وجود کے متعلق لوگوں کے شک و حیرت کو برطرف کرنا

نوّاب اربعہ کی اہم ترین ذمہ داری بالخصوص پہلے نائب یعنی عثمان ابن سعید عمری کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ شیعوں کے لیے یہ ثابت کریں کہ امام عسکریؑ کا ایک ایسا فرزند ہے جو امام اور آنحضرتؑ کا خاص نائب ہے۔

۲۔امام مہدیؑ کا نام اور مکان مخفی رکھنے کے طریقے سے ان کی حفاظت کرنا

امام مہدیؑ نے اپنی ایک توقیع (جواب نامہ) میں محمد ابن عثمان ابن سعید عمری کے لیے بیان فرمایا کہ آنحضرتؑ کا نام اور پتہ بتانے سے پرہیز کریں اور آنحضرتؑ کا نام اور مکان مخفی رکھنے میں کوشاں رہیں۔(۲)

ابوسہل نوبختی اس سوال کے جواب میں کہ کیوں تم حضرتؑ کے نائب نہیں قرار پائے؟ فرمایا: ''میں حسین ابن روح کی طرح راز کی حفاظت نہیں کرسکتا''۔(۳)

۱۔الغیبۃ، طوسی، ص۲۵۷۔ ۲۔الغیبۃ، طوسی، ص۲۲۲۔
۳۔الغیبۃ طوسی، ص۲۴۰۔

۳۔نظام وکالت کی سرپرستی اور اسے منظم کرنا

اس نظام کے طریقہ سے، شیعہ حضرات اپنے دینی سوالات اور شبہات کو وکیلوں سے بیان کرتے تھے اور وہ لوگ نائب کے ذریعہ حضرتؑ سے جواب اخذ کر کے اسے شیعوں تک

پہونچاتے تھے، نیز اپنی شرعی رقوم کو وکیلوں کے سپرد کرتے تھے اور وکلاء اس کو اس نظام کے ذمہ دار شخص کو دیتے تھے۔

۴۔ فقہی سوالات اور اعتقادی مشکلات کا جواب دینا

وہ لوگ بسا اوقات فقہی سوالوں اور شیعوں کے جدید مسائل کو امام مہدیؑ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور اس کا جواب دریافت کر کے شیعوں تک پہونچاتے تھے۔(۱)

۵۔ امام مہدیؑ سے متعلق اموال اخذ کر کے اسے تقسیم کرنا

امام مہدیؑ نے امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد والے دن یا اسی دن میں، امام عسکریؑ کی تدفین کے بعد اہل قم کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ آج کے بعد، آنحضرتؑ سے متعلق اموال ان کے وکیل (ابو عمرو، عثمان ابن سعید عمری) کو بغداد میں سپرد کریں۔(۲)

۶۔ غالیوں اور حضرتؑ کی جھوٹی نیابت اور بابیت کے دعویداروں سے مقابلہ کرنا

اس ذمہ داری کے سلسلہ میں، اس ستر سالہ دور میں جو شخص بھی بابیت اور وکالت کا جھوٹا دعویٰ کرتا تھا، جیسے حلاج، شلمغانی اور دوسرے افراد، ان سے مبارزہ و مقابلہ کے لیے اٹھ

۱۔ اعلام الوریٰ، ص۴۵۲۔ ۲۔ کمال الدین، ص۴۷۸۔

کھڑے ہوئے اور حضرتؑ کی طرف سے ان کے ذریعے توقیعات صادر ہوئیں اور ان کی ماہیت روشن ہونے کے ساتھ شیعہ امامیہ اس قسم کے انحرافات سے محفوظ ہوئے اور نواب اربعہ کی نیابت و وکالت پر زیادہ اعتماد کرنے لگے۔

۷۔ خائن وکیلوں سے مقابلہ کرنا

کبھی وکیلوں میں سے بعض منحرف ہو جاتے تھے اور اپنی اصل ذمہ داری انجام نہیں دیتے تھے۔ اس صورت میں مخفی نظام وکالت کے لیے مشکلات پیدا کر دیتے تھے، اور کبھی شرعی رقوم اپنے ہی پاس رکھ لیتے تھے، اس صورت میں نواب اربعہ میں سے ہر ایک اپنے زمانہ میں ذمہ دار تھے تاکہ اس خائن وکیل سے مقابلہ کریں۔

۸۔ لوگوں کو غیبت کبریٰ کے قبول کرنے کے لیے آمادہ کرنا

سب سے زیادہ یہ سنگین ذمہ داری ابوالحسن علی ابن محمد سمری کے دوش پر تھی جو امام مہدیؑ کے آخری نائب تھے۔

اس لحاظ سے امام مہدیؑ معجزانہ طور سے ان کی مدد کرتے تھے اور ان کے انتقال سے چھ دن قبل ایک توقیع صادر کی جس میں ان کی وفات کا معینہ وقت بیان فرمایا تاکہ تمام لوگوں پر حجت تمام ہو، اور لوگوں کے اذہان حضرت کی غیبت کے دوسرے دور (کبریٰ) کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

نوّاب اربعہ کے انتخاب کا معیار

ائمہ معصومین علیہم السلام حکمت کی بنیاد پر چلتے تھے اور قطعاً ان کے منصوب کرنے میں ایک قسم کا معیار مدنظر قرار دیتے تھے جیسے:

۱۔ تقیہ و رازداری کو انتہائی حد میں رکھنا

حضرتؑ کے پہلے نائب، عثمان ابن سعید، تقیہ کی رعایت کے لیے کوشاں رہے تاکہ خود کو

عباسی حکومت کی دست رس سے دور رکھ سکیں۔ آپ اسی لیے کسی مذہبی یا سیاسی بحثوں میں ظاہری صورت میں نہیں الجھتے تھے۔ (۱)

حسین ابن روح بھی تقیہ کی رعایت وحفاظت کے سلسلہ میں، اپنے ایک خادم کو صرف اس دلیل سے کہ اس نے معاویہ کو لعنت کیا اسے معزول کر دیا۔ (۲)

۲۔ ممتاز اور عالی ترین صبر واستقامت پر فائز ہونا

بعض لوگوں نے ابو سہل نوبختی سے دریافت کیا: تم حضرتؑ کے نائب خاص کیوں نہیں قرار پائے؟ اس نے جواب دیا: "وہ لوگ (ائمہ معصومین علیہم السلام) تمام لوگوں سے بہتر جانتے ہیں کہ اس مقام ومنصب کے لائق کون ہے۔ میں ایسا شخص ہوں جو دشمنوں کے ساتھ رفت وآمد کرتا ہوں۔ اور ان کے ہمراہ مناظرہ کرتا ہوں، اگر جو کچھ ابو القاسم حسین ابن روح امام مہدیؑ کے متعلق جانتے ہیں اس کا مجھے علم ہوتا تو شاید میں دشمنوں کے ساتھ اپنی بحثوں میں جب میں ان لوگوں کی لجاجت اور جدل وبحث کا مشاہدہ کرتا تو میری کوشش یہ ہوتی کہ امام کے وجود پر بنیادی دلائل پیش کروں جس کے نتیجہ میں حضرتؑ کی قیام گاہ کو میں برملا کر دیتا۔ لیکن اگر ابو القاسم حسین ابن روح، امام کو اپنی عبا کے نیچے مخفی کیے ہوئے ہوں، اور ان کی بدن کو قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے کہ امامؑ کو انہیں دکھلائیں، تو وہ کبھی

۱۔ تاریخ سیاسی غیبت امام دوازدھم، ڈاکٹر جاسم حسین، ص ۱۴۹۔

۲۔ الغیبۃ طوسی، ص ۲۳۷۔

بھی اپنی عبا کو نہ ہٹائیں گے اور نہ ہی ان کا دیدار کرائیں گے۔ (۱)

۳۔ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بافہم ہونا

شیخ طوسیؒ نے کتاب ''الغیبۃ'' میں ان کے فہم و درایت و باریک بین ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۲)

۴۔ان لوگوں کی بہ نسبت حکومت کا حساس نہ ہونا

امام مہدیؑ اپنے نواب خاص کو انتخاب کرنے میں ایسے افراد سے استفادہ کرتے تھے جن سے عباسی ظالم حکومت حساسیت نہیں رکھتی تھی، چونکہ نیابت خاص، ایسا کام تھا جو مخفی و مبہم اور اہم تھا، لہذا ان میں سے ہر ایک اپنا ایک خاص مشغلہ رکھتے تھے، اور کسب حلال میں مصروف رہتے تھے تا کہ ان کی شناخت نہ ہوسکے۔

جھوٹی نیابت کے دعوے کے عوامل

ابھی حضرت کی سفارت کے زمانہ کی کچھ مدت نہیں گزری تھی کہ یہ مقدس نظام ،سفارت کے جھوٹے دعویداروں کی مصیبت میں مبتلا ہوا۔وہ لوگ اپنے اس جھوٹے دعوے سے جن اہداف کو حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔چونکہ وہ لوگ ضعیف الایمان تھے لہذا اپنے اس دعوے سے لوگوں اور شیعہ معاشرہ کو منحرف کرنے کے درپے تھے۔

۱۔الغیبۃ ،طوسی، ص ۲۳۰، بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۵۹۔

۲۔گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۶۔

۲۔شرعی حقوق اور لوگوں کے اموال کو حاصل کرنے کی طمع میں رہنا، چوں کہ جب سے امام زمانہؑ غیبت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس وقت سے یہ لوگ ان کے اموال میں

تصرف کر سکتے تھے۔

۳۔ معاشرہ میں اپنی موقعیت ومنزلت کو وسعت دینے کی فکر میں تھے، اس لیے کہ اس دعوے اور خود کو امام مہدیؑ کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر اپنی شہرت پھیلانے میں مصروف تھے۔

جھوٹی نیابت کے دعوے دار

نیابتی امور میں مکروفریب اور کذب کا آغاز دوسرے نائب محمد ابن عثمان عمری کے زمانہ سے ہوا، اس لیے کہ ان کے پدر بزرگوار عثمان ابن سعید اتنا زیادہ مشہور تھے کہ کسی شخص کو ان سے مقابلہ اور روبرو ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

سب سے پہلے جس نے جھوٹی نیابت کا دعویٰ کیا ابو محمد شریعی تھا۔(۱) اور اس کے بعد محمد ابن نصیر نمیری، (۲) احمد ابن ہلال کرخی، (۳) ابوطاہر محمد ابن علی ابن بلال بلالی، (۴) ابوبکر محمد ابن احمد ابن عثمان بغدادی اور اسحاق احمر (۵) اور ایک شخص جو باقطانی کے نام سے مشہور تھا۔(۶)

۱۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۶۷۔
۲۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۶۷۔
۳۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۶۸۔
۴۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۶۹۔
۵۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۰۱۔
۶۔ بحارالانوار، ج۵۱، ص۳۰۱۔

ان میں سے بعض ابتدا میں نیک لوگوں میں سے تھے لیکن مختلف جہتوں سے انحرافی راستہ کو اختیار کر لیا۔

دوسرے نائب نے اپنی تمام قدرت وتوانائی کے ساتھ ان لوگوں سے مقابلہ کیا، نیز حضرتؑ کی طرف سے ان پر لعنت وتبرا کرنے کے لیے توقیعات اور شدید بیانات صادر ہوئے جو ان کی خباثت اور جھوٹ بولنے پر دلالت کرتے تھے۔

حسین ابن روح (تیسرے نائب) اپنی نیابت کے زمانہ میں اس سلسلہ میں زیادہ مصیبت سے دوچار ہوئے، اس لیے کہ ایک محمد ابن علی شلمغانی غزافری نامی شخص نے نیابت کا دعویٰ کیا اور معاشرہ کے منحرف ہونے میں بہت زیادہ موثر ثابت ہوا۔(۱)

وہ اگرچہ ابتداء امر میں ایک مرد مومن اور حسین ابن روح کا وکیل تھا، مگر انجام کار میں وہ منحرف ہوگیا۔

جس آخری شخص نے نیابت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا وہ ابودلف کاتب تھا جو اپنے اس دعویٰ پر سمری (چوتھے نائب) کی وفات کے بعد تک باقی رہا۔

حضرتؑ کی وکالت

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زمانہؑ کے چار مشہور نواب کے علاوہ کچھ دوسرے وکیل بھی تھے جو مختلف ممالک کے اطراف اور اسلامی شہروں میں اپنی ذمہ داری انجام دینے میں مشغول تھے، مگر نواب اور وکیلوں کے درمیان دو بنیادی فرق پائے جاتے ہیں:

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۰۳۔

۱۔ نائب، امام زمانہؑ سے براہ راست رابطہ رکھتے تھے اور انہیں ذاتی طور پر پہچانتے تھے، جب کہ وکلاء اس طرح نہیں تھے، اور ان کا حضرتؑ کے ساتھ ارتباط نواب اربعہ کے ذریعہ

انجام پاتا تھا۔

۲۔ نائب کی ذمہ داری، عمومی تھی اور تمام شیعوں کے لیے ہوتی تھی، مگر وکیل کی ذمہ داری اس کے اپنے محدود علاقہ میں ہوا کرتی تھی۔

وکیل کا کام، نائب کے وسیع امور کو سہل بنانے میں حصہ لیتا تھا، خصوصاً اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ حضرت سے ارتباط کے لیے شیعوں کے امور کو مخفی کرنے پر بنا رکھی ہوئی تھی۔

اور ان کی کارکردگی سفیر کے مخفی رکھنے میں اور اس کی شخصیت نیز اس کے نام کو مخفی رکھنے میں بھی بہت زیادہ موثر تھی۔

نظام وکالت کی ذمہ داریاں

تاریخی شواہد کی جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام وکالت اپنی سرگرمی کے آغاز اور انجام تک، مختلف کارکردگی رکھتا تھا کہ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شرعی رقوم دریافت کر کے اسے تقسیم کرنا۔

۲۔ اوقاف کی حفاظت۔

۳۔ شیعوں کی ہدایت و رہنمائی کرنا اور مخالفین سے مناظرہ کرنا۔

۴۔ نظام وکالت میں سیاسی کردار ادا کرنا۔

۵۔ نظام وکالت میں ارتباطی کردار ادا کرنا۔

۶۔ ضرورت مندوں کی مدد اور شیعوں کی مشکلات حل کرنا۔

توقیعات حضرت مہدی (عج)

توقیع لسان روایات میں، ایک ایسے مفہوم کے مطابق ہے کہ عرف میں اسے استعمال کیا گیا ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ بزرگ افراد، عریضوں اور خطوط جو ان تک پہونچتے تھے اس کے ذیل میں کچھ مکتوب فرماتے تھے اور اس کے ذریعہ سائل کی حاجت کو پورا کرتے تھے۔ نتیجہ میں حضرت مہدیؑ کی توقیعات میں وہی مطالب تھے جو حضرت اپنی مبارک تحریر سے سوالوں اور عریضوں کے جواب ناموں میں مرقوم فرماتے تھے اور نواب میں سے کسی ایک نائب کے ذریعہ ان کے بھیجنے والوں کو واپس پلٹا دیتے تھے۔

اگر چہ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ''توقیع'' اس مسئلہ کے سوال کے معنی و مفہوم میں مخفی ہے لیکن بعض مقامات پر حضرتؑ کے بیانات ابتدائی طور پر صادر ہوئے ہیں (اگر چہ ان سے سوال نہیں ہوا تھا) اس پر بھی توقیع کا اطلاق ہوا ہے۔

توقیعات میں نائب کا کردار

اگر چہ حضرت مہدیؑ کی توقیعات سے صادر ہونے میں خود حضرتؑ کی شخصیت خاص اہمیت کی حامل ہے، اس لیے کہ انہی کی ذات گرامی ہے کہ جنہوں نے نامہ کے ذیل کو اپنی مبارک تحریر سے زینت بخشی ہے، مگر اس کے وجود میں آنے کے لیے نائب کے کردار کو صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نائب ہی کا کارنامہ ہے کہ نامہ کو سائل سے لے کر امامؑ کے دست مبارک تک پہونچاتا ہے اور مختصر یا طولانی مدت میں اس کے جواب کو سائل تک پہونچاتا ہے بلکہ ایک اور تعبیر کے مطابق، نائب توقیع (جواب نامہ) کے ایجاد کرنے میں

بھی واسطہ قرار پایا ہے، اس لیے کہ اگر امام کے پاس اس طرح کے امین نائب نہ ہوتے تو وہ موصولہ نامہ کی توقیع نہ فرماتے۔

توقیع کے صادر ہونے کے زمانہ کی مدت

بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ توقیع برآمد ہونے کا زمانہ کسی معیّن سوال کے جواب میں دو یا تین دن ہوا کرتا تھا، جس طرح کہ بعض روایات میں راوی کہتا ہے: چند دن بعد میرے مالک نے کہا کہ ابوجعفر کی طرف واپس جاؤں تاکہ سوالات کے جواب دریافت کروں۔(۱) ایک دوسری روایت میں ذکر ہوا ہے: اس وقت نائب نے تین دن کے بعد حضرت سے میرے جواب کی خبر دی۔(۲)

بعض دوسرے مقامات میں بھی جواب شفاہی تھا جو نائب، حضرتؑ سے اخذ کرتے تھے اور سائل کی خدمت میں لاکر پیش کر دیتے تھے۔ جیسے یہ کہ حسین ابن روح نوبختی بعض لوگوں سے کہتے ہیں: ''تمہیں حکم ہوا ہے کہ حائر کی طرف جاؤ''۔(۳)

اور بعض موارد میں کسی مصلحت کی بنا پر سائل کا جواب نہیں دیا جاتا تھا۔

مثال کے طور پر کسی مورد میں سائل نے امامؑ سے اپنے لیے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک فرزند عطا کرے لیکن کسی مصلحت کی بنا پر جواب نہیں آیا۔(۴)

۱۔ بحارالانوار، ج ۵۱، ص ۳۲۱، ح ۴۲۔
۲۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۲۰۔
۳۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۰۹۔
۴۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۲۰۔

اور کبھی کسی شخص نے حضرتؑ کے لیے کوئی سوال ارسال کیا مگر اس کا جواب نہیں آیا اور چند دنوں کے بعد مشاہدہ کیا گیا کہ وہ قرامطہ نامی گروہ میں شامل ہو گیا ہے۔(۱) اگرچہ بعض

موارد میں بھی سوالات کے جوابات چند گھنٹے کی مدت میں دیے گئے ہیں۔(۲) اور بعض دوسری روایات میں ملتا ہے کہ جواب ایسی حالت میں آیا کہ ابھی کاغذ پر سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی۔(۳) بعض روایات میں یہ بھی مطالعہ کرتے ہیں کہ صرف کسی شخص کے ذہن میں سوال خطور کیا اور مکتوب جواب کاغذ پر موجود تھا۔(۴) لیکن ایسے موارد زیادہ نہیں تھے۔

توقیعات میں حضرت مہدیؑ کی تحریر

مجموعی روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ بعض توقیعات خود حضرت کی تحریر سے مزین تھیں اور بعض تحریر نواب کے ہاتھوں امام کے حکم سے صادر ہوا کرتی تھیں۔

اسحاق ابن یعقوب کہتے ہیں: ''محمد ابن عثمان عمری کے وسیلہ سے میں نے مشکل مسائل کو حضرتؑ کی خدمت میں ارسال کیا اور اس کا جواب امام زمانہ کے مبارک دستخط سے میں نے دریافت کیا''۔(۵)

محمد ابن عثمان عمری کہتے ہیں: ''حضرتؑ کی طرف سے ایسی توقیع صادر ہوئی کہ ان کی تحریر میں خوب پہچانتا تھا''۔(۶)

شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں: ''وہ توقیع جو امام زمانہؑ کی تحریر سے میرے پدر بزرگوار کے

۱۔ ارشاد مفید، ج۲، ص۳۵۹۔
۲۔ الغیبۃ، طوسی، ص۳۱۶۔
۳۔ الغیبۃ، طوسی، ص۳۱۰۔
۴۔ بحار الانوار، ج۵۳، ص۱۸۳۔
۵۔ بحار الانوار، ج۵۱، ص۳۴۹۔
۶۔ بحار الانوار، ج۵۱، ص۳۳۔

لیے صادر ہوئی تھی وہ اب بھی میرے پاس موجود ہے''۔(۱)

شیخ ابو عمرو عامری کہتے ہیں: ''ابن ابو غانم قزوینی نے شیعوں کی ایک جماعت کے

ساتھ ایک موضوع میں اختلاف اور بحث کی اور اس نزاع کو برطرف کرنے کے لیے حضرتؑ کی خدمت میں ایک نامہ تحریر کیا اور واقعہ کی گزارش پیش کی۔ پھر ان لوگوں کا جواب نامہ، امامؑ کی مبارک تحریر سے صادر ہوا"۔(۲)

ان روایات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ توقیعات، یہ قرائن وشواہد کے ہمراہ ہوتی تھی یا حضرتؑ کے اصحاب ان کے دستخط کی شناخت رکھتے تھے، لہٰذا وہ لوگ قبول کر لیتے تھے۔ لیکن مقابل میں ایسی روایات بھی پائی جاتی ہیں کہ بعض توقیعات حضرتؑ کی تحریر سے صادر نہیں ہوئیں بلکہ حضرتؑ کے حکم سے نواب لکھتے تھے۔

ابونصر ہبۃ اللہ کہتے ہیں: "صاحب الامر کی توقیعات جس تحریر میں امام حسن عسکریؑ کے زمانہ میں صادر ہوتی تھیں اسی تحریر میں عثمان ابن سعید اور محمد ابن عثمان کے ذریعہ شیعوں کے لیے صادر ہوا کرتی تھیں۔(۳)

بعض توقیعات کی فہرست

تقریباً ستر توقیعات یا اس سے زیادہ مہدویت کے مصادر و مآخذ میں موجود ہیں کہ ان میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ انوار النعمانیہ، ج ۳، ص ۲۴۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۸۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۴۶۔

۱۔ علی ابن محمد سمری کے لیے توقیع۔(۱)

۲۔ ابو جعفر عمری کے لیے ان کے پدر بزرگوار کے سوگ میں توقیع۔(۲)

۳۔ سعد ابن عبداللہ قمی کے لیے توقیع۔ (۳)

۴۔ اسحاق ابن یعقوب کے لیے توقیع۔ (۴)

۵۔ محمد ابن عبداللہ ابن جعفر حمیری کی توقیع، ان کے مسائل کے جواب میں۔ (۵)

۶۔ حضرتؑ کی زیارت کے متعلق حمیری کے لیے ایک دوسری توقیع۔ (۶)

۷۔ محمد ابن خضر ابن ابو صالح خجند کے لیے توقیع۔ (۷)

۸۔ حسن ابن فضل یمانی کے لیے توقیع۔ (۸)

۹۔ ابو عمر و اور ان کے فرزند ابو جعفر محمد کے لیے توقیع۔ (۹)

۱۰۔ محمد ابن ابراہیم مہز یاری کے لیے توقیع۔ (۱۰)

۱۱۔ جعفر کذاب کی تردید کے متعلق توقیع۔ (۱۱)

۱۲۔ احمد ابن حسن مادرائی کے لیے توقیع۔ (۱۲)

۱۔ کمال الدین، ص ۵۱۶۔
۲۔ کمال الدین، ص ۵۱۰۔
۳۔ کمال الدین، ص ۴۵۹، ۴۶۳۔
۴۔ گزشتہ حوالہ، ص ۴۸۳۔
۵۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۵۱۔۱۷۰۔
۶۔ بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۸۱، ح ۱۔
۷۔ کمال الدین، ص ۵۰۹۔
۸۔ کافی، ج ۱، ص ۵۲۰۔
۹۔ کمال الدین، ص ۵۱۰۔
۱۰۔ گزشتہ حوالہ، ص ۴۸۶۔
۱۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۸۷۔
۱۲۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۰۳، ح ۱۹۔

۱۳۔ احمد ابن ابو روح کے قصہ کے متعلق توقیع۔ (۱)

۱۴۔ حاجز وشاء کے لیے توقیع۔ (۲)

۱۵۔ محمد ابن جعفر کے لیے توقیع۔ (۳)

۱۶۔ عبرتائی کی موت کے بعد محمد ابن صالح کے لیے توقیع۔ (۴)

۱۷۔ سمری کے خط کے جواب میں توقیع۔ (۵)

۱۸۔ اہل قائیم کے ایک مرد کے سوال کے جواب میں توقیع۔ (۶)

۱۹۔ محمد ابن حسن مروزی کے خط کے جواب میں توقیع۔ (۷)

۲۰۔ محمد ابن یوسف کے خط کے جواب میں توقیع۔ (۸)

۲۱۔ محمد ابن جعفر اسدی کے سوالات کے جواب میں توقیع۔ (۹)

۲۲۔ غالیوں کی تردید میں محمد ابن علی ابن ہلال کرخی کے لیے توقیع۔ (۱۰)

۲۳۔ محمد ابن شاذان کے لیے توقیع۔ (۱۱)

۲۴۔ احمد ابن حسن خازن کے لیے توقیع۔ (۱۲)

۱۔ گزشتہ حوالہ، ج ۵۱، ص ۲۹۵۔
۲۔ کمال الدین، ص ۴۹۳۔
۳۔ کافی، ج ۱، ص ۵۲۴۔
۴۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۲۸۔
۵۔ دلائل الامامۃ، ص ۲۸۶۔
۶۔ اثبات الہداۃ، ج ۳، ص ۶۹۹۔
۷۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۱۵۔
۸۔ کافی، ج ۱، ص ۵۱۹۔
۹۔ کمال الدین، ص ۵۲۰۔
۱۰۔ بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۲۶۶۔
۱۱۔ کمال الدین، ص ۵۰۹۔
۱۲۔ کافی، ج ۱، ص ۵۲۳۔

۲۵۔ علی ابن محمد ابن اسحاق اشعری کے لیے توقیع۔ (۱)

۲۶۔ عبید اللہ ابن سلیمان کے ضمیر کے متعلق خبر دینے کے لیے توقیع۔ (۲)

۲۷۔ ابن ابوغانم قزوینی کے جواب نامہ میں توقیع۔(۳)

۲۸۔ نماز کی تعلیم کی کیفیت کے لیے توقیع۔(۴)

۲۹۔ محمد ابن شاذان نے جو کچھ حضرتؑ کے لیے ارسال کیا تھا اس کے جواب میں توقیع۔(۵)

۳۰۔ محمد ابن یزداذ کے جواب نامہ میں توقیع۔(۶)

۳۱۔ قاسم ابن علا کی خواہش کے جواب میں توقیع۔(۷)

۳۲۔ اہل ربض کے ایک شخص کے نامہ کے جواب کے لیے توقیع۔(۸)

۳۳۔ اہل قم کے ایک سائل کے جواب میں توقیع۔(۹)

۳۴۔ حسن ابن عبدالحمید کے لیے توقیع۔(۱۰)

۳۵۔ محمد ابن جعفر عربی کی توثیق کے لیے توقیع۔(۱۱)

۳۶۔ ابوالحسن خضر ابن محمد کے سوال کے جواب میں توقیع۔(۱۲)

۱۔ کمال الدین، ص ۴۹۷۔
۲۔ کافی، ج ۱، ص ۵۲۵۔
۳۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۸۵۔
۴۔ بحارالانوار، ج ۵۲، ص ۲۰۔۲۲۔
۵۔ جامع الرواۃ، ج ۲، ص ۶۳۔
۶۔ کمال الدین، ص ۴۹۳
۷۔ کافی، ج ۱، ص ۵۱۹۔
۸۔ کمال الدین، ص ۴۹۴۔
۹۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۷۳۔
۱۰۔ کافی، ج ۱، ص ۵۲۱۔
۱۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۳۱۵۔
۱۲۔ بحارالانوار، ج ۵۳، ص ۱۹۷۔

۳۷۔ پہلی توقیع شیخ مفیدؒ کے لیے۔(۱)

۳۸۔ دوسری توقیع شیخ مفیدؒ کے لیے۔(۲)

۳۹۔علی ابن بابویہ کے نامہ کے جواب میں توقیع۔(۳)

۴۰۔محمد ابن کشمر کے نامہ کے جواب میں توقیع۔(۴)

۴۱۔جعفر ابن حمدان کے نامہ کے جواب میں توقیع۔(۵)

۴۲۔علی ابن زیاد کے نامہ کے جواب میں توقیع۔(۶)

۴۳۔حسن ابن قاسم ابن علاء کے لیے توقیع۔(۷)

۴۴۔ابوالقاسم ابن ابو حلیس کے لیے توقیع۔(۸)

۴۵۔رقعہ بلخی کے جواب میں توقیع۔(۹)

۴۶۔احمد ابن حسن کے لیے توقیع۔(۱۰)

۴۷۔محمد ابن ہمام کے لیے توقیع۔(۱۱)

اور بقیہ دوسری توقیعات

۱۔احتجاج، ج ۲، ص ۴۹۷۔
۲۔گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۴۹۸۔
۳۔رجال علامہ، ص ۹۴۔
۴۔کمال الدین، ص ۴۹۵۔
۵۔بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۸۶۔
۶۔کافی، ج ۱، ص ۵۲۴۔
۷۔الغیبۃ، طوسی، ص ۳۱۵۔
۸۔کمال الدین، ص ۴۹۳۔
۹۔کمال الدین، ص ۴۸۸۔
۱۰۔بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۰۳۔
۱۱۔بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۸۴۔

حضرتؑ کی توقیعات کے بعض نمونے

اب حضرت کی طرف سے بعض صادر شدہ توقیعات کے کچھ فقرات جس کی ضرورت پڑتی رہی ہے جو امام زمانہؑ کے شیعوں کے لیے اس زمانہ میں بھی پیغام کی حیثیت رکھتے ہیں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: "ما ارغم انف الشیطان افضل من الصلاۃ ،فصلّها و ارغم انف الشیطان "(۱)

"نماز کی طرح کوئی بھی چیز شیطان کی ناک کو زمین پر نہیں رگڑتی ،لہذا نماز پڑھو اور شیطان کی ناک زمین پر رگڑ دو"۔

یہ کلام، مسائل ابوالحسین جعفر ابن محمد اسدی کے جواب میں امام زمانہؑ کی طرف سے صادر ہوا ہے۔

۲۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں:" اما وجه الانتفاع بی فی غیبتی فکالانتفاع بالشمس اذا غیبتها عن الابصار السحاب "(۲)

۱۔ کمال الدین ،ج ۲ص ۵۲۰ ، ح ۴۹۔ فقیہ ،ج ۱ص ۴۹۸ ،ح ۱۴۲۷۔ تہذیب الاحکام ،ج ۲ص ۱۷۷، ح ۱۵۵۔ الاستبصار ،ج ۱ص ۲۹۱ ،ح ۱۰۔ الغیبۃ ،طوسی ص ۲۹۶ ،ح ۲۵۰۔ احتجاج ،ج ۲ص ۲۹۸۔ بحار الانوار ،ج ۵۳ ص ۱۸۲ ،ح ۱۱۔ وسائل الشیعہ ،ج ۴ص ۲۳۶ ،ح ۵۰۲۳۔

۲۔ کمال الدین ،ج ۲ص ۴۸۵ ،ح ۱۰۔ الغیبۃ ،شیخ طوسی ص ۲۹۲ ،ح ۲۴۷۔ احتجاج ،ج ۲ص ۲۸۴۔ اعلام الوریٰ ،ج ۲ص ۲۷۲۔ کشف الغمہ ،ج ۳ص ۳۴۰۔ الخرائج والجرائح ،ج ۳ص ۱۱۱۵۔ بحار الانوار ،ج ۵۳ ص ۱۸۱ ،ح ۱۰۔

"لیکن مجھ سے میری غیبت کے زمانہ میں فیض حاصل کرنا اسی طرح ہے جس طرح بادلوں کے پیچھے مخفی سورج سے فیض حاصل کیا جاتا ہے"۔

آفتاب بادلوں میں مخفی ہوتا ہے اور لوگ اس سے نفع و فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ کلام امام زمانہؑ نے اسحاق ابن یعقوب کے سوالات کے جواب کے آخر میں بیان فرمایا ہے۔

۳۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " امّا اموالکم فلا نقبلها الا لتطهروا ،فمن شاء فليصل و من شاء فليقطع ،فما آتاني الله خير مما آتاكم "(۱)"ہم تم لوگوں کے بھیجے ہوئے اموال صرف اس لیے قبول کر لیتے ہیں تا کہ تم لوگ اس کی وجہ سے پاک ہو جاؤ لہذا جو چاہے اپنا مال بھیجے جو چاہے اپنا مال نہ بھیجے ،تم لوگ جو کچھ بھی میرے پاس بھیجتے ہو اس سے بہتر کہیں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے"۔

یہ عبارت ان مطالب کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہؑ نے اسحاق ابن یعقوب کے سوالات کے جواب میں اپنی مبارک توقیع میں مرقوم فرمایا۔

۴۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " اكثر و الدعاء بتعجيل الفرج ،فانّ ذلك فرجكم "(۲)

۱۔کمال الدین ،ج ۲،ص ۴۸۴، ح ۴۔ الغیبۃ ،طوسی ،ص ۲۹۰، ح ۲۴۷۔ احتجاج ،ج ۲،ص ۲۸۳۔ اعلام الوریٰ، ج ۲،ص ۲۷۱۔کشف الغمہ ،ج ۳،ص ۳۳۹۔الخرائج والجرائح ،ج ۳،ص ۱۱۱۴۔بحار الانوار،ج ۵۳،ص ۱۸۰،ح ۱۰۔

۲۔کمال الدین ،ج ۲،ص ۴۸۵ ،ح ۴۔ الغیبۃ ،طوسی ،ص ۲۹۳،ح ۲۴۷۔احتجاج ،ج ۲،ص ۲۸۳۔ اعلام الوریٰ ،ج ۲،ص ۲۷۲۔کشف الغمہ ،ج ۳،ص ۳۴۰۔الخرائج و الجرائح ،ج ۳،ص ۱۱۱۵۔بحار الانوار ،ج ۵۳،ص ۱۸۱،ح ۱۰۔

"تعجیل فرج (کشادگی و آسائش میں عجلت) کے لیے زیادہ سے زیادہ دعا کیا کرو، کیونکہ اسی میں خود تمہارے لیے آسائش ہے"۔

یہ کلام، منجملہ ان مطالب میں سے ہے کہ حضرتؑ نے اسحاق ابن یعقوب کے ان سے بعض مسائل کے سوال کیے گئے جواب میں فرمایا۔

۵۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: "اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الی روّاة حدیثنا، فانّهم حجتی علیکم و انا حجة اللّه علیهم "(۱)

"لیکن زمانہ کے رونما شدہ حادثات کے بارے میں ہماری حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ لوگ تم پر ہماری طرف سے حجت ہیں اور ہم ان لوگوں (راویوں) پر خدا کی حجت ہیں"۔

یہ حدیث بھی منجملہ ان مطالب میں سے ہے کہ امام زمانہؑ نے اسحاق ابن یعقوب کے مسائل کے جواب میں بیان فرمائی۔

۶۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: "انّی لأمان لأهل الارض کما ان النجوم امان لأهل السماء "(۲)

۱۔ کمال الدین، ج۲، ص۴۸۴، ح۱۰۔ الغیبۃ، طوسی، ص۲۹۱، ح۲۴۷۔ احتجاج، ج۲، ص۲۸۴۔ اعلام الوریٰ، ج۲، ص۲۷۱۔ کشف الغمہ، ج۳، ص۳۳۸۔ الخرائج و الجرائح، ج۳، ص۱۱۱۴۔ بحار الانوار، ج۵۳، ص۱۸۱، ح۱۰۔ وسائل الشیعہ، ج۲۷، ص۱۴۰، ح۳۳۴۲۴۔

۲۔ کمال الدین، ج۲، ص۴۸۵، ح۱۰۔ الغیبۃ، طوسی، ص۲۹۲، ح۲۴۷۔ احتجاج، ج۲، ص۲۸۴۔ اعلام الوریٰ، ج۲، ص۲۷۲۔ کشف الغمہ، ج۳، ص۳۴۰۔ الخرائج والجرائح، ج۳، ص۱۱۱۵۔ بحار الانوار، ج۵۳، ص۱۸۱، ح۱۰۔

"یقیناً میں اہل زمین کے لیے اسی طرح امن وامان کا باعث ہوں جس طرح ستارے اہل آسمان کے لیے امن وامان کا سبب ہیں"۔

یہ کلام ان جوابات کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہؑ نے اسحاق ابن یعقوب کے نامہ کے جواب میں بیان فرمایا۔

۷۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: "انّا غیر مھملین لمراعاتکم، ولا ناسین لذکرکم، ولولا ذلک لنزل بکم اللاواء و اصطلمکم الاعداء "(۱)

"ہم تمہاری سرپرستی اور دیکھ بھال میں کوتاہی نہیں کرتے اور نہ ہی تم لوگوں کو فراموش کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ کرتے تو یقیناً تم پر مصیبتیں نازل ہو جاتیں اور دشمن تمہیں جڑ سے ختم کر دیتے"۔

شیخ مفیدؒ کے لیے حضرتؑ کی طرف سے دو توقیع صادر ہوئی ہیں۔ پہلی توقیع میں، حضرتؑ نے اپنے شیعوں کے لیے یہ بشارت دی ہے کہ تم لوگ ہمیشہ ہماری نگاہوں کے سامنے رہتے ہو اور کبھی بھی فراموش نہیں کیے جاتے۔

اس لحاظ سے دشمنوں کے خطرات سے امان میں ہو۔ شیعہ لوگ ظلم سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے اور ہمیشہ حق و حقیقت کے پیرو ہونے کی بنا پر حکام جور اپنے دشمنوں اور مخالفین کے ظلم کا ہمیشہ نشانہ بنے رہے۔ لہذا کسی ایسے شخص کے محتاج ہیں جو مشکلات اور سختیوں میں ان کی مدد کرے نیز انہیں نابودی سے نجات دلائے۔ اس توقیع میں، حضرتؑ شیعوں کو یہ بشارت دیتے ہیں کہ میں اپنے غائب ہونے کے باوجود ہمیشہ تمہاری حمایت کروں گا اور

۱۔ احتجاج، ج ۲، ص ۳۲۳۔ الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۹۰۳۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۵، ح ۷۔

تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا کہ حق و حقیقت کے دشمنوں کا لائحہ عمل نفع بخش واقع ہو، شیعہ اور ان کا مذہب نابود ہو۔ وہ مشکل کشائی جو حضرت نے اپنی امامت کی طولانی مدت میں انجام

دی ہے، وہی حضرتؑ کے وعدہ کے صحیح ہونے کے لیے سب سے بہتر نمونے ہیں۔

۸۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:" انہ من اتقی ربہ من اخوانک فی الدین و اخرج مما علیہ الی مستحقیہ، کان آمناً من الفتنۃ المبطلۃ، و محنہا المظلمۃ المنطلۃ و من بخل منہم بما اعارہ اللّٰہ من نعمتہ علی من امرہ بصلتہ، فانّہ یکون خاسراً بذلک لأولاہ و آخرتہ"(۱)

"برادران ایمانی میں سے تم میں سے جو شخص اپنے پروردگار سے خوف رکھے گا اور اپنے مال میں سے جس قدر نکالنا چاہیے نکال کر مستحقین تک پہونچاتا رہے گا وہ شخص تاریک فتنوں اور اس کے گزند سے محفوظ رہے گا۔ اور وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے چند روزہ مال عطا کیا ہے اگر اس کے نکالنے میں بخل کرے گا اور جس کے ساتھ صلۂ رحم کرنے کا حکم دیا گیا ہے انجام نہ دے گا تو وہ دنیا و آخرت دونوں میں محروم اور ناکام رہے گا"۔

یہ کلام، شیخ مفید کے لیے امام زمانہؑ کی طرف سے دوسرے نامہ کا ایک حصہ ہے۔

۹۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:" سجدۃ الشکر من الزم السنن و اوجبہا ... فان فضل الدعا و التسبیح بعد الفرائض علی الدعاء بعقیب النوافل، کفضل الفرائض علی النوافل، و السجدۃ دعاء و تسبیح"(۲)

۱۔احتجاج، ج۲، ص۳۲۵۔ بحارالانوار، ج۵۳، ص۱۷۷، ح۸۔

۲۔احتجاج، ج۲، ص۳۰۸۔ بحارالانوار، ج۵۳، ص۱۶۱، ح۳۔ وسائل الشیعہ، ج۶، ص۴۹۰، ح۸۵۱۴۔

"سجدۂ شکر، مستحبات میں بہت ضروری اور مستحب موکد ہے ... بے شک واجب (نمازوں) کے بعد دعا اور تسبیح کی فضیلت نافلہ نمازوں کے بعد دعاؤں پر ایسے فضیلت

رکھتی ہے جس طرح واجب نمازیں، مستحب نمازوں پر فضیلت رکھتی ہیں، اور خود سجدہ، دعا اور تسبیح ہے"۔

یہ مبارک حدیث، محمد ابن عبداللہ حمیری کے سوالات کے جواب کا ایک حصہ ہے جو امام مہدیؑ نے دیا تھا۔

۱۰۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:" من فضله ،ان الرجل ينسى التسبيح و يدير السبحة فيكتب له التسبيح ".(۱)

"اور اس (خاک شفا) کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تسبیح پڑھنا بھول جائے مگر خاکِ شفا کی تسبیح اپنے ہاتھ میں گھماتا رہے تو تسبیح پڑھنے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اگرچہ کوئی ذکر و دعا بھی نہ پڑھی جائے"۔

یہ حدیث، منجملہ ان جوابات میں سے ہے جو امام زمانہؑ نے محمد ابن عبداللہ حمیری کے سوالات کے جواب میں بیان فرمایا تھا۔

۱۱۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:" فلا يحل لأحد ان يتصرف من مال غيره بغير اذنه "(۲)

۱۔احتجاج، ج ۲، ص ۳۱۲، بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۶۵، ح ۴۔

۲۔کمال الدین، ص ۵۲۱، ح ۴۹۔ احتجاج، ج ۲، ص ۲۹۹۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۸۳، ح ۱۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۹، ص ۵۴۰،۵۴۱، ح ۱۲۶۷۰۔

"کسی ایک شخص کے لیے بھی کسی دوسرے شخص کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے"۔

یہ کلام، اس جواب کا ایک حصہ ہے جو حضرتؑ نے مسائل اسدی کے جواب میں مرقوم فرمایا۔

۱۲۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: ''وفی ابنة رسول اللّٰہ لي اسوة حسنة''(۱)

''بنت پیغمبرؐ، فاطمہ زہراؑ میرے لیے بہترین اسوہ ونمونہ ہیں''

شیخ طوسی نے کتاب ''الغیبۃ'' میں ابن ابو غانم قزوینی کا شیعہ جماعت کے باہمی نزاعی واقعہ میں، جو امام عسکریؑ کی جانشینی کے متعلق ہے نقل کیا ہے۔ ابن ابو غانم حضرت امام عسکریؑ کی جانشینی کے متعلق کسی قسم کا اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ شیعوں کے بعض افراد حضرتؑ کے لیے ایک نامہ تحریر کرتے ہیں اس میں ابن ابو غانم اور شیعہ جماعت کے درمیان جو نزاع انجام پایا تھا اس کی یاد دہانی کراتے ہیں۔

حضرتؑ، نامہ کے جواب میں، اپنی مبارک تحریر سے اپنے شیعوں کی ضلالت اور فتنوں سے خیریت وعافیت کے لیے دعا کرنے کے بعد ان کے لئے انجام کار کی بہتری اور روح یقین کی درخواست اور بعض امور کی یاد دہانی کے بعد فرماتے ہیں: ''فاطمہ زہراؑ دختر رسول خداؐ، میرے لیے، اس مسئلہ میں بہترین نمونہ ہیں''۔

۱۳۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: ''لا عذر لأحد من موالینا فی التشکیک فیما یو دیه عنّا ثقاتنا ''(۲)

''جو (چیزیں) موثق راوی تمہارے لیے ہم سے روایات نقل کرتے ہیں ان میں شک ڈالنے کے سلسلہ میں ہمارے شیعوں میں سے کسی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے''۔

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۸۶، ح ۲۴۵۔ احتجاج، ج ۲، ص ۲۷۹۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۸۰، ح ۹۔

۲۔ رجال کشی، ج ۲، ص ۸۱۶۔ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۳۱۸، ۳۱۹، ح ۱۵۔ وسائل الشیعہ، ج ۱، ص ۳۸، ح ۶۱۔

یہ عبارت، اس توقیع کا ایک حصہ ہے جو حضرت کی جانب سے ''قاسم ابن علا'' کے لئے ''احمد ابن ہلال عبرتائی'' سے دوری اختیار کرنے کے متعلق صادر ہوئی ہے۔

۱۴۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:'' ليس بين الله عزّوجلّ و بين احد قرابة ،ومن انكرني فليس منّي ،وسبيله سبيل ابن نوح''(۱)

''خداوند عالم کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے، جو میرا انکار کرے وہ مجھ سے نہیں ہے اور اس کا راستہ فرزند نوح کی طرح ہے''۔

یہ عبارت، اسحاق ابن یعقوب کے سوالات کے جوابات کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہؑ کی طرف سے دیے گئے ۔

۱۵۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:'' لا تتكلفوا علم ما قد كفيتم ''.(۲)

''خود کو ان چیزوں کے متعلق مشقت میں نہ ڈالو جس کا تم سے مطالبہ نہیں کیا گیا ہے''۔

یہ عبارت امام زمانہؑ کے منجملہ ان مطالب میں سے ہے جو اسحاق ابن یعقوب کے سوالوں کے جواب میں فرمایا تھا۔

۱۔کمال الدین ،ص ۴۸۳،ح ۳۔الغیبۃ ،طوسی ،ص ۲۹۰،ح ۲۴۷۔احتجاج ،ج ۲،ص ۲۸۳۔کشف الغمہ ،ج ۳،ص ۳۳۹۔اعلام الوریٰ ،ج ۲،ص ۲۷۰۔الخرائج والجرائح ،ج ۳،ص ۱۱۱۳۔بحارالانوار ،ج ۵۳،ص ۱۸۰،ح ۱۰۔

۲۔کمال الدین ،ج ۲،ص ۴۸۵،ح ۱۰۔احتجاج ،ج ۲،ص ۲۸۴۔بحارالانوار ،ج ۵۳،ص ۱۸۱،ح ۱۰۔

۱۶۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:'' انّ اللّه تعالىٰ هو الذى خلق الاجسام و قسّم الارزاق ،لأنه ليس بجسم و لا حال في جسم ، ليس كمثله شيء وهو

السمیع العلیم، و اما الأئمة علیهم السلام فانهم یسألون الله تعالیٰ فیخلق، ویسألونه فیرزق، ایجاباً لمسألتهم و اعظاماً لحقّهم"(۱)

"یقیناً صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے اجسام کو خلق فرمایا اور تمام روزی کو تقسیم کیا، کیونکہ وہ جسم نہیں ہے یا جسم میں حلول کرنے والا نہیں ہے، کوئی شے اس کے مثل نہیں ہے۔ وہ سننے اور جاننے والا ہے، لیکن ائمہ علیہم السلام کسی چیز کا خدا سے سوال کرتے ہیں تو وہ ان کے لیے اسے خلق کر دیتا ہے اور جب وہ خدا سے سوال کرتے ہیں تو خدا رزق بھی فراہم کرتا ہے خدا یہ کام اس لیے انجام دیتا ہے کیونکہ اللہ نے اپنے لیے لازمی قرار دیا ہے کہ ان کے منشا و ارادہ کو باب اجابت تک پہونچائے اور ان کی شان و منزلت کو عظیم قرار دے"۔

شیخ طوسیؒ کتاب "الغیبۃ" میں نقل فرماتے ہیں: شیعوں کی ایک جماعت نے اہل بیتؑ کے مقام و مرتبہ میں اختلاف کیا بعض قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے امر خلقت اور رزق کو ائمہ معصومینؑ کے سپرد کیا ہے۔ اس نظریہ کے مد مقابل بعض اس عقیدہ پر گامزن تھے کہ ایسا فعل اللہ تعالیٰ سے سرزد ہونا ناجائز اور محال ہے کہ وہ امر خلقت اور رزق کو ائمہؑ کے سپرد کر دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صرف اجسام کی خلقت پر قادر ہے۔

شیعوں نے، اس مسئلہ میں شدید نزاع کیا ہے۔ ایک شخص جو اس نشست میں حاضر تھا کہا: کیوں ابو جعفر محمد ابن عثمان عمری (حضرت کے دوسرے نائب) کے پاس نہیں جاتے

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۹۴، ح ۲۴۸۔ احتجاج، ج ۲، ص ۲۸۵۔ بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۳۲۹، ح ۲۔

اور اس سلسلہ میں ان سے سوال نہیں کرتے تاکہ تم لوگوں کے لیے حق و حقیقت روشن ہو جائے؟ وہی تنہا راستہ اور واسطہ ہمارے اور حضرت صاحب الامرؑ کے درمیان ہے۔ شیعہ

حضرات اس بات پر راضی ہوئے اور نامہ تحریر کیا اور اس میں اپنے اختلافی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت نے جواب نامہ میں مرقوم فرمایا: ''خالق'' کو جسم نہیں رکھنا چاہیے اور اسی طرح رازق کو روزی نہیں کھانی چاہیے۔ اس کے نتیجہ میں ہم چونکہ جسم رکھتے اور روزی کھاتے ہیں، لہذا نہ ہم خالق ہیں اور نہ ہی رازق، لیکن اللہ تعالیٰ نے، ہمارے حق کو عظیم قرار دیا ہے اور ہماری درخواست اور سوال کو قبول کرتا ہے۔ لہذا جو دعا ہم کرتے ہیں، مستجاب ہوتی ہے، نہ یہ کہ ہم خود مشیت الٰہی سے جدا ہو کر اس بات کی طاقت رکھتے ہوں۔

۱۷۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " فليعمل كل امرء منكم بما يقرب به من محبتنا ، و يتجنب ما يدنيه من كراهتنا و سخطنا "(۱)

"لہذا تم میں سے ہر شخص ایسا کام کرے جو ہماری محبت اور دوستی سے نزدیکی کا سبب ہو، اور جو چیزیں ہمیں ناپسند ہیں اور ہماری کراہت و ناراضگی کا باعث ہوں ان سے پرہیز کرے۔

یہ عبارت اس مبارک نامہ (خط) کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہؑ کی طرف سے شیخ مفیدؒ کو موصول ہوا ہے۔

۱۸۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " انّ اللّه تعالىٰ لم يخلق الخلق عبثاً ، ولا اهملهم سدى ، بل خلقهم بقدرته ، و جعل لهم اسماعاً و ابصاراً

۱۔ احتجاج، ج ۲، ص ۳۲۳، ۳۲۴۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۶، ح ۷۔

وقلوبنا والباباً ، ثم بعث اليهم النبيين عليهم السلام مبشرين و منذرين ، يامرونهم بطاعته وينهونهم عن معصيته ، ويعرفونهم ماجهلوه من امر

خالقهم و دينهم و انزل عليهم كتاباً..."(۱)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو عبث و بیکار نہیں خلق فرمایا اور نہ ہی خلق کرنے کے بعد اس نے مہمل و بے کار چھوڑا بلکہ ان سب کو اس نے اپنی قدرت سے خلق فرمایا، انہیں کان دیے، آنکھیں دیں اور دل و دماغ عطا فرمائے، پھر اس نے ان کے پاس انبیاءؑ کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیں اور اس کی نافرمانی سے منع کریں، اپنے خالق اور اپنے دین کے متعلق جو کچھ یہ لوگ نہیں جانتے وہ انہیں بتائیں اور ان انبیاء کے لیے کتاب نازل فرمائی...''۔

یہ مطالب اس جواب کا ایک حصہ ہیں جو امام زمانہؑ نے احمد ابن اسحاق کے خط کے جواب میں مرقوم فرمائے۔

۱۹۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:'' احيیٰ بهم دينه ،و اتم بهم نوره ،وجعل بينهم و بين اخوانهم وبني عمهم و الأدنين فالأدنين من ذوى ارحامهم فرقاناً بيناً يعرف به الحجة من المحجوج ،و الامام من الماموم ،بان عصمهم من الذنوب ،براهم من العيوب ، وطهّرهم من الدنس ، و نزههم من اللبس ،وجعلهم خزّان علمه ، و مستودع حكمته و موضع سره و ايدهم بالدلائل ، و لولا ذلک لكان الناس على سواء ، ولادعى امراللّه عزّوجلّ

۱۔الغیبۃ،طوسی،ص ۲۸۸،ح ۲۴۶۔احتجاج،ج ۲،ص ۲۸۰۔بحار الانوار،ج ۵۳،ص ۱۹۴،ح ۲۱۔

كل احد ،ولما عرف الحق من الباطل ، ولا العالم من الجاهل"(۱)

''اوصیائے (الٰہی) کے ذریعہ خداوند عالم اپنے دین کو زندہ رکھتا ہے، ان کے ذریعہ

اپنے نور کو مکمل طور پر نشر کرتا ہے، خداوند عالم نے ان کے اور ان کے (حقیقی) بھائیوں ، چچازاد (بھائیوں) اور دیگر رشتہ داروں کے درمیان فرق رکھا ہے کہ جس کے ذریعہ حجت اور غیر حجت نیز امام اور ماموم کے درمیان شناخت ہو جائے اور وہ واضح فرق یہ ہے کہ اوصیائے الٰہی کو خداوند عالم نے گناہوں سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو ہر عیب سے منزہ ، برائیوں سے پاک اور خطاؤں سے دور رکھا ہے، خداوند عالم نے ان کو علم و حکمت کا خزانہ دار اور اپنے اسرار کا رازدار قرار دیا ہے اور دلیلوں کے ذریعہ ان کی تائید کی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر لوگ ایک جیسے ہو جاتے ، اور کوئی بھی امامت کا دعویٰ کر بیٹھتا اس صورت میں حق و باطل اور عالم و جاہل میں تمیز نہ ہو پاتی"۔

یہ کلمات، منجملہ ان مطالب میں سے ہیں جو امام زمانہؑ نے احمد ابن اسحاق کے جواب نامہ میں تحریر فرمایا تھا۔

۲۰۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: "من کانت له الى الله حاجة فليغتسل ليلة الجمعة بعد نصف الليل و يأتي مصلاه" (۲)

"جو شخص بارگاہ الٰہی میں کوئی حاجت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ شب جمعہ نصف شب کے بعد غسل کرے اور خدا سے مناجات کے لیے اپنے مصلے پر آئے"۔

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۸۸، ح ۲۴۶۔ احتجاج، ج ۲، ص ۲۸۰۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۹۴، ۱۹۵، ح ۲۱۔
۲۔ مصباح، کفعمی، ص ۳۹۶۔

ابو عبداللہ حسین ابن محمد کا بیان ہے: حضرت امام زمانہؑ کی طرف سے ایک توقیع صادر ہوئی ، اسی میں یہ مرقوم تھا: جو خداوند متعال سے کوئی حاجت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ شب

جمعہ نصف شب کے بعد غسل انجام دے پھر اس وقت اپنے مصلے پر آئے اور دو رکعت نماز پڑھے اور جب ''ایاک نعبد و ایاک نستعین '' تک پہونچے تو سو مرتبہ اس آیت کی تکرار کرے، پھر سورۂ حمد تمام کرے اور ایک مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے۔ اس وقت رکوع و سجدے کو بجالائے اور ہر رکعت میں سات سات مرتبہ ذکر رکوع و سجود بجالائے، دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح بجالائے۔ نماز کے آخر میں اس دعا کو پڑھے جسے کفعمی نے المصباح کے چھتیسویں باب کی ابتدا میں نقل کیا ہے۔ دعا کے بعد سجدہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرے اس وقت اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔ جو شخص خواہ مرد یا عورت میں سے ایسا کرے گا اور دعا کو خلوص نیت کے ساتھ پڑھے گا اس کے لیے باب اجابت کھل جائے گا اور اس کی جو کچھ حاجت ہوگی پوری ہوگی، سوائے اس کے کہ حاجت قطع تعلق کے لیے ہو۔

۲۱۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: '' اقدار اللّٰہ عزّوجلّ لا تغالب و ارادته لا تردو توفیقه لا یسبق''(۱)

''جو چیزیں خداوند عالم نے مقدر فرمائی ہیں وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتیں، اور اس کا ارادہ کبھی رد نہیں ہوتا اور اس کی توفیق پر کوئی شئے سبقت نہیں حاصل کر سکتی''۔

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۵۱۱، ح ۴۲۔ الخرائج والجرائح، ج ۳، ص ۱۱۱۱۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۹۱، ح ۱۹۔

یہ عبارت، امام زمانہؑ کے ان کلمات کا حصہ ہے جو انہوں نے اپنے دو نائب، عثمان ابن سعید اور ان کے فرزند محمد ابن عثمان کے لیے ارسال کی تھی۔

۲۲۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں: ”اعوذ باللّٰہ من العمی بعد الجلاء ، ومن الضلالة بعد الهدی ، و من موبقات الاعمال و مردیات الفتن “(۱)

”بینائی کے بعد نابینائی سے، ہدایت کے بعد گمراہی سے اور خطرناک رفتار و کردار نیز نیست و نابود کرنے والے فتنہ و فساد سے خدا کی پناہ طلب کرتا ہوں“۔

یہ عبارت، اس توقیع کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہؑ نے اپنے پہلے اور دوسرے نائب عثمان ابن سعید عمری اور ان کے فرزند کے لیے ارسال کی تھی۔

۲۳۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں: ”ابی اللّٰہ عزّ و جلّ للحق الاّ اتماماً و للباطل الاّ زھوقاً“(۲)

”خداوند عالم کا یقینی ارادہ یہ ہے کہ (عنقریب یا تاخیر سے) حق کا سرانجام کامیابی ،اور باطل کا سرانجام نابودی ہو“۔

یہ عبارت، اس جواب کا ایک حصہ ہے جو حضرتؑ نے احمد ابن اسحاق اشعری قمی کے جواب نامہ میں مرقوم فرمائی تھی۔

۲۴۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں: ”قد آذانا جهلاء الشیعة و حمقاؤهم ، و من دینه جناح البعوضة ارجح منه “(۳)

۱۔کمال الدین، ج۲، ص۵۱۱، ح۴۲۔الخرائج والجرائح، ج۳، ص۱۱۱۰۔بحارالانوار، ج۵۳، ص۱۹۰، ۱۹۱، ح۱۹۔

۲۔الغیبة، طوسی، ص۲۸۷، ح۲۴۶۔احتجاج، ج۲، ص۲۷۹۔بحارالانوار، ج۵۳، ص۱۹۳، ح۲۱۔

۳۔احتجاج، ج۲، ص۲۸۹۔بحارالانوار، ج۲۵، ص۲۶۷، ح۹۔

”کم عقل اور نادان شیعہ اور جن کی دین داری سے مضبوط مچھر کے بال و پر ہوتے ہیں ،ہم کو اذیت اور تکلیف پہونچاتے ہیں“۔

یہ عبارت، اس توقیع کا حصہ ہے جو حضرت نے محمد ابن علی ابن ہلال کرخی کے جواب نامہ میں ارسال کی تھی۔

یہ توقیع غالیوں کے ایک گروہ کی رد میں صادر ہوئی ہے جو ائمہؑ کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں شریک ہونے کے معتقد ہیں۔

۲۵۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں:" اجعلوا قصدكم الينا بالمودة على السنة الواضحة ،فقد نصحت لكم والله شاهد على و عليكم "(۱)

''ہم (اہل بیت) سے اپنی محبت ودوستی کا مقصد احکام الٰہی کا نفاذ اور واضح سنت پر عمل کی بنیاد قرار دو، بے شک ہم نے ضروری سفارشوں اور لازم موعظہ کو انجام دیا ہے ،خداوند متعال ہم اور تم سب پر گواہ ہے''۔

ابن ابو غانم قزوینی اور شیعوں کی ایک جماعت کے درمیان امام حسن عسکریؑ کی جانشینی کے مسئلہ میں اختلاف ہوا، ابن ابو غانم کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ کسی شخص کو اپنے جانشین کے عنوان سے تعارف نہیں کرایا، لیکن شیعوں کی جماعت ان کے اس عقیدہ کی مخالفت کر رہی تھی اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ امام حسن عسکریؑ نے اپنا جانشین معین کیا ہے، لہذا ایک نامہ امام زمانہؑ کے پاس تحریر کیا اور اس واقعہ کو حضرت کے لیے بیان کیا۔ حضرت نے خود اپنی تحریر سے جواب نامہ میں ایسے مطالب مرقوم فرمائے کہ

۱۔الغیبۃ ،طوسی ،ص ۲۸۶ ،ح ۲۴۵۔احتجاج ،ج ۲،ص ۲۷۹۔بحار الانوار ،ج ۵۳ ،ص ۱۷۹ ،ح ۹۔

منجملہ ان میں سے مذکورہ حدیث بھی ہے۔

حضرتؑ اس نامہ کے آغاز میں تقویٰ و پرہیز گاری کا حکم دیتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں

ہمیں تسلیم کرو اور جو کچھ نہیں جانتے وہ ہماری طرف پلٹا دو، یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ حق و حقیقت کو بیان کریں...دائیں اور بائیں طرف منحرف نہ ہو، اور اپنی محبت و دوستی کو ہماری نسبت سے ہمارے احکام کی اطاعت کے ذریعہ جو وہی شریعت محمدی بھی ہے ثابت کرو اور اسے عملی جامہ پہناؤ۔

۲۵۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " علمنا علیٰ ثلاثة اوجه ماض و غابر و حادث ،اما الماضی فتفسیر ،و اما الغابر فموقوف ،واما الحادث فقذف فی القلوب ، و نقرفی الأسماع ،وهو افضل علمنا، ولا نبی بعد نبینا"(۱)

"ہم اہل بیت کا علم تین قسم کا ہوتا ہے: گزشتہ کا علم، آئندہ کا علم اور حادث کا علم۔ گزشتہ کا علم تفسیر ہوتا ہے، آئندہ کا علم، موقوف ہوتا ہے لیکن حادث کا علم وہ دلوں میں بھرا جاتا ہے اور کانوں میں زمزمہ ہوتا ہے علم کا یہ حصہ ہمارا بہترین علم ہے اور ہمارے پیغمبر کے بعد پھر کوئی دوسرا رسول نہیں آئے گا"۔

یہ عبارت امام زمانہؑ کے جواب کا وہ حصہ ہے جو علی ابن محمد سمری نے علم امام کے بارے میں سوال کیا تھا۔

۱۔ دلائل الامامة، ص ۵۲۴، ح ۴۹۵۔ مدینة المعاجز، ج ۸، ص ۱۰۵، ح ۲۷۲۰۔

۲۶۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " و امّا ما سألت عنه من امر الوقف علی ناحیتنا و ما یجعل لنا ثم یحتاج الیه صاحبه ،فکلّ ما لم یسلم

فصاحبه فيه بالخيار ، و كلّ ما سلّم فلا خيار فيه لصاحبه ، احتاج اليه صاحبه او لم يحتج"(۱)

''تم نے ہم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے کسی چیز کو ہمارے لیے وقف کردیا ہو لیکن بعد میں وہ خود اس چیز کا محتاج ہو گیا ہو؟ ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے جو چیز ہمارے لیے وقف کی ہے لیکن ابھی تک اس کو نہیں دیا ہے، تو وہ مختار ہے اور وقف سے صرف نظر کرسکتا ہے، لیکن اگر اس کو دے دیا ہے تو اس کا وقف قطعی ہو چکا ہے، جس کے بعد وہ اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے خواہ وہ اس کا محتاج ہو یا نہ ہو''۔

یہ عبارت اس توقیع کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہ نے ابوالحسین محمد ابن جعفر اسدی کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمائی تھی۔

۲۷۔امام مہدیؑ فرماتے ہیں: '' ولو ان اشياعنا . وفقهم الله لطاعته. على اجتماع من القلوب فى الوفاء بالعهد عليهم لما تأخر عنهم اليمن بلقائنا، و لتعجلت لهم السعادة بمشاهدتنا على حق المعرفة و صدقها منهم بنا، فما يحبسنا عنهم الاّ ما يتصل بنا ممّا نكرهه ولا نؤثره منهم ''(۲)

اگر ہمارے شیعہ (خدا ان کو اطاعت کی توفیق عطا فرمائے) اپنے عہد و پیمان کو پورا

۱۔کمال الدین، ج ۲، ص ۵۲۰، ح ۴۹۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۸۲، ح ۱۱۔
۲۔احتجاج، ج ۲، ص ۳۱۵۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۷، ح ۸۔

کرنے کی کوشش میں ہم دل ہوں تو پھر ہماری ملاقات میں تاخیر نہ ہوتی، اور ہمارے دیدار کی سعادت جلد ہی نصیب ہوتی، ایسا دیدار جو حقیقی معرفت اور ہماری بہ نسبت صداقت پر مبنی

ہو، ہمارے مخفی رہنے کی وجہ ہم تک پہنچنے والے اعمال کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے جب کہ ہمیں ان سے ایسے اعمال کی امید نہیں ہے۔

یہ فقرات، اس خط کا ایک حصہ ہیں جو حضرت امام زمانہؑ کی طرف سے شیخ مفیدؒ کے لیے ارسال کیا گیا تھا۔

۲۸۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " انّ الارض لا تخلو من حجة امّا ظاهراً و امّا مغموراً "(۱)

"یقیناً زمین کبھی بھی حجتِ خدا سے خالی نہیں رہے گی، خواہ وہ حجت ظاہر ہو یا پوشیدہ"۔

یہ کلام اس توقیع کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہؑ نے عثمان ابن سعید عمری اور ان کے فرزند کے لیے مرقوم فرمایا۔

۲۹۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " و العاقبة بجميل صنع الله سبحانه تكون حميدة لهم ما اجتنبوا المنهي عنه من الذنوب".(۲)

"جب تک ہمارے شیعہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے سرانجام بخیر ہوگا"۔

یہ حدیث اس خط کا ایک حصہ ہے جو امام زمانہؑ نے شیخ مفیدؒ کے لیے تحریر فرمایا۔

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۵۱۱، ح ۴۲۔ الخرائج والجرائح، ج ۳، ص ۱۱۱۰، ح ۲۶۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۹۱، ح ۱۹۔

۲۔ احتجاج، ج ۲، ص ۳۲۵۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۷، ح ۸۔

۳۰۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: " او ما رأيتم كيف جعل الله لكم معاقل تأوون اليها ،وأعلاماً تهتدون بها من لدن آدم عليه السلام "(۱)

''کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہارے لیے پناہ گاہیں قرار دی ہیں تاکہ ان میں پناہ حاصل کرو اور ایسی نشانیاں قرار دی ہیں جن کے ذریعہ ہدایت حاصل کرو (اور حضرت حق کا یہ لطف وکرم) حضرت آدمؑ کے زمانہ سے آج تک موجود ہے''۔

یہ عبارت، اس توقیع کا ایک حصہ ہے جو حضرتؑ کی طرف سے ابن ابو غانم قزوینی اور شیعوں کی ایک جماعت کے درمیان اختلاف کی وجہ سے صادر کی گئی تھی۔ ابن ابو غانم معتقد تھا کہ امام حسن عسکریؑ کے لیے کوئی جانشین نہیں ہے سلسلۂ امامت انہیں پر ختم ہو گیا ہے۔ شیعوں کے ایک گروہ نے حضرت مہدیؑ کے پاس خط تحریر کیا اور اس واقعہ کو بیان کیا۔ اس وقت حضرتؑ کی طرف سے ایک نامہ صادر ہوا کہ مذکورہ حدیث اسی کا ایک حصہ ہے۔

۳۱۔ امام مہدیؑ فرماتے ہیں: '' ملعون ملعون من أخر الغداة الیٰ ان تنقضی النجوم ''(۲)

''وہ شخص ملعون ہے ملعون ہے جو نماز صبح میں (جان بوجھ کر) اتنی تاخیر کرے کہ آسمان کے ستارے غائب ہو جائیں''۔

یہ حدیث بھی اس توقیع کا ایک حصہ ہے جو محمد ابن یعقوب کے سوال کے جواب میں حضرتؑ کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۸۶، ح ۲۴۵۔ احتجاج، ج ۲، ص ۴۷۸۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۹، ح ۹۔

۲۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۷۱، ح ۲۳۶۔ احتجاج، ج ۲، ص ۲۹۸۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۶، ح ۱۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۲۰۱، ح ۳۹۱۹۔

تیسرا حصّہ

غیبت کبریٰ

غیبت کبریٰ

زمانۂ غیبت کبریٰ کی خصوصیات

عصر غیبت کبریٰ ایسا زمانہ ہے جو غیبت صغریٰ کی انتہا کے ساتھ شروع ہوا ہے۔ ایسی انتہا جو امام زمانہؑ کے اعلان کے ذریعہ ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی۔ حضرتؑ نے علی ابن محمد سمری کے ایک نامہ میں نیابت کی انتہا اور غیبت کبریٰ کے آغاز کی خبر دی تھی۔

زمانۂ غیبت کبریٰ کے بعض شرائط اور خصوصیات ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ اس زمانہ میں مسلمان حضرات اپنے امام اور رہبر سے ظاہری طور پر جدا ہوئے ہیں اور انہیں نہیں دیکھتے یا اگر دیکھتے بھی ہیں تو انہیں نہیں پہچانتے۔ اور یہ تمام شیعوں کے لیے کلی حکم ہے، اگرچہ ممکن ہے بعض افراد کسی مصلحت کی بنا پر حضرتؑ کی ملاقات سے مشرف ہوں۔

۲۔ ظلم وستم کا زمین پر زیادہ ہونا بھی زمانۂ غیبت کبریٰ کے خصوصیات میں سے ہے۔ اور اس خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ اور عصر حکومت اسلامی کو پیغمبر اکرمؐ کی حیات طیبہ کے زمانہ کے درمیان امتیاز دیا جاتا ہے۔

۳۔ زمانہ غیبت کبریٰ میں امت اسلامی کے امتحان کے لیے الٰہی تاکید، اس لیے ہے کہ لوگ اس زمانہ میں، بہت زیادہ مشکلوں سے روبرو ہوں گے جیسے:

الف: فساد و فحشاء کا دنیا اور اسلامی معاشرہ میں زیادہ ہونا۔

ب: حق و ایمان قبول کرنے کی راہ میں مختلف قسم کے مشکلات اور سیاسی دباؤ کا پایا جانا۔

ج: امام زمانہؑ کے وجود میں انسان کا مختلف شبہات سے روبرو ہونا۔

نتیجے میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ائمہؑ نے اس اہم موضوع پر بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ ابن جعفرؑ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: " اذا فقد الخامس من ولد السابع ،فاللّٰہ اللّٰہ فی ادیانکم لا یزیلکم عنھا احد ، یا بنیّ! انّہ لا بدّ لصاحب ھذا الامر من غیبۃ حتیٰ یرجع عن ھذا الامر من کان یقول بہ ،انما ھی محنۃ من اللّٰہ عزّ و جل امتحن اللّٰہ بھا خلقہ ..." (۱)

"جب تمہارے ساتویں امام کا پانچواں فرزند پردۂ غیبت میں چلا جائے گا تو اللہ کے لیے! اپنے دین کا بہت خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص تمہارے دین سے تم کو ہٹا دے، اے میرے بیٹے! اس صاحب الامر کی غیبت یقینی ہے اور یہ غیبت ایسی ہوگی کہ جو شخص اس کا قائل ہوگا وہ بھی اس سے پھر جائے گا، درحقیقت یہ غیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہوگی اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لے گا"۔

۱۔ کافی، ج۱، ص۳۳۶، ح۲۔

حضرت مہدیؑ کے غیبت کی کیفیت

حضرتؑ کی غیبت کی کیفیت کے سلسلہ میں دو نظریہ پایا جاتا ہے:

۱۔ خود شخص کے مخفی ہونے کا نظریہ: یعنی یہ کہ حضرتؑ کا وجود لوگوں کے چشم دیدے مخفی ہے۔

اس نظریہ کی دلیل وہ روایات ہیں جو اہل بیتؑ کے طریقے سے ہم تک پہونچی ہیں۔

امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا: "لا یریٰ جسمہ ..." (۱) "ان کا جسم دکھائی نہیں دے گا..."۔

امام صادقؑ نے ارشاد فرمایا: "...الخامس من ولد السابع یغیب عنکم شخصہ..." (۲) "وہ ساتویں امام کے پانچویں فرزند ہوں گے جو جسمانی طور پر تم لوگوں کی نظروں سے غائب رہیں گے"۔

۲۔ عنوان کے مخفی ہونے کا نظریہ: اس معنی میں کہ لوگ انہیں دیکھیں گے لیکن مہدی موعود کے عنوان سے ان سے آشنائی حاصل نہیں کریں گے۔ اس نظریہ کی دلیل بھی محمد ابن عثمان عمری کی روایت ہے کہ فرمایا: "واللّٰہ انّ صاحب ھذا الامر لیحضر الموسم کلّ سنۃ فیری الناس و یعرفھم و یرونہ ولا یعرفونہ" (۳) "خدا کی قسم! حضرت صاحب الامرؑ ہر سال حج ادا کرنے کے لیے موسم حج میں تشریف لے جاتے ہیں، وہ لوگوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں اور لوگ ان کو دیکھتے ہیں مگر نہیں پہچانتے"۔

۱۔ کمال الدین، ص ۳۷۰۔ ۲۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۲۔

۳۔ کمال الدین، ص ۴۴۰۔

ظہور کے تاخیر کا سبب

اکثر حدیثیں جو حضرت مہدیؑ کے ظہور کے بعد کے لائحہ عمل کی طرف اشارہ کرتی ہیں وہ یوں ہیں کہ خداوند متعال حضرتؑ کے وسیلہ سے، دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح زمین ظلم وجور سے پُر ہو چکی ہوگی کہ یہ در حقیقت تشبیہ ہے نہ بعنوانِ شرطیّت و علیّت، یعنی ظلم وفساد ہی ظہور کی علت قرار پائے [ایسا نہیں ہے]۔

دوسری تعبیر کے مطابق: ظلم وفساد، ہدف نہیں ہے بلکہ آمادگیِ ظہور، ہدف ہے۔ برخلاف اس کے کہ جو بعض افراد تصور کرتے ہیں کہ جو کچھ عالمی مصلح کے تعجیلِ ظہور کے لیے لازم ہے زمین میں ظلم وفساد پایا جانا نہیں ہے، بلکہ صرف اس کی آمادگی وتشنگی لازم ہے۔

البتہ یہ بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ظلم وفساد کی کثرت آمادگی وتشنگی کی علتوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ جب دنیا کے لوگ بے جا امتیازات اور بے عدالتی کے تلخ اور برے مزہ کو چکھیں گے تو ناراض ہوں گے اور ایک اصلاحی راستہ اور عالمی مصلح کی تلاش میں پیش قدم ہوں گے۔

نتیجے کے طور کہنا چاہیے: ظہور کے لیے اصلی زمینہ فراہم کرنے کا مرکز، موجودہ دنیا کی حالت کی بے سروسامانی کے انجام کار سے آمادگی وآگاہی ہے، نہ یہ کہ ظلم وفساد پایا جانا ہی اصل ہدف ہے۔

نیابت عامہ کا مقصد

نیابت عامہ کا مقصد یہ ہے کہ امامؑ ایک مجموعی ضابطہ عطا کرتے ہیں تا کہ ہر زمانہ میں، ایک مشخص فرد کہ جس پر اس قاعدۂ کلیہ کی تمام جہتیں اور تمام پہلو منطبق ہوتے ہوں

نائب امام کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اور معاشرہ میں اس کا نمائندہ ہوتا ہے۔

اس بنا پر جن افراد کو زمانہ غیبت صغریٰ میں نیابت حاصل تھی وہ اپنے نام اور فریضہ کے ساتھ متعارف ہوئے تھے انہیں ''نائب خاص'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس باب میں موجودہ روایات کی بنیاد پر، نیابت عامہ کا مقام خود ائمہ علیہم السلام کے ذریعہ بالخصوص حضرت حجتؑ کے وسیلہ سے فقیہ جامع الشرائط کے سپرد کیا گیا ہے کہ منجملہ ان میں سے ان دونوں روایتوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ عمر ابن حنظلہ، امام جعفر صادقؑ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر ہم میں سے دو شیعوں کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو عام طور پر جو حاکم یا قضات حکام جور کی طرف سے منصوب ہوتے ہیں کیا وہ ان کی طرف اپنے مشکلات اور مسائل کے حل کے لیے رجوع کر سکتے ہیں؟

امامؑ نے جواب میں فرمایا: ان کی طرف رجوع کرنا حرام ہے، چونکہ ان کی طرف رجوع کرنا طاغوت و شیطان کی طرف رجوع کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے طاغوت کی طرف رجوع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس نے دوبارہ سوال کیا کہ پھر کیا کریں، اس لیے کہ مراجعہ نہ کرنے کی صورت میں ان کا حق ضائع ہو جائے گا؟

حضرتؑ نے واجد الشرائط علماء کے لیے ان معیاروں کو ذکر کر کے ان کا یوں تعارف کرایا:

''ینظران (الی) من کان منکم ممّن قد روی حدیثنا و نظر حلالنا و

حرامنا و عرف احکامنا فلیرضوا به حکما فانی قد جعلته علیکم حاکماً، فاذا حکم بحکمنا فلم یقبله منه فانّما استخفّ بحکم اللّٰه و علینا ردّ ، والرآدّ علینا الرآدّ علی اللّٰه و هو علی حدّ الشرک باللّٰه ..."(۱)

"وہ ایسے شخص کو دیکھیں جو ہماری حدیثوں کی روایت کرتا ہو، ہمارے حلال و حرام میں گہری نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام سے واقف ہو، تو اس کے حکم ماننے پر راضی ہو جاؤ اس لیے کہ میں نے ان کو تمہارے اوپر حاکم قرار دیا ہے۔ اگر وہ کوئی حکم دے اور اسے کوئی شخص قبول نہ کرے تو اس نے خداوند عالم کے حکم کو حقیر سمجھا اور ہماری بات اور ہمارا حکم ٹھکرا دیا اور جس نے ہمارے حکم سے سرکشی کی تو اس نے خدا سے سرکشی کی اور خدا سے سرکشی کرنا شرک و کفر ہے...."

۲۔ اسحاق بن یعقوب بعض مسائل بیان کر کے اس کا جواب حضرت مہدیؑ سے طلب کرتے ہیں۔

امامؑ اس توقیع میں جو اس خط کے ذیل میں اپنے دوسرے نائب محمد ابن عثمان عمری کے ذریعہ ارسال کیا، منجملہ ان مسائل میں سے کہ جس میں اس بات کا اشارہ کیا یہ ہے:

"...امّا الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الیٰ روّاة حدیثنا فانّهم حجّتی علیکم وانا حجة اللّٰه علیهم ..."(۲) "...لیکن ہر زمانے میں پیش آنے والے حوادث اور واقعات میں ہماری احادیث بیان کرنے والے راویوں کی طرف رجوع کرو ،کیونکہ وہ تم لوگوں پر ہماری حجت ہیں اور میں ان لوگوں پر خدا کی حجت ہوں..."۔

۱۔ اصول کافی، ج۱، ص۶۷، ح۱۰۔ ۲۔ کمال الدین، ص۴۸۴۔ الغیبۃ طوسی، ص۱۷۷۔

لوگوں کو امام زمانہؑ کی طرف جذب کرنے کا طریقہ

لوگوں کو جذب کرنا اور ان کا امام زمانہؑ کی طرف رجحان پیدا کرنا حضرتؑ کی معرفت پر موقوف ہے، اس لیے کہ جس شخص کے لیے اگر ایک چیز مجہول و ناشناختہ ہو اور اس کا اسے علم نہ ہو تو وہ توجہ نہیں کر سکتا۔ لہذا اہم پر لازم ہے کہ امام زمانہؑ کو عام لوگوں کو پہچنوائیں کہ ان کے زمانہ کی خصوصیات کیا ہیں؟ اور زمانہ ظہور میں انسان کی کیا کیا برکتیں شامل حال ہوں گی؟ اور کس طرح سے ظلم اور بے عدالتی معاشرہ کے تمام مراحل میں حضرتؑ کے ظہور کے ساتھ رخت سفر باندھ چکا ہوگا اور کس طرح سے حضرتؑ کے ظہور کے ساتھ بشر ظلمتوں سے نور کی طرف پہنچ جائے گا۔

اگر چہ عصر غیبت میں بھی ہم سورج بادلوں کی اوٹ میں رہنے کی طرح حضرتؑ کی ذات سے مستفیض ہوتے ہیں مگر این کجا و آن کجا؟ لوگ ان مسائل کو سنتے ہی امام زمانہؑ کی طرف متوجہ ہوں گے اور حضرتؑ کی طرف رجحان پیدا کریں گے۔

حضرت مہدیؑ تک پہونچنے کا راستہ

انسان دو طریقوں سے حضرتؑ کی ملاقات کا شرف حاصل کر سکتا ہے:

۱۔ روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ سے، اس لیے کہ انسان اس راہ سے، اخلاقی برائیوں کو خود سے دور کر کے، احکام شریعت پر عمل کر کے ایک ایسے درجہ پر فائز ہوگا کہ حضرتؑ سے شرف ملاقات کی صلاحیت حاصل کر لے گا۔

۲۔ بعض وہ احکام جو بعض روایات میں اشارتاً وارد ہوئے ہیں ان پر عمل کرنے کے طریقہ سے، منجملہ ان میں سے یہ ہے کہ جو شخص چالیس شب چالیس ہفتہ کی مدت تک

[کوفہ میں] مسجد سہلہ جائے اور حضور قلب کے ساتھ حضرتؑ کی طرف توجہ پیدا کرے، اللہ تعالیٰ سے حضرتؑ کے دیدار کا طالب ہو تو اسے حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے گا۔

قائم نام کے احترام میں کھڑے ہونا

حاجی نوری رقم طراز ہیں: ایک خبر میں امام صادقؑ سے منقول ہے: ایک دن امام صادقؑ کی مجلس میں حضرت مہدیؑ کا نام لیا گیا، امام صادقؑ احترام و تعظیم کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔(۱)

نیز روایت میں ذکر ہوا ہے کہ جب دعبل خزاعی نے حضرت مہدیؑ کے متعلق امام رضاؑ کے پاس چند بیت پڑھے، تو حضرتؑ اپنی جگہ سے احتراماً کھڑے ہو گئے....(۲)

مرزا نوری کہتے ہیں: ایک مجلس جس میں امام رضاؑ بھی تشریف فرما تھے جب حضرت حجۃ ابن الحسنؑ کا نام گرامی لیا گیا تو حضرتؑ اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور اپنے دونوں دست مبارک کو سر پر رکھ کر فرمایا: "اللهم عجّل فرجه و سهّل مخرجه"(۳)

امام صادقؑ سے سوال کیا گیا: کیوں امام زمانہؑ کا نام سنتے ہی اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں؟ حضرتؑ نے فرمایا: چونکہ حضرت مہدیؑ کی غیبت طولانی ہے۔ اور امامؑ کا اپنے دوستوں سے شدید محبت رکھنے کی بنا پر جس زمانہ میں جو شخص انہیں یاد کرے گا اس کی طرف

۱۔ نجم الثاقب، ص۴۴۳۔
۲۔ منتخب الاثر، ص۵۰۵۔
۳۔ منتخب الاثر، ص۵۰۵۔

نگاہ کرم فرمائیں گے اور بہتر یہ ہے کہ یاد کرنے والا اپنی جگہ احتراماً کھڑا ہو جائے۔ اس وقت امامؑ ان کی طرف مہر و محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں، لہٰذا اپنی جگہ کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے تعجیل فرج کی دعا کرے۔(۱)

مہدویت نوعی اور شخصی

کبھی مہدویت کی تعبیروں میں شخصی اور نوعی کی صفت سے استفادہ کیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: اہل سنت مہدویت نوعی کے قائل ہیں اور شیعۂ امامی مہدویت شخصی کے، ان دونوں کا مقصد کیا ہے؟

شیعہ مہدویت شخصی کے قائل ہیں، یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مہدی موعودؑ ایک معین شخص ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور اب تک زندہ ہیں اور آئندہ ظہور فرمائیں گے، اور وہ ذات صرف امام حسن عسکریؑ کے فرزند کی ہے۔

لیکن اہل سنت مہدویت نوعی کے قائل ہیں یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مہدی نامی شخص اولادِ پیغمبر اکرمؐ میں سے پیدا ہوگا اور ظہور کرے گا۔ وہ وہی ہے جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی، اگر چہ خارجی وجود نہیں پایا جاتا۔

مہدی نوعی اور شخصی کی تعبیر دوسری جگہ بھی استعمال ہوتی ہے جو عرفاء کے نزدیک رائج ہے۔

۱۔ منتخب الاثر، ص ۵۰۵۔

بعض عرفاء اہل سنت جیسے مولوی کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک مہدی موجود ہونا چاہیے اب وہ خواہ نسل علیؑ سے ہو خواہ نسل عمر سے۔

مہدی سے ان لوگوں کا مقصد، وہی قطب عالم امکان ہے، لیکن شیعہ قائل ہیں کہ ہر زمانہ میں امام معصوم موجود ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس کے بغیر زمین مضطرب ہو جائے گی۔

شیخ مفیدؒ کے لیے دو توقیع

شیخ طبرسیؒ کتاب ''الاحتجاج'' میں وہ دو خط جو حضرت مہدیؑ کی جانب سے شیخ مفیدؒ کے لیے ارسال کیے گئے نقل کیا ہے۔ ان دونوں خطوط میں بعض صحیح اور عالی مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، نیز بعض مسائل کی طرف اشارتاً خبر دی گئی ہے۔(۱)

پہلا خط ماہ صفر ۴۱۰ھ کے اواخر میں شیخ مفیدؒ کی وفات کے تین سال قبل انہیں موصول ہوا ہے۔ اور دوسرا خط ۴۱۲ھ یعنی شیخ کی وفات سے ایک سال قبل موصول ہوا ہے۔ اور یہ خط حقیقت میں شیخ علی ابن محمد سمری چوتھے نائب کی وفات کے اسّی سال بعد کا ہے جو غیبت صغریٰ کی انتہا اور غیبت کبریٰ ۳۲۹ھ کے آغاز کا زمانہ ہے۔

پہلا خط بھیجنے والے کا قول ہے: اس نامہ کو ایسے علاقہ سے لایا گیا ہے جو سرزمین حجاز سے متصل ہے۔ اس کلام سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ امام اس وقت حجاز کے اطراف میں ساکن تھے، اور اس مبارک خط کو اپنے بعض خاص شیعہ کے ذریعہ شیخ مفیدؒ کے لیے ارسال کیا۔

۱۔ احتجاج، ج ۲، ص ۵۹۷، ۶۰۲۔

دوسرا خط بھی اوائل ماہ شوال ۴۱۲ھ میں حضرتؑ کی جانب سے شیخ مفید کے لیے بھیجا گیا ،اور پنجشنبہ ۲۳ ذی الحجہ کے دن اسی سال شیخ مفید کے پاس پہنچا ہے۔یعنی سات دن کم تین مہینہ تک راستہ میں قاصد کے ہاتھ میں تھا۔

دونوں خطاب حضرت مہدیؑ کے املاء اور حضرت کے نزدیک بعض قابل اعتماد واطمینان افراد کے خط سے تحریر کیا گیا تھا جیسا کہ پہلے نامہ کی ظاہری عبارات سے اور دوسرے نامہ کی نص سے استفادہ ہوتا ہے۔اور دونوں خط کے آخر میں چند سطریں امام کی تحریر سے مزین ہیں جو نامہ کے صحیح ہونے کی گواہ ہیں۔امام اس خط کے کلمات میں شیخ مفید کو حکم دیتے ہیں کہ اس خط کو ہر ایک سے مخفی رکھیں ،لیکن اس کا ایک نسخہ لے کر اپنے موثق اصحاب کو مطلع کریں یا شفاہی طور پر انہیں اطلاع دیں۔(۱)

دونوں توقیع کی سند

ان دونوں توقیع کی سند کو چند جہات سے مورد توجہ قرار دیں اور اس کے معتبر ہونے کے لیے فکر کرنی چاہیے،اگر چہ شیخ طبرسی جو ان دونوں توقیع کے تنہا ناقل ہیں انہوں نے اسے بطور مرسل اور بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

ا۔طبرسیؒ نے ان دونوں روایتوں کو مسلمات میں سے شمار کیا ہے کہ خود یہی ان کے نزدیک سند کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔اور ممکن ہے کہ طبرسیؒ نے ان دونوں توقیع کے واضح ومشہور ہونے کی بنا پر ان کی اسناد حذف کردی ہوں، جیسا کہ انہوں نے بہت سی روایات کی سند کو حذف کیا ہے۔

ا۔تاریخ الغیبۃ الکبریٰ، ص ۱۴۰، ۱۴۱۔

۲۔ وہ عالی مضامین جو ان دونوں روایتوں میں ذکر ہوئے ہیں نیز سچی خبروں کی ان دونوں روایتوں میں اشارہ ہونا ہی منجملہ ان دونوں توقیع کی صداقت کے شواہد میں شمار کیا جا سکتا ہے اور ان کا انتساب بھی حضرت مہدیؑ کی طرف ہے۔

وہ بات جو ان دونوں توقیع پر زیادہ اطمینان کا موجب ہے وہ یہ کہ محدث بحرانی شیخ مفیدؒ کے مرثیہ میں جو اشعار امام زمانہؑ کی طرف منسوب ہیں اور ان کی قبر پر تحریر کیے گئے ہیں ان کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ اشعار امام زمانہؑ کی طرف سے شیخ مفیدؒ کی ذات کی بہ نسبت صادر ہونا بعید نہیں ہے، اس کے علاوہ وہ توقیعات جو حضرتؑ کی طرف سے شیخ کے لیے ارسال کی گئیں، وہ ایسی توقیعات ہیں کہ جو ان کے لئے بہت زیادہ تعظیم و تکریم پر مشتمل تھیں...''۔

اس وقت فرماتے ہیں: ''شیخ یحییٰ ابن بطریق حلّی، رسالة نهج العلوم الی نفی المعدوم'' میں جو ''سوال اہل حلب'' کے نام سے مشہور ہے شیخ مفید کے تقویٰ و تزکیۂ نفس کے سلسلہ میں دو طریقہ ذکر کیا ہے:

الف۔ ان کا ائمہ طاہرینؑ سے صحیح طور پر نقل کرنا، جیسا کہ ان کی کتاب مقنعہ، دیگر تصانیف اور کتب میں ذکر ہوا ہے۔

ب۔ جو کچھ عام شیعوں نے روایت نقل کی ہے اسے تسلیم کیا ہے کہ صاحب الامرؑ نے انہیں دو خط تحریر فرمائے ہیں۔ اس طرح سے کہ ہر سال میں ایک نامہ، اور نامہ کا عنوان، ''للاخ السدید...'' ہے، اور یہ عظیم ترین تعبیر ہے، جو شیخ مفیدؒ کی مدح و ثنا اور تزکیۂ نفس کے لیے ائمہؑ کے جانشین اور امام امت کے قول میں ملتا ہے۔

ابن بطریق کا کلام دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں توقیع موردِ اجماع ہیں۔ نیز مقدمۂ "احتجاج" میں طبرسیؒ کے قول سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں توقیع ان احادیث کی قسم میں سے ہے جن پر علماء کا اجماع و اتفاق تھا لہٰذا ان دونوں کی سند ذکر نہیں کی ہے۔

ابن شہر آشوب "معالم العلماء" میں شیخ مفیدؒ کے حالاتِ زندگی میں تحریر فرماتے ہیں: "صاحب الزمان نے انہیں شیخ مفید کے نام سے یاد کیا ہے..."(۱) ظاہراً ان کی مراد وہی تعبیر ہے جو حضرت کی توقیع میں شیخ مفیدؒ کے لیے فرمائی ہے: "للأخ السدید، الولیّ الرشید، الشیخ المفید..."۔

۳۔ طبرسی کتاب "الاحتجاج" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: "اکثر روایات کو اس کی سند کے بغیر ذکر کر رہا ہوں اور وہ اس لیے کہ یا اس روایت پر اجماع موجود ہے یا اس جہت سے کہ وہ موافق و مخالف کی کتب و سیر میں دلیل عقل یا شہرت کے موافق ہے..."۔(۲)

یہ دونوں توقیع بھی ان تین احتمال سے خالی نہیں ہیں۔

۴۔ اوائل زمانہ غیبت کبریٰ میں عمومی مصلحت اور تقاضے بھی اس قسم کے نامے اور توقیعات صادر ہونے کے لئے موجود تھے۔

پہلے یہ کہ حضرتؑ ان خطوط کے ذریعہ اپنے شیعوں کی جماعت کے لیے ضروری احکام پہچانا چاہتے تھے۔

دوسرے یہ کہ اس قسم کے خطوط شیخ مفیدؒ جیسے صالح علماء کے ہاتھوں ارسال کرکے ان کی سرپرستی اور ریاست کو استحکام بخشا، لوگوں کو زمانہ غیبت کبریٰ میں ان کی اطاعت کی ترغیب

۱۔ معالم العلماء، ص ۱۱۳، شمارہ ۷۶۵۔ ۲۔ مقدمۂ احتجاج، ص ۱۴۔

دلائیں۔ جیسا کہ اپنے نامہ میں ابن بابویہ کو خطاب فرمایا: "یا شیخی یا ابوالحسن!"۔

گزشتہ انبیاء میں غیبت کی سنّت

لوگوں کے درمیان سے حجت خدا کا دوری اور غیبت اختیار کرنا کوئی جدید امر نہیں ہے جو اس امت میں وہ بھی پیغمبر خاتم کے آخری وصی کے متعلق متحقق ہوئی ہو، بلکہ یہ سنت الٰہی رہی ہے حتیٰ انبیاء کے درمیان بھی یہ [غیبت کی سنّت] موجود تھی۔ اب ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کریں گے:

ا۔ حضرت ادریسؑ

بعض روایات کے مطابق، ادریسؑ پیغمبر اس جہت سے کہ ان کے اور ان کے ہم عصر ظالم بادشاہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا بیس سال تک اپنی امت سے غائب تھے، غاروں اور پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ان کے لیے مامور کیا تھا تا کہ غروبِ آفتاب کے وقت ان کی افطاری حاضر کر دیا کرے..."۔(۱)

۲۔ حضرت صالحؑ

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "انّ صالحاً علیہ السلام غاب عن قومہ زمانا و کان یوم غاب عنھم کھلا... فلمّا رجع الی قومہ لم یعرفوہ بصورتہ..." (۲) "یقیناً صالحؑ ایک

۱۔ کمال الدین، ج ۱، ص ۱۳۰۔ سعد السعود، ص ۱۲۵۔

۲۔ کمال الدین، ص ۱۳۶، ۱۳۷۔

مدت تک اپنی قوم سے غائب تھے۔ غیبت کے وقت ضعیف العمر تھے ...اور جب اپنی قوم والوں کی طرف واپس آئے تو کوئی شخص ان کو چہرہ سے نہیں پہچان سکا...''۔

۳۔ حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ بھی روایات کے نقل کی بنا پر اپنی ولادت کی ابتداء سے ایک طویل مدت تک مخفی تھے اور اپنے امر کو پوشیدہ رکھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رسالت کے لیے مامور فرمایا۔(۱)

۴۔ حضرت موسیٰؑ

شیخ صدوقؒ نقل فرماتے ہیں: ''...حضرت موسیٰؑ شہر مصر سے مدائن کی طرف فرار کر گئے، وہاں حضرت شعیبؑ کے پاس کافی دنوں تک مقیم تھے...''(۲)

۵۔ حضرت شعیبؑ

علامہ مجلسیؒ نے اپنی سند سے امام علیؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ان شعیبا النبی علیہ السلام دعا قومہ الی اللّٰہ حتیٰ کبر سنّہ، و دق عظمہ، ثم غاب عنھم ما شاء اللّٰہ، ثم عاد الیھم شاباً'' (۳) ''شعیبؑ نبی نے اپنی قوم والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اتنی زیادہ دعوت دی کہ وہ بوڑھے ہو گئے اور ان کی ہڈیاں ضعیف ہو گئیں۔ اور اس وقت تک لوگوں کی نظروں سے غائب رہے جب تک مشیت الٰہی تھی اور پھر ان کی طرف جوانی کی حالت میں واپس آئے...''۔

۱۔ کمال الدین، ج۱، ص۱۳۸۔ ۲۔ کمال الدین، ج۱، ص۱۴۵۔

۳۔ بحار الانوار، ج۱۲، ص۳۸۵، ح۱۰۔

۶۔ حضرت الیاسؑ

قطب راوندیؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت الیاسؑ اپنی قوم والوں سے سات سال تک غائب تھے، اس مدت میں صحراؤں اور بیابانوں میں مخفی تھے۔(۱)

۷۔ حضرت دانیالؑ نبی

شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں: ''دانیال نبی نوے سال اپنی قوم سے غائب اور بخت النصر (بادشاہ) کے ہاتھوں اسیر تھے اور ان کے تمام پیروکار اور چاہنے والے اس مدت میں ان کے منتظر تھے''۔(۲)

۸۔ حضرت عیسیٰؑ

حضرت عیسیٰؑ دو قسم کی غیبت کے حامل تھے: ایک غیبت بارہ سال کی مدت میں سرزمین شام اور مصر میں اور دوسری غیبت جب انہیں سولی پر لٹکانا چاہتے تھے تو اس وقت سے اب تک دو ہزار سال سے زائد عمر گزر چکی ہے اور اب تک وہ زندہ ہیں۔ آپ حضرت مہدیؑ کے ظہور کے وقت ان کی عالمی عادلانہ حکومت کی تشکیل کے لیے مدد کریں گے۔

امام زمانہؑ کے شرفِ حضور سے محرومیت

ممکن ہے بعض یہ کہیں: کون سے اعتراض کی بات تھی اگر حضرتؑ لوگوں کے درمیان ہوتے اور ان کے وجودِ ذی جود سے استفادہ کیا جاتا اور وہ مناسب وقت میں قیام فرماتے؟

۱۔ قصص راوندی، ص ۲۴۸۔

۲۔ کمال الدین، ج ۱، ص ۳۸۵، ح ۱۰۔

جواب: پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ نے بارہا لوگوں کے گوش گزر کیا تھا کہ ظلم وستم کی حکومت حضرت مہدیؑ کے ہاتھوں ختم ہوگی۔ اس وجہ سے حضرتؑ کا وجود دو گروہ کے لیے توجہ کا مرکز بنا رہا:

الف۔ دنیا میں مظلوموں کی کثیر تعداد تھی۔ وہ لوگ اپنے ظلم کی شکایت بیان کرنے اور حمایت و ہمدردی کی امید میں امامؑ کے اطراف میں جمع ہو جاتے تھے اور ان سے قیام اور دفاع کا تقاضا کرتے تھے، لہذا ہمیشہ حضرتؑ کے اطراف میں ایک کثیر تعداد احاطہ کیے ہوتی تھی۔ جب کہ ابھی بنیادی شرائط فراہم نہیں ہوئے تھے۔

ب۔ جھوٹے اور خونخوار ظالم افراد جو مظلوم قوموں پر غلبہ پا چکے تھے اور اپنے ذاتی مفاد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی کام کو فروگزار نہیں کرتے تھے اور اپنی تمام ذاتی حرص و طمع کے لیے تمام لوگوں کو فدا کرنے پر آمادہ تھے۔

نتیجہ میں یہ گروہ چونکہ حضرتؑ کے وجود کو اپنے لیے سدّ راہ اور مانع سمجھتا تھا لہذا حضرتؑ کی نابودی کے درپے تھے۔

زمانۂ ظہور میں حضرتؑ کی حفاظت

بعض افراد کہتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ حضرت مہدیؑ کی حفاظت غیبت کے بغیر نہیں کرسکتا تھا؟

ہم اس سوال کے جواب میں کہیں گے:

سب سے پہلے یہ کہ: اعجاز، نظام طبیعت وتکوین میں اصل قاعدہ کے برخلاف ہے، مگر یہ کہ کسی خاص ضرورت کا تقاضا رہا ہو اور حضرت مہدیؑ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسی

سے متعلق ہوا کہ حضرتؑ کی حفاظت غیبت کے طریقہ سے ہو۔

دوسرے یہ کہ: مصالح و مفاسد اور مقدرات الٰہی، الٰہی واقعیتوں کے اتباع میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی امت کے لیے گیارہ امام معصوم کو ان کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا، لیکن ان میں سے ہر ایک کو لوگوں نے یکے بعد دیگرے درجۂ شہادت پر فائز کیا اس برے رویے اور کارنامے کو جو ان لوگوں نے اپنی طرف سے پیش کیا تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت اس سے متعلق ہوگئی کہ بارہویں امام کو ایک مدت تک غیبت کے پس پردہ قرار دے تا کہ لوگ غیبت میں امامؑ کی ذات سے محرومیت کا احساس کریں اور حضرتؑ کے ظہور کے وقت ان کی قدر و منزلت کو پہچانیں۔

تیسرے یہ کہ: آیات و روایات کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی یقینی سنتوں میں سے ایک مسئلہ امتوں کے امتحان کا ہے۔ اسلامی امت بھی اس قانون سے مستثنیٰ و جدا نہیں ہے۔ اور ہر ایک امت کا کسی نہ کسی طرح امتحان لیا جائے گا۔ اس زمانہ میں اسلامی امت کا امتحان ان کے امام زمانہؑ کی غیبت کے ذریعہ لیا گیا ہے کہ کیا اس حالت میں یہ لوگ اپنے دین و مذہب پر استقامت (محکم یقین و ارادہ) رکھتے ہیں یا نہیں؟

حکام جور کے ساتھ بیعت نہ کرنا

جو افراد مسئلہ مہدویت سے آشنائی رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت کا لائحۂ عمل دوسرے ائمہ کے پروگرام سے بنیادی تفاوت رکھتا ہے۔ دوسرے ائمہ اس بات پر مامور تھے کہ دین کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے حد امکان میں کوشش کریں، لیکن جنگ کے لیے مامور نہیں تھے لہذا وہ لوگ ایک قسم کا عہد و پیمان جیسے عدم مداخلت یا صلح اپنے زمانہ کے

حکام سے کیے ہوئے تھے۔ مگر حضرت مہدیؑ کی سیرت طیبہ ابتداء امر ہی سے دوسرے ائمہ کی روش سے تفاوت رکھتی ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ حضرت صرف ظہور کے ہوتے ہی ظالموں سے مقابلہ کریں گے اور ظلم و بے عدالتی کو معاشرہ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور اس کی جگہ عدل و انصاف قائم کریں گے۔ لہذا ان کے ذمہ کسی کی بیعت نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ ہر آن ہر لحظہ ظہور کا احتمال پایا جاتا ہے۔

امام صادقؑ نے ارشاد فرمایا: "صاحب هذا الامر تغيب ولادته عن هذا الخلق لئلاّ يكون لأحد في عنقه بيعة اذا خرج، و يصلح الله عزّ وجلّ أمره في ليلة"(۱)

"حضرت صاحب الامر کی ولادت ان مخلوقات سے مخفی ہوگی تا کہ جب وہ ظہور کریں تو ان کی گردن پر کسی کی بیعت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ان کے امر کی ایک رات میں اصلاح کر دے گا۔"

اس کے علاوہ، چونکہ ظالمین نے ہر لحظہ حضرتؑ کے قیام کا احتمال دیتے ہوئے اپنے ذاتی منافع کو خطرے میں دیکھا، اور حضرتؑ کے ساتھ اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان سے مطمئن نہیں ہوئے لہذا ان کے قتل کے علاوہ اپنے لیے کوئی راہ تدبیر نہیں دیکھتے تھے۔

حضرت زہراؑ کا نمونہ عمل ہونا

امام زمانہؑ اس توقیع میں جو اپنے مبارک خط سے اپنے شیعوں کے لئے گمراہی و فساد سے عافیت کی دعا کے بعد اور ان کے لئے روح یقین اور انجام کار بخیر ہونے کی درخواست کے ساتھ چند امور کی یاددہانی کے بعد فرماتے ہیں: "وفي ابنة رسول اللّهؐ لي اسوة حسنة" (۲) دختر رسول خدا میرے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۹۶۔ ۲۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۸۶، ح ۲۴۵۔

اس بات میں کہ حضرت مہدیؑ نے اپنے لیے کس رفتار و گفتار میں حضرت فاطمہؑ کو سرمشق اور نمونۂ عمل قرار دیا ہے، اس کے لیے بہت سے احتمالات بیان ہوئے ہیں کہ ہم ان میں سے یہاں تین احتمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ حضرت زہراؑ نے اپنی مبارک عمر کے اختتام تک کسی ظالم حاکم کی بیعت نہیں کی۔ حضرت مہدیؑ بھی اپنی گردن پر کسی ظالم حکمران کی بیعت نہیں رکھتے ہوں گے۔

۲۔ اس مبارک خط کے صادر ہونے کا منشا یہ ہے کہ بعض شیعہ افراد نے ان کی امامت کو قبول نہیں کیا۔ حضرت نے ان کے اس رویے کے جواب میں فرمایا: "اگر میں چاہتا اور مجھے اس کی اجازت حاصل ہوتی تو میں ایسا کرتا کہ تم پر اس طرح حق آشکار ہو جاتا کہ تمہارے لیے کوئی شک و شبہ باقی نہ رہتا، لیکن میری پیشوا حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔ انہوں نے حضرت علیؑ کے حق حکومت کو سلب ہوتا ہوا دیکھ کر بھی، کبھی کسی موقع پر حق خلافت کو واپس لینے کے لیے غیر عادی (اعجاز) اسباب و وسائل سے استفادہ نہیں کیا، میں بھی انہیں کی پیروی کرتا ہوں اور اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے اس مدت میں غیر عادی طریقوں پر نہیں چلوں گا"۔

۳۔ حضرتؑ نے نامہ کے جواب میں فرمایا ہے: "جو مظالم میں نے دیکھے ہیں اگر اس کے سبب تمہاری ہدایت و نصرت کا شوق اور تعلق نہ ہوتا، تو میں تم لوگوں سے روگرداں ہو جاتا"۔ امامؑ حضرت زہراؑ کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمانا چاہتے ہیں: جس طرح حضرت زہراؑ کے تمام دشمن ان پر آزار و اذیت روا رکھنے کے باوجود اور وہ سکوت جو مسلمانوں نے اپنا رکھا تھا، ان میں سے کچھ بھی اس بات کا باعث نہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کے حق میں دعا کرنے سے

دست بردار ہو جاتیں، بلکہ دوسروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھتی تھیں، میں بھی ان مظالم اور منکرین کے انکار کو تحمل کروں گا اور تمہاری ہمدردی و رہنمائی اور تمہارے لیے دعا وغیرہ کرنے سے بلکہ کسی شئے سے بھی فروگزار نہیں کروں گا۔

تعجیل فرج کے لیے دعا کی تاثیر

امام زمانہؑ اسحاق ابن یعقوب کے سوالات کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "اکثروا الدعاء بتعجیل الفرج، فانّ ذلک فرجکم "(۱)

"تعجیل فرج کے لیے کثرت سے دعا کرو کیونکہ اسی میں تمہاری آسائش ہے۔"

ہم جانتے ہیں کہ شیعوں کی تمام مصیبتوں اور آزمائشوں سے کشائش و آسائش، حضرت مہدیؑ کے ظہور کے سایۂ عاطفت میں محقق ہوگی اور جب تک حضرت غیبت میں زندگی بسر کر رہے ہیں شیعہ، حکام ظلم و جور کے تجاوز اور ظلم و فشار کے ماتحت ہوں گے۔ اس حدیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت مہدیؑ کے ظہور کا زمانہ "بداء" سے متعلق واقع ہوگا، یعنی تقدیم و تاخیر کے قابل ہے اور حضرتؑ کے منجملہ تعجیل فرج کے عوامل میں سے ایک عامل دعا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دعا قلبی درخواست اور اس کے محقق ہونے کا زمینہ فراہم کیے بغیر موثر واقع نہ ہوگی۔ انسان کو زبان اور دل سے دعا کرنی چاہیۓ، اور عمل سے بھی اپنی حاجت کے پورا ہونے کے لئے زمینہ فراہم کرنا چاہیے۔

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۴۸۵، ح ۴۔

بلا کے برطرف ہونے میں امام زمانہؑ کے وجود کی برکت

امام زمانہؑ شیخ مفیدؒ کے لیے ارسال کی گئی اپنی توقیع میں ارشاد فرماتے ہیں:

" انا غیر مھملین لمراعاتکم، و لا ناسین لذکرکم ،ولولا ذلک لنزل بکم الأوآء و اصطلمکم الاعداء " (۱)''ہم تمہاری سرپرستی اور دیکھ بھال میں کوتاہی نہیں کرتے اور نہ ہی تم لوگوں کو فراموش کرتے ہیں اور اگر ہم ایسا نہ کرتے تو یقیناً تم پر مصیبتیں نازل ہو جاتیں اور دشمن تمہیں جڑ سے ختم کر دیتے''۔

شیعہ حق و حقیقت کی پیروی کرنے کی جہت سے ہمیشہ دشمنوں ،مخالفوں اور حکام جور کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے،لہٰذا وہ کسی ایسی ذات کے محتاج ہیں جو انہیں ان کی سختیوں اور مصیبتوں میں نصرت کرے اور انہیں نابود ہونے سے نجات دے۔حضرتؑ اس توقیع میں اپنے شیعوں کو اس بات کی بشارت دیتے ہیں کہ میں غیبت کے باوجود،تمہاری حمایت و نصرت کروں گا اور کبھی بھی حق و حقیقت کے دشمنوں کے لائحہ عمل کو بار آور نہیں ہونے دوں گا کہ مذہب شیعہ فنا ہو جائے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:" انا خاتم الاوصیاء ،و بي یدفع اللّٰہ عزّوجلّ البلاء عن اھلی و شیعتی " (۲)''میں خاتم الاوصیاء ہوں،میرے وسیلے سے اللہ تعالیٰ میرے اہل وعیال اور شیعوں سے بلا کو دور کرتا ہے''۔

۱۔احتجاج،ج ۲،ص ۳۲۳۔

۲۔کمال الدین،ج ۲،ص ۴۴۱،ح ۱۲۔

منکرِ امام زمانہؑ کا حکم

امام زمانہؑ اسحاق ابن یعقوب کے سوالات کے دیے گئے جوابات کے ایک حصہ میں فرماتے ہیں: "لیس بین اللہ عزّوجلّ و بین احد قرابة، و من انکرنی فلیس منّی وسبیله سبیل ابن نوح" (۱) "خداوندعالم کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے، جو میرا انکار کرے وہ مجھ سے نہیں ہے اور اس کا راستہ فرزند نوح کی طرح ہے"۔

اس حدیث کو شیعہ وسنی نے اپنی روائی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس بات کی تائید کی ہے کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: "ہمارے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح کی سی ہے، جو اس میں سوار ہوگیا نجات پائے گا، اور جو شخص اس سے روگردانی کرے گا وہ ڈوب جائے گا"۔ (۲)

زمانۂ غیبت میں ہمارا مجموعی فریضہ

امام زمانہؑ شیخ مفید کو ارسال کیے گئے ایک خط کے فقرے میں فرماتے ہیں: "فلیعمل کلّ امرء منکم بما یقرب به من محبّتنا و یتجنّب ما یدنیه من کراهتنا و سخطنا" (۳) "لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو ایسا کام کرنا چاہیے جو ہماری محبت اور دوستی سے نزدیک کرنے کا سبب بنے اور جو چیزیں ہمیں ناپسند ہیں اور ہماری کراہت و ناراضگی سے نزدیک کرنے کا باعث بنتی ہیں ان سے پرہیز کرے"۔

۱۔ کمال الدین، ص۴۸۴، ح۴۔

۲۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۱۵۱۔ بصائر الدرجات، ص۳۱۷، ح۴۔

۳۔ احتجاج، ج۲، ص۳۲۳،۳۲۴۔

یہ بات واضح ہے کہ محبت اہل بیتؑ شخصی اور انفرادی پہلو کی حامل نہیں ہے، بلکہ خدائی معیار کے مطابق ہے، اس لیے کہ جب بھی اہل بیتؑ مشاہدہ کرتے ہیں کہ شیعہ اور ان سے منسوب افراد ایسے امور انجام دیتے ہیں جو رضایت الٰہی کا سبب ہے نیز وہ امور جو غضب الٰہی کا موجب ہے اس سے پرہیز کرتے ہیں تو وہ خوش حال ہوتے ہیں اور ان پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

نتیجہ میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اگر ہم امام زمانہؑ کی محبت کے حصول اور حضرتؑ کے غضب سے دور ہونے میں لگے ہوئے ہیں تو ہم ایسا کام نہ کریں جو ان سے دور ہو کر ان کی عنایتوں سے محروم ہو جائیں۔ دوسری طرف سے، ہماری سعی و تلاش اس بات پر ہو کہ ہم ایسے اعمال انجام دیں جو زیادہ سے زیادہ حضرتؑ سے نزدیک کر سکیں۔

امام زمانہؑ کی تشبیہ سورج بادل کی اوٹ میں ہونے سے

ایک روایت میں امام زمانہؑ سے جو اسحاق ابن یعقوب کے سوالات کے جواب میں ذکر ہوا ہے: "... و امّا وجه الانتفاع بی فی غیبتی فکالانتفاع بالشمس اذا غیبها عن الابصار السحاب " (۱)"...لیکن مجھ سے میری غیبت کے زمانہ میں نفع و فائدہ کی صورت حال ویسی ہی ہے جیسے آفتاب بادلوں میں مخفی ہوتا ہے اور لوگ اس سے نفع و فائدہ اٹھاتے ہیں"۔

اس مبارک حدیث سے سورج بادل کی اوٹ میں ہونے کے درمیان اور امام زمانہؑ کا عصر غیبت میں زندگی بسر کرنے سے چند شباہتوں کی وجوہات پائی جاتی ہیں کہ ہم ان میں

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۸۰، ح ۱۰۔

سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ جس طرح لوگ ہر لحہ سورج کے بادل کی اوٹ سے نکلنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں تا کہ اس کے وجود اور ظاہر ہونے پر مکمل طور سے فیض حاصل کریں، حضرتؑ کی غیبت کے زمانہ میں بھی لوگ ان کے خروج اور ظہور کے منتظر ہیں اور ان کے ظہور سے مایوس نہیں ہوں گے۔

۲۔ حضرتؑ کے وجود کا عصر غیبت میں انکار کرنے والا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی سورج کے وجود کا منکر ہو کہ جب وہ بادل کی اوٹ میں لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو جائے۔

۳۔ جس طرح بادل سورج کو مکمل طور پر پوشیدہ نہیں کرتا اور سورج کی روشنی زمین اور اہل زمین تک پہونچتی ہے، غیبت بھی مکمل طور پر حضرتؑ کو فائدہ پہچانے کے لیے مانع نہیں ہے، لوگ زمانہ غیبت میں حضرتؑ کو نہیں دیکھیں گے لیکن اس کے باوجود ان کے وجود ذی جود سے مستفیض ہوں گے۔ توسل، امام سے منجملہ فائدہ حاصل کرنے والی راہوں میں سے ایک راہ ہے۔

۴۔ جس طرح جن علاقوں میں اکثر و بیشتر بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں، کبھی سورج بادلوں کو چیر کر خود کو ان کے درمیان سے باہر لاتا ہے اور بعض لوگوں کو دکھاتا ہے، اسی طرح بسا اوقات امام زمانہؑ کے دیدار سے بھی بعض افراد مشرف ہوتے ہیں اور ان کے وجود سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اس طرح حضرتؑ کا وجود لوگوں کے لیے ثابت ہو جاتا ہے۔

۵۔ جس طرح بادل سورج کو ختم نہیں کرتے اور صرف ان کی رویت سے مانع ہوتے ہیں، امام زمانہؑ کی غیبت بھی صرف ان کے دیدار سے مانع ہے۔

امامت پر زمانۂ فترت کا اعتراض

احمد کاتب کا قول ہے: ''شیعوں میں سے بعض سلسلۂ امامت کے، منقطع، متوقف اور فترت کے قائل ہیں جس طرح انبیاء کے درمیان زمانہ 'فترت' پایا جاتا تھا۔ اور اپنے دعوے کے اثبات کے لیے ان روایات سے تمسک اختیار کیا ہے جو امامت کے منقطع ہونے کے امکان پر دلالت کرتی ہیں، بالخصوص جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر غضبناک ہو۔ وہ لوگ کہتے ہیں: ''ہمارے نزدیک ابھی وہی وقت ہے''۔(۱)

جواب:

سب سے پہلے: شیخ مفیدؒ نے ''الفصول المختارہ'' میں امام حسن عسکریؑ کے بعد مختلف گروہوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں: لیکن ہم آج جس زمانہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں شیعہ اثنا عشری کے علاوہ تمام گروہ ختم ہو چکے ہیں یا شیعہ اسی گروہ کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔(۲)

دوسرے یہ کہ: ان روایات کی طرف مراجعہ کرنے کے بعد جس سے متمسک ''احمد کاتب'' نے حضرت مہدیؑ کی ولادت اور وجود کا انکار کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایات نہ صرف یہ کہ ولادت نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتیں بلکہ حضرت مہدیؑ کی ولادت اور وجود پر صریحی طور پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ہم روایت کی نص کی طرف اشارہ کرتے ہیں: محمد ابن فرج کہتے ہیں: ''امام ابو جعفرؑ نے ایک نامہ میں میرے لیے یوں تحریر فرمایا:

۱۔ تطور الفکر السیاسی، ص۱۲۳۔

۲۔ الفصول المختارہ، ص۲۵۹۔

" اذا غضب اللّٰہ تبارک و تعالیٰ علی خلقہ نحّانا عن جوارھم " (۱) "جب بھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر غضب ناک ہوتا ہے تو ہمیں ان کے قرب و جوار سے دور کر دیتا ہے"۔

یہ روایت صریحی طور پر حضرت مہدیؑ کی ولادت اور وجود پر دلالت کرتی ہے، لیکن اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ موجود رہنے کے باوجود، تمہاری نظروں سے غائب ہیں۔

تیسرے یہ کہ: روایت سندی لحاظ سے ضعیف ہے، جیسا کہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چوتھے یہ کہ: یہ روایت دوسری متواتر روایات کے مخالف ہے جو زمین کو حجت خدا سے خالی نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

زمانۂ غیبت میں امام زمانہؑ کے مشغلے

غیبت کبریٰ کے زمانہ میں، حضرت مہدیؑ کے امور بہت زیادہ حساس اور اہم ہیں، اگر چہ حالات زمانہ کی بنا پر ظاہری حکومت اور وسیع تصرف نہیں رکھتے مگر اس کے باوجود لوگوں کے حالات پر نظارت اور تصرفات انجام دیتے ہیں۔

امامت، رہبری اور کفالت کے امور کے بے حد ممکن ذمہ دار تھے اور اپنے فرائض کو بہ حسن خوبی انجام دیتے تھے۔ ان کی عمر اطاعت الٰہی میں گزری ہے۔ اجتماعی ذمہ داریوں کو، جو مصلحت کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے انجام دیتے ہیں، جیسے لوگوں کی ہدایت کرنا، مخالفین پر فتح یابی کے لیے مومنین کی نصرت و مدد کرنا، مشکل مسائل کا حل کرنا، لوگوں کو موعظہ و نصیحت کرنا، مریضوں کو شفا دینا، گم شدہ افراد کی ہدایت کرنا اور انہیں منزل مقصود

۱۔ کافی، ج ۱، ص ۳۴۳، ح ۳۲۔

تک پہونچانا، علوم و معارف کی تعلیم دینا، حاجت مندوں کی مالی مدد کرنا، پریشان حال افراد کی فریادرسی وغیرہ انجام دینا۔

نتیجہ میں حضرتؑ کے منجملہ بنیادی تصرفات میں سے ایک یہی شیعہ سماج اور اس کے اطراف کے علاقوں کو طول تاریخ میں نظم و ترتیب دینا؛ جانا جا سکتا ہے جو ظاہری نظم و ضبط دیے بغیر ہم مشاہدہ کرتے ہیں جو یقیناً حضرتؑ کی غیبی مدد کی وجہ سے محفوظ ہے اور وہ اس (سماج) کو اپنے کنٹرول میں رکھے ہوئے ہیں۔

غیبت کا ہدایت کے ساتھ تناسب

کلامی، فلسفی اور عرفانی کتابوں کے مراجعہ سے امامت کی دو تفسیر ہمیں معلوم ہوتی ہے:

۱۔ کلامی تعریف: اس تعریف کے مطابق، امامت ایسی ریاست و حکومت ہے جو لوگوں کے دینی و دنیوی امور میں کسی ایک شخص کے ذریعہ انسان کو حاصل ہوتی ہے۔(۱)

۲۔ فلسفی و عرفانی تعریف: اس تعریف کے مطابق، امامت نبوت کی طرح ایک الٰہی منصب ہے، اور ان دونوں (امامت و نبوت) کے درمیان سوائے وحی الٰہی کے کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ امامت وحی الٰہی اخذ کرنے کے علاوہ نبوت کی تمام ذمہ داریوں کو جاری و ساری رکھنے کا نام ہے، نیز انسان کو مطلوبہ کمال تک پہونچانے کے لیے ان کے باطنی نفوس میں ایک قسم کا دخل و تصرف ہے۔

اس تعریف کے مطابق، دین و دنیا کے امور میں ریاست و حکومت رکھنا، امامت کی

۱۔ نہج المسترشدین، ص ۶۲۔

منجملہ شان میں سے ایک شان اسی معنی میں ہے ۔اور یہ وہی معنی ہے جس کے شیعہ اثناعشری پابند ہیں ،لہذا امامت کو اسی جہت سے اصول دین میں شمار کیا گیا ہے اور اسے نبوت سے بالاترین درجہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں: ''امامت ایک ایسی حقیقت کا نام ہے کہ جس کے نتیجہ میں مقام اطاعت یا دین و دنیا کی ریاست یا زمین پر وصایت و خلافتِ پیغمبر لوگوں کے درمیان حکومت کرنے کے معنی میں ہے''۔(۱)

علامہ طباطبائیؒ کے نزدیک امامت کا عمیق معنی اس بات میں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: امامت کے لیے ایک ایسا باطن ہے کہ وہی لوگوں اور ان کے کردار پر ولایت وحکوت کرتا ہے اور یہ باطنی ہدایت ایصال الی المطلوب (یعنی منزل مقصود تک پہونچانے) کے علاوہ کوئی اور شئے نہیں ہے۔

متکلمین نے امامت کی ضرورت کے معانی جو ذکر کیے ہیں ان کی دلیلوں میں ، قاعدۂ لطف ،شریعت کی حفاظت کا لازم ہونا اور دین الٰہی کو واضح طور پر بیان کرنے سے استدلال کیا ہے جو عام طور سے لوگوں کے درمیان امام کے حاضر رہنے سے ہی پورا ہوسکتا ہے۔

اب اگر یہ اعتراض ہو کہ ایسا لطف حضرتؑ کی غیبت کے ساتھ کیسے سازگاری رکھتا ہے؟ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے:

سب سے پہلے یہ کہ: امام زمانہؑ تمام شریعت کے محافظ ہیں اور امر باطل پر اتفاق کرنے سے مانع ہوتے ہیں۔

۱۔ المیزان ،ج۱،ص۲۷۱۔

دوسرے یہ کہ: اللہ تعالیٰ کی عنایتیں مختلف مراتب رکھتی ہیں کہ تزاحم وتصادم کے وقت جو شئے زیادہ لطف وعنایت کی حامل ہوتی ہے وہ مقدم ہوتی ہے۔لہٰذا اگر چہ امامؑ کے حضور کے ساتھ لوگ ان کے وجود والطاف سے مستفیض ہوں گے، لیکن زمانہ غیبت کا لطف اور عنایت اس سے زیادہ اہم ہے، جیسا کہ ہم نے فلسفۂ غیبت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امامت کی دوسری تفسیر وتوضیح جو کہ عرفاء کی تفسیر ہے، امام کی غیبت کے مسئلہ میں کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی ، اس لیے کہ اس تعریف کی بنا پر، امامت ایک ایسی حقیقت ہے کہ امامؑ نے اس جہت سے جو صلاحیتیں پیدا کی ہیں، ان کے ذریعہ نفوس انسانی میں تصرف حاصل کر سکتے ہیں اور انہیں منزل مقصود تک پہو نچا سکتے ہیں۔

یہ معنی امامت کے لیے، ان کی غیبت کے ساتھ بھی سازگاری رکھتا ہے، اور امام زمانہؑ غیبت میں بھی اس قسم کے تصرفات انجام دے سکتے ہیں کہ عصر غیبت کی طول تاریخ میں اس طرح کی بہت سی ہدایات انجام دی ہیں۔(۱)

زمانۂ غیبت میں امام زمانہؑ کی معرفت

فریقین کی کتابوں میں جو روایات ذکر ہوئی ہیں ان کے مطابق، پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "من مات و لم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیّة" (۲) "جو شخص اپنے امام زمانہؑ کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرا ہے"۔ یہاں اس سوال کا مقام ہے کہ امام زمانہؑ کی غیبت کے ساتھ ہم ان کی کیسے معرفت حاصل کر سکتے ہیں؟

۱۔رجوع فرمائیں، المیزان، ج۱۴، ص۳۰۴۔

۲۔شرح مقاصد، ج۲، ص۲۷۵۔

ہم جواب میں کہیں گے: حضرتؑ کی شناخت و معرفت کا مقصد، ان کے جسم اور شکل و شمائل کی معرفت نہیں ہے، بلکہ معرفت کا مقصد یہ ہے کہ حضرت مہدیؑ کا اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ ہے۔ آپ ہی وہ شخص ہیں جو مکمل شریعت کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تکوینی اور تشریعی فیوض و برکات میں خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ آپ ہی کی ذات وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ و اجازت سے انسانی نفوس میں تصرف کی قابلیت رکھتی ہے اور حق و حقیقت کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ آپ ہی وہ ہیں جو تمام علوم اولین و آخرین کے جامع و حامل ہیں۔ آپ ہی وہ ہیں جو ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔

حضرت مہدیؑ جو ہمارے زمانہ کے امام ہیں ان کی بہ نسبت یہ معرفت آپ کی شکل و شمائل دیکھے بغیر بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

آخری زمانہ کی نشانیاں

اسلامی روایات میں آخری زمانہ کی نشانیاں ذکر ہوئی ہیں کہ ان نشانیوں کے محقق ہونے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم آخری زمانہ میں سانس لے رہے ہیں۔ اب ہم ان نشانیوں میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ خوف و ناامنی کا پھیل جانا

امام باقرؑ فرماتے ہیں: "لا یقوم القائم الّا علی خوف شدید"(۱) "حضرت قائمؑ قیام نہیں فرمائیں گے مگر اس زمانہ میں جب شدید خوف و ہراس پھیل جائے..."۔

۱۔ الغیبۃ نعمانی، ص ۲۳۵۔

نیز ارشاد فرمایا: ''مہدیؑ اس وقت قیام کریں گے جب معاشرہ کی باگ ڈور ظالموں کے اختیار میں ہوگی''۔(۱)

۲۔ مسجدوں کا ہدایت سے خالی ہونا

پیغمبر اکرمؐ آخری زمانہ میں مسجدوں کی حالت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ''مساجد هم عامرة و هي خراب من الهدیٰ'' (۲) ''اس زمانہ میں مسجدیں آباد و خوبصورت ہوں گی، لیکن ہدایت و رہنمائی کی کوئی خبر نہیں ہوگی''۔

۳۔ انسانی جذبات کا سرد پڑ جانا

رسول اسلامؐ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''فلا الكبير يرحم الصغير و لا القوی یرحم الضعیف و حینئذ یاذن الله له بالخروج'' (۳) ''اس زمانہ میں بزرگ اپنے چھوٹے اور ماتحت افراد پر رحم نہیں کریں گے نیز قوی شخص ناتواں پر رحم نہیں کرے گا اس وقت اللہ تعالیٰ اسے (مہدیؑ کو) قیام وظہور کی اجازت دے گا''۔

۴۔ اخلاقی فساد کا پھیل جانا

رسول خداؐ ارشاد فرماتے ہیں: ''قیامت واقع نہیں ہوگی مگر جب تک کہ روز روشن میں عورتوں کو ان کے شوہروں سے چھین کر برملا طور پر بیچ راستہ میں تجاوز وتعدی کی جانے لگے اور کوئی شخص اس کام کو برا نہیں کہے گا''۔

۱۔ ملاحم، ابن طاؤس، ص ۷۷۔ ۲۔ بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۹۰۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۸۰۔

محمد ابن مسلم کہتے ہیں: امام محمد باقرؑ سے عرض کیا: اے فرزند رسول! آپ کے قائم کب ظہور کریں گے؟ تو امامؑ نے فرمایا: " اذا تشبہ الرجال بالنساء، و النساء بالرجال، واکتفی الرجال بالرجال، و النساء بالنساء " (۱)

"اس وقت جب مرد خود کو عورتوں کے مشابہ اور عورتیں مردوں کے مشابہ بنالیں، اس وقت جب مرد، مرد پر اکتفا کریں اور عورتیں، عورتوں پر اکتفا کریں گی"۔

۵۔ اولاد کم ہونے کی تمنا

پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: "قیامت اس وقت آئے گی کہ جب پانچ فرزند والے چار فرزند اور چار فرزند والے تین فرزند کی آرزو کرنے لگیں، تین فرزند والے دو کی اور دو والے ایک کی اور ایک فرزند والا یہ خواہش کرنے لگے کہ کاش صاحب فرزند نہ ہی ہوتا"۔ (۲)

۶۔ ناگہانی اموات

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "قیامت اس وقت آئے گی جب سفید موت واقع ہونے لگے۔ لوگوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! سفید موت کیا ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: "ناگہانی موت"۔ (۳)

۱۔ کمال الدین، ج ۱، ص ۳۳۱۔

۲۔ فردوس الاخبار، ج ۵، ص ۲۲۷۔

۳۔ الفائق، ج ۱، ص ۱۴۱۔

۷۔ جنگ وقتل

امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا: ''امام زمانہؑ کے ظہور سے پہلے پے در پے اور بغیر وقفہ کے قتل کے واقعات رونما ہوں گے۔''(۱)

امام زمانہؑ کے وجود سے ایمان کی تقویت کے اسباب وعوامل

امام زمانہؑ کے وجود سے ایمان کی تقویت کے اسباب وعوامل کو ان راہوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ عقلی دلیلوں کی تحقیق کے ذریعہ حضرت مہدیؑ کے وجود کے لیے انسانی عقل وفکر کو تقویت پہنچایا جاسکتا ہے۔

۲۔ قرآنی آیات اور روایات کی تحقیق سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت مہدیؑ موجود ہیں۔

۳۔ جو افراد حضرت بقیۃ اللہ الاعظم ارواحنا لہ الفداء کے مبارک دیدار سے مشرف ہو چکے ہیں ان کے حالات کا مطالعہ کرنا بھی حضرتؑ کے وجود کی بہ نسبت انسانی قلوب کی تقویت میں بہت زیادہ اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

۴۔ ان دعاؤں کو پڑھنا، جن میں حضرتؑ سے خطاب کیا گیا ہے اور ان سے سرگوشی کی گئی ہے کہ یہ بھی حضرتؑ کے وجود کی بہ نسبت انسان کے اعتقاد میں کافی موثر ہوسکتا ہے۔

۱۔ الغیبۃ نعمانی، ص ۲۷۱۔

زمانۂ غیبت میں امامؑ کی ہدایت کا طریقۂ کار

ہدایت کی متعدد قسمیں ہیں:

۱۔ تشریعی ہدایت: جو لوگوں کے لیے احکام شریعت اور معارف الٰہی کے بیان سے ہوتی ہے۔ اس قسم کی ہدایت غالباً امام کے لوگوں کے درمیان حاضر رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ باطنی ہدایت: جو باطنی راستہ سے انسان کی ہدایت کے لیے اندرونی طور پر مدد کی جاتی ہے۔ اس قسم کی ہدایت اس جہت سے کہ ایک لحاظ سے تکوینی ہے، حضرتؑ کے حاضر رہنے اور لوگوں کا ان سے ملاقات کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ حضرتؑ کی غیبت کے ساتھ بھی امکان پذیر ہے، اور وہ افراد جن میں تحول و تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور اندرونی راستہ سے حق و حقیقت کی طرف ہدایت پاتے ہیں وہ مشیت الٰہی اور ارادۂ خداوندی کے ذریعہ امام زمانہؑ کی طرف سے انسانی نفوس میں تصرفات کی بنا پر انجام پاتے ہیں۔

۳۔ بعض ہدایت کی اور بھی قسمیں ہیں جو حضرت مہدیؑ اپنے شیعوں کے حق میں انجام دیتے ہیں جو حضرتؑ کے حاضر رہنے اور مختصری ملاقات پر موقوف ہے، جیسے گم شدہ افراد کی ہدایت کرنا اور بیماروں کو شفا دینا وغیرہ۔

محافل میلاد کی تاثیر

حضرت مہدیؑ کی یاد منانا اور مراسم جشن قائم کرنے کے بہت سے آثار و برکات موجود ہیں ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ ہر سال شیعہ حضرات ایک خاص دن حضرت مہدیؑ کی یاد میں باہم جمع ہوتے ہیں اور حضرتؑ کی بہ نسبت اپنی عقیدت کا اظہار اور ان کی یاد کو اپنے دلوں میں زندہ کرتے ہیں۔

۲۔ محافل کا انعقاد انسانی روح وطبیعت میں خاص اثر رکھتا ہے اور حضرت کے وجود اور ظہور کے اعتقاد کو محکم کرتا ہے۔

۳۔ جو محفلیں منعقد ہوتی ہیں ان میں حضرتؑ کے فضائل وکمالات کی توضیح و تشریح بیان ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں لوگ حضرتؑ کی تاسی واقتدا کر کے خدا سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں۔

۴۔ ان محفلوں اور مجلسوں میں، لوگوں کو کھانا کھلا کر اور مٹھائی تقسیم کر کے لوگوں کا دل شاد کرتے ہیں اور کھانا کھلانے کا ثواب حاصل کرتے ہیں نیز بعض گروہ کے افراد ان محفلوں اور مجلسوں سے مادّی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۵۔ یہ مراسم ایک ایسی مناسب فرصت ہے کہ جس میں لوگوں کو اللہ اور اس کے احکام کی طرف دعوت دے سکتے ہیں۔

حضرتؑ کے دیدار سے مشرف ہونے کا طریقہ

یہ موضوع درحقیقت دو چیز سے تشکیل پایا ہے:

ا۔ کس طرح ان افراد کے دعوے کو جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرتؑ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے ثابت کیا جا سکتا ہے؟

۲۔ یہ کہاں سے معلوم ہو کہ جس نے حضرتؑ سے ملاقات کی ہے خود ان کا دیدار بھی کیا ہو؟

ہم پہلے سوال کے جواب میں کہیں گے: جو شخص ملاقات کا مدّعی ہے، ہم اس کی بات کو قبول نہیں کریں گے مگر یہ کہ ہمارے لیے اس کی بات کی صداقت پر معتبر قرائن موجود ہوں۔

پہلے یہ کہ: وہ بہت سچا شخص تھا اور اب تک کوئی جھوٹ، خلاف شریعت اور بے عدالتی اس سے نہیں دیکھی گئی اور نہ ہی سننے میں آئی۔

دوسرے یہ کہ: جو خبریں وہ دے رہا ہے وہ سب واقع کے مطابق تھیں اور غیبی خبروں کے ہمراہ بھی ہیں۔

دوسرے سوال کے متعلق کہیں گے: حضرتؑ سے ملاقات کے سچے دعویداروں کے لیے بعض شواہد و قرائن ذکر کیے ہیں۔ معجزہ اور غیبی خبروں کو سنا ہو جو حضرتؑ کے وجود کو ثابت کرنے کے دعویٰ کے ساتھ ہو لہذا حضرتؑ سے ملاقات کا یقین کر لیا، اس وقت اپنی ملاقات کے شرف کو ہمارے لیے نقل کیا۔

امام زمانہؑ سے لوگوں کے عشق کا زیادہ ہونا

لوگوں کو جذب کرنا، بالخصوص جوانوں کے لیے امام زمانہؑ کے عشق کو ان کے دلوں میں زندہ کرنا ان کی اقتدا و پیروی کے لیے بہت موثر ہے جس کے کچھ راستے ہیں:

۱۔ وہ افراد جو اپنے دل کو ولی خدا کے عشق و محبت کا ظرف قرار دینا چاہتے ہیں وہ باطل عقائد سے اسے پاک کریں، نیز اپنے نفس کو برے صفات سے صاف کریں، اس لیے کہ دل پاک ہونا چاہیے تاکہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظمؑ کی محبت و عشق کی ظرفیت و قابلیت پیدا ہو سکے۔

لہذا بزرگان اخلاق نے اخلاقی سیر و سلوک کی بحث میں فرمایا ہے کہ سالک کو پہلے مرحلہ میں تخلیہ نفس کرنا چاہیے پھر خود کو اخلاقی محاسن و آداب سے آراستہ کرنا چاہیے۔

۲۔ ہم کوشش کریں کہ بہ حد ممکن اپنی تمام توانائی کے ساتھ جتنا بھی ہم سے ہو سکے اگر

ہمارے مد مقابل میں ظرفیت اور جاذبیت پائی جاتی ہے اس کو اپنے آقا امام زمانہؑ کے فضائل و کمالات سے آگاہ کریں، اس کو یہ بتائیں کہ حضرتؑ کا اس ہستی میں کیا مقام و مرتبہ ہے، وہ کیسے لوگوں کے حالات سے خدا کی اجازت سے مطلع و آگاہ ہیں۔ کیسے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کے مظہر ہیں۔ وہ کیسے اپنے شیعوں کی فکر میں ہوتے ہیں۔

انسان فطری اور ذاتی طور پر کمال دوست ہے، کمال اور کامل انسان کی طرف ذاتی رجحان رکھتا ہے۔ ایک طرف سے اگر کسی کے لیے انسان میں یہ عشق پیدا ہو جائے تو اس کا مطیع و فرماں بردار ہو جاتا ہے اور اس جہت سے کہ امام زمانہؑ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں، لہذا حضرتؑ کی محبت و الفت لوگوں کے دلوں میں ایجاد کرنے سے درحقیقت لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت پاتے ہیں۔

لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کو امام زمانہؑ کی طرف دعوت دینا اور ان کے دلوں میں حضرتؑ کی الفت و محبت ایجاد کرنا درحقیقت لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا اور لوگوں کے دلوں میں اس کا عشق ایجاد کرنا ہے۔

امام زمانہؑ کا لوگوں کے حالات سے باخبر ہونا

اصولی طور پر امام زمانہؑ اس جہت سے کہ خدا کے علم غیب کے مظہر ہیں تمام جگہوں اور تمام چیزوں کی اطلاع رکھتے ہیں دوسری تعبیر میں امام زمانہؑ جب بھی ارادہ کریں تمام چیز ان کے پاس حاضر ہے۔ اور تمام بیرونی موضوعات سے آگاہی و اطلاع رکھتے ہیں۔

دوسری طرف سے حضرتؑ عام یا خاص مصلحتوں کے مطابق کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ملاقات پر مامور ہوتے ہیں اور انہیں مصیبتوں سے نجات دیتے ہیں۔ کبھی احساس

کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر فلاں شخص کے پاس جانا چاہیے اور اس کی مصیبتوں کو برطرف کرنا چاہیے، اور کبھی فلاں سرزمین میں حاضر ہوئے تاکہ وہاں کے ساکنین کی بلاء و مصیبت دور ہو جائے، اور کبھی ایک شخص کو کوئی وجہ اور دلیل بتائی تو وہ ہدایت یافتہ ہو گیا۔ لہذا ہر وہ زمان و مکان جس میں حضرتؑ مصلحت دیکھتے ہیں وہاں حاضر ہوتے ہیں۔

''بقیۃ اللہ'' کا لقب

''بقیہ'' بقاء سے مشتق ہے اور فنا و نابودی کی ضد ہے، اور لغت میں ثبات و دوام کے معنی میں ذکر ہوا ہے۔ پس بقیۃ اللہ یعنی اللہ کا باقی ماندہ جو زمین میں ثابت ہے۔

دعائے ندبہ میں ہم پڑھتے ہیں: '' این بقیّة اللّٰه التی لا تخلو من العترة الهادية''؛ ''بقیۃ اللہ کہاں ہے جو عترت طاہرہ کے علاوہ نہیں ہے''۔

اس کلمہ میں دو احتمال پایا جاتا ہے:

۱۔ یہ کہ ''بقیۃ اللہ'' کا مقصد کلی عنوان تھا اور زمین میں حجت خدا کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے کبھی بھی زمین خالی نہیں تھی اور نہ رہے گی مزید اسے اس میں ہمیشہ ثابت رہنا چاہیے۔ اور اس زمانہ میں اس کا امام زمانہؑ پر منطبق کرنا کلی افراد میں سے ایک فرد پر منطبق کرنے کے باب میں سے ہے۔

۲۔ یہ کہ ''بقیۃ اللہ'' کا مطلب امام زمانہؑ کے لیے ایک لقب ہونا ہے اس اعتبار سے کہ زمین میں موجود تھے اور ہمیشہ موجود رہیں گے۔

''ابن سکیت'' کہتے ہیں: یہ جملہ ان مقامات پر کہا جاتا ہے کہ جہاں انسان کسی کی

رعایت اور حفاظت کرتا ہے اور اس کے انتظار میں بیٹھا ہے"۔(۱)

اس معنی کے پیش نظر حضرت مہدیؑ کو "بقیۃ اللہ" اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رعایت وحفاظت میں تھے اور انہیں ایسا مقام اور شان وشوکت دی ہے کہ لوگ ان کے ظہور وکشائش کا انتظار اپنے امور میں کرتے رہیں۔

ملاقاتوں میں حضرتؑ کی عدم معرفت کا سبب

اس موضوع کے متعلق ہم کہیں گے:

سب سے پہلے یہ کہ: ایسا نہیں ہے کہ جو افراد حضرتؑ کی ملاقات کا شرف حاصل کر چکے ہیں ابتدا میں حضرتؑ کو نہیں پہچانا، بلکہ بسا اوقات بعض ایسے افراد ہیں کہ جنہوں نے ابتدا ہی میں حضرتؑ کو پہچان لیا اور ان سے مانوس رہے ہیں، جیسے علامہ بحرالعلومؒ اور مقدس اردبیلیؒ وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ: ملاقاتوں سے حضرتؑ کا اعلیٰ مقصد شیعوں کی مصیبتوں کو دور کرنا ہے کہ یہ ہدف بغیر معرفت کی ملاقات کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ: حضرتؑ کا نہ پہچاننا عدم انسیت کی وجہ سے ہے چونکہ معمولاً لوگوں کی پہلی ملاقات تھی لہذا حضرتؑ کو نہیں پہچان سکے، اس لیے کہ ان کو پہلے سے نہیں دیکھا تھا۔

چوتھے یہ کہ: کبھی انسان بہت زیادہ شوق دیدار کی بنا پر یا بے توجہی یا بہت زیادہ اپنے کام کی طرف توجہ رکھنے کی وجہ سے اپنے مخاطب سے غافل ہو جاتا ہے اور حاجت پوری ہونے کے بعد اسے یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ یہ شخص کون تھا۔

۱۔ معجم مقاییس اللغۃ، ص ۱۲۸۔

پانچویں یہ کہ: زمانۂ غیبت کبریٰ میں حضرتؑ کا نہ پہچاننا اصل قاعدۂ اولیہ کے تقاضے کے مطابق ہے، اس لیے کہ حضرتؑ کی غیبت کلی طور پر ہے، اور بنا اس بات پر رکھی گئی ہے کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے حضرتؑ ناشناختہ رہیں۔

غیبت، امام مہدیؑ کی خصوصیات میں سے ہے

امام زمانہؑ کے لیے ایک خاص شرائط مہیا ہوئے تھے جو دوسرے ائمہ کے لیے کبھی بھی مقرر و میسر نہیں ہوئے تھے، یہی شرائط اس بات کا موجب ہوئے کہ صرف امام زمانہؑ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوں نہ کہ دوسرے ائمہ۔ منجملہ انہیں شرائط میں سے یہ ہیں:

الف۔ حضرت مہدیؑ بارہ اماموں میں سے آخری امامؑ ہیں کہ پیغمبرؐ نے ان کے آنے کی خبر دی ہے۔ ایسے ائمہ کہ زمین کبھی بھی ان کے وجود ذی جود سے خالی نہیں رہنی چاہیے۔

ب۔ اس لحاظ سے کہ حضرتؑ کے لیے ہر لحظہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ظہور و قیام کی طرف مامور ہوں لہذا وہ ظاہر نہیں رہ سکتے اور حکام ظلم و جور میں سے کسی ایک کی بیعت کے ماتحت قرار نہیں پا سکتے۔

ج۔ امام زمانہؑ کی عدم غیبت کی صورت میں یقینی طور پر یہ لازم آتا ہے کہ جو صبح قیامت تک خدائی حجتوں میں سے تنہا باقی رہنے والا ہے، دشمنوں کی طرف سے قتل ہو جاتا۔ جس کے نتیجہ میں مصلحتِ الٰہی اس بات سے متعلق ہوئی کہ حضرتؑ غیبت کے پس پردہ رہ کر ایک معینہ زمانہ تک زندہ و باقی رہیں۔

دیدار سے مشرف نہ ہونے اور محرومیت کا سرچشمہ

بعض کہتے ہیں: کیوں ہم اپنے امامؑ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتے؟ ان کے جواب میں

ہم کہیں گے:

سب سے پہلے یہ کہ: ہمیں ملاحظہ کرنا چاہیے کہ ہمارے اس زمانہ میں ہمارا فریضہ کیا ہے اور ہماری خلقت کا جو ہدف ہے کہ کمال تک پہنچیں اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ہمارا فریضہ ان احکام اور ذمہ داریوں پر عمل کرنے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے سوائے اس کے کہ جو ائمہ معصومؑ کی جانب سے ہم تک پہنچا ہے۔ اگر چہ صرف حضوری اور ظاہری ملاقات بھی ایک خاص شرف ہے۔

دوسرے یہ کہ: حضرتؑ سے ملاقات کی محرومیت اور ان کی غیبت کا سرچشمہ خود ہماری ذات رہی ہے۔ اور ہم خود ہی ظہور کے موانع برطرف کرنے اور ان محرومیتوں کو دور کرنے میں شریک ہوں۔

تیسرے یہ کہ: ہر امت کے لیے، ہر زمانہ میں ایک قسم کا امتحان لیا گیا ہے، اور امام زمانہؑ کی غیبت کا مسئلہ اس زمانہ میں شیعہ سماج کے لیے ایک طرح کا بڑا امتحان شمار ہوتا ہے۔

چوتھے یہ کہ: کسی شخص نے یہ نہیں کہا کہ ہم امام زمانہؑ کی خدمت اور ملاقات سے مشرف نہیں ہو سکتے۔ یہ بات ہر ایک کے لیے ممکن ہے، لیکن ایک حد تک سنخیت لازم ہے، چشم و دل کا غبار اور زنگ صاف کرنا چاہیے تا کہ حضرتؑ کی ملاقات کی صلاحیت پیدا ہو۔ اور کلی طور پر تک و دو کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود کی اصلاح کرنی چاہیے، ایسی صورت میں خود حضرتؑ ہماری ملاقات کے لیے تشریف لائیں گے۔

حضرت مہدیؑ سے عشق کی علت

انسان ایسے شخص کا عاشق ہوتا ہے جس میں کوئی خاص جہت وصفت پائی جاتی ہے، اور ہم حضرت مہدیؑ کے عاشق بنا چاہتے ہیں تو یقینی طور پر کوئی خاص جہت وصفت پائی جاتی ہوگی کہ جس کی وجہ سے ان کو دوست رکھیں اور ان سے عشق پیدا کریں، اس لیے کہ وہی تمام خوبیوں کے مظہر ہیں وہی عدالت کے مظہر ہیں، وہی اللہ تعالیٰ کے لیے عبودیت وغیرہ کے بھی مظہر ہیں۔

ہم اس جہت سے کہ خوبیوں کو دوست رکھتے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کو بھی پسند کرتے ہیں اور ہم امام مہدیؑ کو نیکیوں پر عمل پیرا ہونے میں ایک کامل فرد دیکھتے ہیں لہذا انہیں دوست رکھتے ہیں۔ پس امام زمانہؑ کا واقعی عاشق درحقیقت تمام خوبیوں کا عاشق ہے۔

امام زمانہؑ کا واقعی عاشق حقیقت میں نیکیوں پر عمل کرنے کا عاشق ہے۔

اب اگر ہم اپنی ذات میں نیکیوں اور اس پر عمل کرنے کا عشق واحساس کرتے ہیں اور یہی ہمارا عشق نیکیوں کو انجام دینے کے لیے وادار و برانگیختہ کرے تو سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں ہم امام زمانہؑ کے عاشق ودلباختہ ہیں ورنہ نہیں....

حضرت مہدیؑ کے ظہور کے تاخیر کی علت

ہمارے آقا ومولا امام زمانہؑ کے ظہور کے تاخیر کا سبب خود ہم انسانوں کی طرف پلٹتا ہے، اس لیے کہ عالمی سطح پر الٰہی اور عدالتی حکومت تشکیل دینا، خود لوگوں کی طرف خصوصی طور پر ضروری شرائط وآمادگی کا بھی محتاج ہے جیسے یہ کہ:

ا۔ لوگ عدالت کے مفہوم کو جانیں۔

۲۔ لوگ اس حد تک پہنچ جائیں کہ دل وجان سے عدالت خواہ ہوں۔

۳۔ احکام شریعت پر عمل کرنے سے فکری اور ثقافتی شعور کی انتہائی حد تک پہونچے ہوئے ہوں، اگر چہ لوگوں میں سے کچھ محدود افراد ہی کیوں نہ ہوں۔ لہذا خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے شرح تجرید میں حضرتؑ کی غیبت کا سبب خود لوگوں کو بتایا ہے۔

۴۔ لوگوں کا صنعت وٹیکنک کے لحاظ سے ترقی کرنا۔

مجموعی لحاظ سے ظہور کے لیے کلی واجتماعی لازمی شرائط فراہم نہ ہونا ہی حضرتؑ کے ظہور کے تاخیر کا سبب ہے۔

امام زمانہؑ اپنی ایک توقیع میں جو شیخ مفیدؒ کو ارسال کی تھی فرماتے ہیں "ولو أنّ اشیاعنا. وفقهم اللّه لطاعة. علی اجتماع من القلوب فی الوفاء بالعهد علیهم، لما تأخر عنهم الیمن بلقائنا، و لتعجّلت لهم السعادة بمشاهدتنا علی حق المعرفة منهم بنا، فما یحبسنا عنهم الّا ما یتّصل بنا ممّا نکرهه ولا نؤثره منهم "(۱) "اگر ہمارے شیعہ (خدا ان کو اطاعت کی توفیق عطا فرمائے) اپنے عہد وپیان کو پورا کرنے کی کوشش میں ہمدل ہوں تو پھر ہماری ملاقات میں تاخیر نہ ہوتی اور ہمارے دیدار کی سعادت جلد ہی نصیب ہوتی، ایسا دیدار جو حقیقی معرفت اور ہماری بہ نسبت صداقت پر مبنی ہو، ہمارے مخفی رہنے کی وجہ ہم تک پہنچنے والے اعمال کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے جب کہ ہمیں ان سے ایسے اعمال کی امید نہیں ہے"۔

۱۔ احتجاج، ج ۲، ص ۳۱۵۔

جاہلیت کی موت

کبھی سوال ہوتا ہے کہ اگر اپنے امام زمانہؑ کو نہ پہچانیں تو کیوں دنیا میں جاہلیت کی موت مریں گے؟ اس سوال کے جواب میں کہیں گے:

سب سے پہلے یہ کہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معرفت، انسان کے عمل پیدا ہونے میں کافی مؤثر ہے، اور جتنی انسان کی کسی کی بہ نسبت یا ایک عقیدہ کے لیے زیادہ معرفت راسخ ہوگی، عمل کے لحاظ سے اتنی ہی زیادہ مؤثر بھی ہوگی اور کلی طور پر انسان بغیر معرفت کے مقام عمل میں حق مطلب کو ادا نہیں کرسکتا، لہذا علماء کلام اسی معرفت کی راہ سے شکر منعم کے لازم ہونے کا معیار معرفت الٰہی کا واجب ہونا ہی جانتے ہیں۔ امام زمانہؑ زمین پر اللہ کی حجت ہیں اور دینی نصوص کے مطابق ان کی اطاعت واجب ہے، لہذا ہمیں بہ قدر ممکن ان کی معرفت حاصل کرنی چاہیے، ورنہ جاہلیت کی موت کے سبب دنیا سے جائیں گے۔

دوسرے یہ کہ: ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اپنے امام زمانہؑ کو پہچانیں تا کہ ہر کس و نا کس کے تابع نہ ہوں۔ کس شخص کو اپنے لیے نمونہ عمل قرار دیں اور کس سے دین اخذ کریں؟ کیا وہ شخص جو کچھ متاع دین کو پیش کرتا ہے اس کے پیچھے چلے جائیں، اور اسے اپنا امام نیز آئیڈیل و نمونہ قرار دیں؟

پہلے مرحلہ میں امام کی خصوصیتوں کو پہچاننا چاہیے اور اس کے مصداق کو معین کریں، اس وقت اس کے پیچھے جائیں اور آنحضرتؑ کو اپنا رہبر و امام قرار دیں۔ یقیناً کوئی ایسا ہونا چاہیے ورنہ ہماری موت، جاہلیت کی موت ہوگی۔

روز ظہور نزدیک ہونے کے لیے ہمارا فریضہ

امام زمانہؑ کا ظہور ایک خاص مصلحتوں اور شرائط سے وابستہ ہے، لیکن جو کچھ حضرت کے شیعوں سے مربوط ہے یہ ہے کہ:

سب سے پہلے: خود کی اصلاح کرنی چاہیے اور حضرتؑ کے زمانہ ظہور اور ان کی حکومت کے شرائط سے سازگاری پیدا کریں۔

دوسرے یہ کہ: سماج میں، حضرتؑ کے ظہور کے لیے زمینہ فراہم کریں اور لوگوں کی اصلاح کے لیے اپنی توانائی کی حد تک کوشش کریں تاکہ شرائط فراہم ہو جائیں اور حضرت کے قوت بازو سے کلی طور پر موانع برطرف ہو جائیں اور عالمی عادل حکومت کے بنیادی شرائط ایجاد ہو جائیں۔ لہذا کہا گیا ہے: "مُصلِح کے انتظار کرنے والے خود نیک افراد ہیں"۔

تیسرے یہ کہ: کبھی بھی دعا و استغاثہ کرنا بارگاہ الٰہی میں فراموش نہ کریں جو (روایات کے مطابق) حضرتؑ کے ظہور میں بہت مؤثر ہے۔

امام زمانہؑ کی صحت و سلامتی کے لیے صدقہ دینا

دراصل صدقہ دینا خود بہت اہمیت اور ثواب کا حامل ہے اور بلاؤں کو انسان سے دور کرسکتا ہے۔ اور اگر انسان امام زمانہؑ کی طرف سے اور حضرتؑ کی نیابت میں صدقہ دے تو انسان کے لیے مؤثر ہے اور حضرتؑ کے لیے بھی۔

انسان کے لیے یوں تاثیر رکھتا ہے، چونکہ مومن کے لیے ہدیہ، وہ بھی جو زمین پر کامل ترین مومن ہو ثواب کا حامل ہے حضرتؑ کے لیے بھی یوں موثر ہے چونکہ یہی باعث ہوتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہ کثرت برکتیں عطا کرے اور ان کی عنایتوں میں اضافہ کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ نیز حضرتؑ کے وجود سے بلا دور ہونے کا سبب ہوگا، چونکہ اللہ تعالیٰ حضرتؑ کی مختلف طریقوں سے منجملہ ان میں سے ایک صدقہ دینے سے حفاظت کرتا ہے۔

امام زمانہؑ کی صحت وسلامتی کے لیے دعا کرنے کے متعلق بھی یہی جواب دیں گے۔

عدم ظہور کی علت

فتنہ وفساد کا ہونا یا تمام انسانی معاشرہ میں اس کا پھیل جانا حضرتؑ کے ظہور کے لیے علّت تامہ نہیں ہے۔ حضرتؑ کے منجملہ اہداف میں سے ایک ہدف عدل وانصاف پھیلانا ہے، لیکن حضرتؑ کے ظہور کے لیے بعض شرائط ومقدمات فراہم کرنے کی ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں اس کے مقام پر ہم اشارہ کریں گے منجملہ ان میں ان مقامات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

الف۔ معاشرہ کی فکری سطح کا بلند ہوجانا۔

ب۔ اجتماعی اور ٹیکنکی ارتباطات کے امکانات ووسائل کا پھیل جانا۔

ج۔ خاص افراد اور کامل انسانوں کا فراہم ہونا تاکہ وہ حضرتؑ کے ساتھ معاشرہ میں عدل وتوحید پھیلانے میں تعاون کرسکیں۔

وقت ظہور کی اطلاع نہ دینا

چند جہتوں سے وقت ظہور کی اطلاع نہیں دینی چاہیے:

۱۔ کسی بھی ایک روایت میں ظہور کا دقیق وقت یہاں تک کہ غیر دقیق وقت کی طرف

اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔ چوں کہ ظہور کا زمانہ ممکن ہے بعض شرائط کے لحاظ سے تبدیل ہو جائے دوسری تعبیر میں ''بداء'' واقع ہو جائے اور ہمیں اس کی اطلاع نہ ہونے پائے، لہذا ہمیں زمانۂ ظہور کی خبر نہیں دینی چاہیے، اگرچہ انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ غیر عادی طریقوں سے پشت پردہ قضایا کا علم حاصل کرلے۔

۳۔ کبھی ظہور کی بہ نسبت بعض خبریں جو وجود خارجی نہیں رکھتیں وہ سبب بنتی ہیں کہ لوگ اصل ظہور کے دشمن ہو جائیں اور اصل واقعہ ان کی نظر میں بے اعتبار ہو جائے۔

۴۔ بعض روایتوں میں ظہور کا وقت معین کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

امام زمانہؑ کو عریضہ تحریر کرنا

امام زمانہؑ کی خدمت میں عریضہ تحریر کرنے کے جواز بلکہ رجحان رکھنے میں بعض دلیلوں سے تمسک کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ عریضہ نویسی امام عصرؑ کی خدمت میں توسلات اور استغاثوں کی قسموں میں سے ایک قسم شمار ہوتا ہے۔

ایسا توسل اختیار کرنا جس کی اصل دینی مصادر و مآخذ میں مسلّم مستحبات میں سے شمار ہوتی ہے۔

۲۔ عریضہ نویسی ان مسلّم امور میں سے ہے کہ جس پر بزرگوں نے عمل کیا ہے اور ان کی سیرت قائم ہو چکی ہے اور اس کے ذریعہ تعجب انگیز آثار و برکات حاصل کیے گئے ہیں۔ محدث نوری نے کتاب ''نجم الثاقب'' میں اس سلسلہ میں عجیب قسم کے واقعات نقل کیے

ہیں۔(۱)

۳۔ کفعمی نے ''المصباح'' اور ''البلد الامین'' میں عریضہ تحریر کرنے کی کیفیت کو نقل کیا ہے اور یہی خود اس بات کی دلیل ہے کہ عریضہ نویسی شریعت سے ثابت ہے۔(۲)

مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی فرمایا ہے: ''عریضہ ڈالتے وقت ایسا خیال کرنا چاہیے کہ اسے نائب خاص کو سپرد کر رہا ہے''۔(۳)

شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی '' کتاب'' مصباح المتهجد ''میں فرماتے ہیں:

''ایک عریضہ اللہ تعالیٰ کی طرف تحریر کرو اور اس کو لپیٹو، پھر دوسرا عریضہ حضرت بقیۃ اللہ ارواحنا فداہ کی خدمت میں تحریر کرو...''(۴) اس وقت ان عریضوں میں سے ہر ایک کی کیفیتِ تحریر کو بیان کرتے ہیں۔

ظہور سے پہلے قیام

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ہر ظالم اور بے دین حاکم کے خلاف قیام اور انقلاب برپا کرنا امام زمانہؑ کے ظہور سے پہلے حرام ہے۔ وہ لوگ اس سلسلہ میں بعض روایات سے استناد کرتے ہیں منجملہ ان میں سے جیسے یہ کہ امام صادقؑ نے فرمایا: ''كلّ راية ترفع قبل قيام القائم فصاحبها طاغوت يعبد من دون الله عزّ وجلّ''.(۵)

۱۔ نجم الثاقب، ص ۴۲۱۔ جنۃ الماوی، ص ۲۳۸۔ دار السلام، ج ۲، ص ۲۶۴۔

۲۔ المصباح، ص ۵۳۱۔ البلد الامین، ص ۲۲۷۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۹۴، ص ۳۰۔

۴۔ بحار الانوار، ج ۹۴، ص ۲۷۔

۵۔ کافی، ج ۸، ص ۲۹۵، ح ۴۵۲۔

"ہر وہ پرچم جو حضرت قائمؑ کے قیام سے پہلے بلند کیا گیا ہو اس کا مالک طاغوت ہے اور غیر خداوند متعال کی عبادت کرتا ہے"۔

ان روایات کی توجیہ میں ہم کہتے ہیں:

ا۔ یہ روایات شریعت کے کلی اصولوں اور اس کے قطعی مبانی میں سے کہ منجملہ ان دلیلوں میں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد سے تنافی و تضاد رکھتی ہیں، اس لیے کہ اس کے تین مراتب ہیں ان میں سے ایک قیام ہے۔

۲۔ اکثر روایات سندی مشکل سے روبرو ہیں جیسے مرسل [یعنی کامل سند کے بغیر ذکر ہونا] اور راوی کا ضعیف ہونا ہے جو اپنی جگہ سند کے لحاظ سے بحث واقع ہوئی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ بعض روایات سے بھی استفادہ ہوتا ہے کہ امامؑ غیب سے خبر دینے کے ارادہ میں ہیں اس معنی میں کہ امامؑ فرماتے ہیں: اس طرح انقلابات آخری کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوتے اگر چہ ممکن ہے کہ اس پر مثبت آثار مرتب ہوں، نہ یہ کہ اصل انقلاب کو غلط قرار دینے کا قصد رکھتے ہوں جیسا کہ زید شہید اور جناب مختار کے قیام کے متعلق فرمایا۔

۴۔ انقلابی دعوت اور انقلاب برپا کرنے والوں کی دو قسم ہے: پہلے یہ کہ حق کی طرف دعوت دینا حق کے قیام کے مقصد سے اور حکومت کی باگ ڈور اہل بیتؑ کے اختیار میں دینا ہے کہ یقیناً ایسی حکومت کو ائمہ معصومؑ کی تائید و حمایت حاصل ہے۔

دوسرے یہ کہ باطل کی طرف دعوت دینا کہ جس کا مقصد خود کی شہرت ہے۔ اور "کــــل رایة" "ہر پرچم" کا معنی و مقصد گویا یہی ہے۔ اس وجہ سے وہ تمام قیام جو حریم

شریعت اور اہل بیتؑ کی امامت سے دفاع کے سلسلہ میں رونما ہوئے ہیں وہ ان روایات سے تخصصاً [یعنی اس کے موضوع سے] خارج ہیں۔

لہذا جس وقت شیعوں نے قیام مختار کے مقابل میں اپنے فریضہ کے متعلق امام زین العابدینؑ سے سوال کیا، تو حضرتؑ نے فرمایا: "لو انّ عبداً زنجیاً تعصّب لنا اهل البیت ،لوجب علی الناس مؤازرته "(۱)

"جب بھی زنگی غلام ہماری نصرت و مدد کے لیے اپنی پیشانی پر پٹی باندھ لے (یعنی قیام کرے) تو لوگوں کے لیے اس کی حمایت و مدد کرنی واجب ہے"۔

امام صادقؑ نے فرمایا: "یخرج القائم حتیٰ یخرج اثنا عشر من بنی هاشم کلّهم یدعو الی نفسه " (۲) "قائم قیام نہیں کریں گے یہاں تک کہ بنی ہاشم سے بارہ افراد قیام کرلیں اور وہ سب کے سب لوگوں کو اپنی طرف بلائیں گے"۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۶۵۔

۲۔ الغیبۃ طوسی، ص ۴۳۷۔

امام زمانہؑ سے زمانۂ غیبت کبریٰ میں ملاقات

حضرتؑ کے دیدار سے مشرف ہونے کا امکان

زمانۂ غیبت کبریٰ میں حضرتؑ کے دیدار سے مشرف ہونا ممکن ہے، اس لیے کہ اس سلسلہ میں مقتضی موجود ہے مانع مفقود ہے:

الف۔ لیکن دیدار کا وجود مقتضی یہ ہے کہ زمانۂ غیبت کبریٰ میں مصلحت اس سے متعلق ہے کہ کچھ مدت کے درمیان حضرتؑ اپنی ذات کا بعض لوگوں کو اور ان بزرگوں کو کہ جن کی بات تسلیم کی جاتی ہے، مشاہدہ کرائیں تا کہ لوگ ان کے وجود کا اطمینان و یقین پیدا کر لیں، اور غیبت کا طولانی ہونا حضرتؑ کے وجود کے انکار کا سبب نہ ہو، اس لیے کہ صرف دلیل و برہان (خصوصاً عوام الناس کے لیے) امام زمانہؑ کے وجود کا اطمینان و یقین نہیں ہے۔ لہذا ابزرگان حکم دیتے ہیں کہ بزرگوں کا امام زمانہؑ کی خدمت میں ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے واقعات کو لوگوں کے لیے بیان کریں کہ یہی خود اپنے مقام پر لوگوں کو حوصلہ نیز انہیں بلند ہمتی اور امید عطا کرے گا۔ اور ان کے اعتقاد میں حضرتؑ کے وجود کی بہ نسبت اضافہ ہوگا، اس لیے کہ کسی شئے کے امکان پر قوی ترین دلیل اس کا واقع ہونا ہے۔

ب۔ موانع کی بہ نسبت، حضرتؑ کی ملاقات سے مشرف ہونے میں کوئی بھی شرعی یا عقلی مانع موجود نہیں ہے۔ ہم بعد والی بحثوں میں بعض موانع کو نقل کریں گے۔

حضرتؑ کے امکانِ دیدار کے قائلین

عام شیعہ علماء متقدمین و متاخرین زمانۂ غیبت کبریٰ میں حضرت مہدیؑ کے دیدار سے مشرف ہونے کے امکان کے قائل تھے۔ اب ہم ان کے بعض کلمات کی طرف اشارہ کریں گے:

ا۔ سید مرتضیٰؒ

"انّا غیر قاطعین علی انّ الامام علیه السلام لا یصل الیه احد و لا یلقاه بشر .فهذا امر غیر معلوم ولا سبیل الی القطع علیه "۔"ہم یقین نہیں رکھتے کہ کسی بشر کی امام تک رسائی نہیں ہو سکتی اور انسان ان سے ملاقات نہیں کر سکتا، یہ ایسی بات ہے جو غیر معلوم ہے جس کا یقین حاصل کرنے کے لیے کوئی قطعی راستہ نہیں ہے"۔

اس وقت فرماتے ہیں:" فان قیل : اذا کان العلة فی استتار الامام خوفه من الظالمین و اتقائه من المعاندین فهذه العلة زایلة فی اولیائه و شیعته فیجب ان یکون ظاهراً لهم... و الجواب ...انّه غیر ممتنع ان یکون الامام علیه السلام یظهر لبعض اولیائه ممّن لا یخشی من جهة اسباب الخوف فانّ هذا مما لا یمکن القطع علی ارتفاعه و امتناعه و انّما یعلم کل واحد حال نفسه و لا سبیل له الی العلم بحال غیره" "اگر یہ کہا جائے کہ امام کے غائب ہونے کی علت، ظالموں سے خوف اور دشمنوں سے تقیہ کی بنا پر ہے تو ہم کہیں گے: یہ علت اولیاء خدا اور ان کے دشمنوں کے حق میں نہیں ہے، لہذا واجب ہے کہ ان کے لئے ظاہر ہوں...پھر ہم اس کے جواب میں کہیں گے: یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ امام اپنے بعض

دوستوں کے لئے ظاہر ہوں جن افراد سے خوف نہیں پایا جاتا۔ اس کے نہ ہونے اور اس کے منع ہونے کا یقین پیدا نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ حضرت کے شیعوں میں سے ہر ایک اپنی حالت کو جانتا ہے لیکن دوسروں کے حالات کی خبر نہیں رکھتا"۔(۱)

۲۔ شیخ طوسیؒ

"نحن نجوز ان یصل الیه کثیر من اولیائه و القائلون بامامته فینتفعون به" (۲) "ہم جائز جانتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اور حضرت کی امامت کے قائلین ان کی خدمت میں پہونچیں اور ان کی ذات سے نفع حاصل کریں"۔

۳۔ سید ابن طاووسؒ

آپ اپنے فرزند کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:" والطریق مفتوحة الی امامک علیه السلام لمن یرید اللّٰه جلّ شانه عنایته به و تمام احسانه الیه" (۳) "امامت کی طرف راستہ ہر اس شخص کے لیے کھلا ہوا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا تا کہ اس کی طرف عنایت اور بے انتہا احسان فرمائے"۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:" و اذا کان غیر ظاهر الآن لجمیع شیعته فلا یمتنع ان یکون جماعة منهم یلقونه و ینتفعون بمقاله و فعاله و یکتمونه" "اگر چہ ابھی امام تمام شیعوں کی نظروں سے غائب ہیں لیکن ان کی ایک

۱۔تنزیه الانبیاء،ص۱۸۲۔۱۸۴۔

۲۔ کلمات المحققین،ص۵۳۳۔

۳۔ کشف المحجة،ص۱۴۳،۱۵۴۔

جماعت کا حضرتؑ کی ملاقات سے مشرف ہونا ممتنع نہیں ہے، جو ان کے کردار و گفتار سے استفادہ کرے اور وہ دوسروں سے [خود کو] مخفی رکھیں..."۔(۱)

۴۔ آخوند خراسانیؒ

آپ اجماع کی بحث میں فرماتے ہیں:" و امّا فی زمان الغیبة فلا یکاد یحصل ذلک عادة .نعم قد یتفق فی زمان الغیبة للاوحدی التشرف بخدمته و اخذ الحکم منه"(۲)"....اگرچہ حضرتؑ سے بعض نیک افراد کی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کا احتمال دیا جاتا ہے، اور بسا اوقات انہیں پہچانتے بھی ہیں۔"

۵۔ محقق نائینیؒ

آپ بھی اجماع ہی کی بحث میں فرماتے ہیں:"لیکن زمانہ غیبت میں، عام طور پر حضرت کا دیدار ممکن نہیں ہے۔ ہاں، کبھی زمانہ غیبت میں نیک افراد اور یکتائے روزگار فرد کے لیے حضرتؑ سے ملاقات کا شرف اور ان سے کسی شئے کا حکم حاصل کرنا ممکن ہے"۔(۳)

اعتراضات کے جوابات

بعض کہتے ہیں: زمانۂ غیبت میں حضرتؑ سے ملاقات حکمتِ غیبت اور اس کے تقاضے کے ساتھ جو عمومی طور پر رابطہ قطع ہو جاتا ہے تضاد رکھتا ہے غیبت کا مقصد یہ ہے کہ حضرتؑ عوام الناس کی نظروں سے غائب ہوں اور کوئی شخص ان کے بارے میں آگاہی نہ رکھتا ہو۔

۱۔ الطرائف، ص ۱۸۵۔ ۲۔ کفایۃ الاصول، ج ۲، ص ۲۹۱۔
۳۔ فرائد الاصول، ج ۲، بحث اجماع۔

جواب: حکمت اور غیبت کا تقاضا تمام افراد کی بہ نسبت ہے یعنی بنا یہ نہیں ہے کہ سب کے سب حضرت کی ملاقات کا شرف حاصل کریں، اور اس بات میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ بعض خاص مصلحتوں کی وجہ سے حضرتؑ کے حضور اور دیدار سے مشرف ہوں۔

۲۔ بعض کہتے ہیں: زمانہ غیبت کبریٰ میں حضرتؑ کے دیدار کے امکان پزیر ہونے کی صورت میں اس غیبت [کبریٰ] اور غیبت صغریٰ میں کیا فرق ہے؟

جواب: غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امام زمانہؑ کلی طور پر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھے، بلکہ اپنے خاص وکیلوں اور نائبین سے رابطہ رکھتے تھے، اور کبھی حضرتؑ کے نواب بعض افراد کو امام مہدیؑ سے ملاقات کا وقت منظم و معین کرتے تھے۔(۱)

لیکن غیبت کبریٰ کے زمانہ میں اس قسم کی ملاقات کے لیے وقت کا تعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ حسب ضرورت، خود حضرتؑ بعض افراد کے دیدار کے لیے آتے ہیں اور وہ حضرتؑ کے وجود ذی جود سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

۳۔ بعض افراد نے حضرت مہدیؑ کی ملاقات سے مشرف ہونے کے عدم امکان پر مقام استدلال میں زمانہ غیبت میں، علی ابن محمد سمری کے لیے حضرتؑ کے ارسال کردہ توقیع سے تمسک اختیار کیا ہے۔

اس لیے کہ اس کے ذیل میں یوں ذکر ہوا ہے: " الا فمن ادّعی المشاهدة قبل خروج السفیانی و الصیحة فهو کذّاب مفتر ..."(۲)" آگاہ ہو جاؤ! جو شخص

۱۔ الغیبۃ، طوسی، ص ۲۱۶۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۵۱۔

بھی ندائے آسمانی اور سفیانی کے خروج سے پہلے مشاہدہ کا دعویٰ کرے تو وہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا اور تہمت لگانے والا ہے...۔"

جواب:

الف۔ کسی شخص نے اس روایت کے اطلاق کو قبول نہیں کیا ہے لہذا علما و صلحا کی ایک کثیر جماعت نے حضرتؑ سے اپنی ملاقات کے شرف کو دوسروں سے نقل کیا ہے۔

ب۔ توقیع میں مشاہدہ کے دعویٰ کی تکذیب ہوئی ہے اور مشاہدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ دیدار جو شناخت و معرفت کے ساتھ ہو،(۱) جبکہ ہم جانتے ہیں کہ اکثر ملاقاتیں مرحلۂ اول میں معرفت کے ہمراہ نہیں ہوئی تھیں۔

ج۔ ممکن ہے کہ مشاہدہ کے دعویٰ کا مقصد بالخصوص جھوٹی نیابت کے دعویداروں کے لیے اس روایت کے صادر ہونے کے زمانہ میں ہو کہ جنہوں نے حضرتؑ کے مشاہدے اور دیدار و ملاقات کا دعویٰ بعنوان نائبِ خاص کیا ہو، جب کہ حضرتؑ زمانۂ غیبت کبریٰ میں بڑی تاکید کے ساتھ اپنی نیابت خاص کی نفی کرتے ہیں، بالخصوص اس قرینہ سے جو توقیع مبارک میں ذکر ہوا ہے: "اور عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ ہمارے شیعوں کے درمیان ایسے افراد پیدا ہوں جو [ہمارے] مشاہدے کا دعویٰ کریں...۔"

د۔ شیخ طوسیؒ نے اگر چہ اس توقیع کو نقل کیا ہے مگر انہوں نے خود اس کے عموم پر عمل نہیں کیا ہے اور امت کے نیک افراد کے لیے دیدار کے امکان کے قائل ہوئے ہیں۔

۱۔ مفردات راغب، ص ۲۶۷۔

ھ۔ ممکن ہے کہ مشاہدہ سے مراد، ایسا دیدار ہو کہ جس پر آثار مترتب ہوں۔ اور حقیقت میں، حضرتؑ کا ارادہ یہ ہو کہ اثر مترتب ہونے کو ان ملاقات کے ذریعہ اور وہ باتیں جو ان کے درمیان تھیں اسے برطرف کریں۔

جیسا کہ ایک روایت میں ہم پڑھتے ہیں: ''اگر پچاس افراد تمہارے پاس کسی کے خلاف قسم کھائیں، لیکن اس شخص نے ان لوگوں کے برخلاف بیان دیا، تو اس کے قول کی تصدیق کرو اور ان پچاس افراد کی تکذیب'' یہ پچاس افراد کی قسم پر اثر مترتب کرنے کے معنی میں ہے۔

د۔ روایت کی سند کو بالفرض صحیح تسلیم کر لیں تو وہ ظن و گمان کا فائدہ پہنچاتا ہے، جب کہ حضرتؑ سے ملاقات کے واقعات اس حد تک ہیں کہ انسان کو یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

ذ۔ ممکن ہے توقیع مبارک میں مشاہدہ کا مقصد، اختیاری مشاہدہ کا دعویٰ ہو، اس معنی میں کہ زمانۂ غیبت کبریٰ میں ملاقات اختیاری نہیں ہے، بلکہ ہم جس کے لیے صلاح سمجھیں گے اسے اپنی ملاقات کے شرف سے افتخار بخشیں گے۔

ح۔ توقیع، خبر مرسل ہے لہٰذا سندی لحاظ سے ضعیف ہوگی۔

۴۔ بعض کہتے ہیں: زمانۂ غیبت میں ملاقات کے امکان کا قبول کرنا جھوٹے مہدویت یا نیابت یا وکالت کے رواج کے باعث پیدا ہو گیا ہے اور لوگوں کے لیے عوام فریبی کی علت ہو جاتا ہے۔

ج۔ اگر خارج میں ایک موضوع کے امکان پائے جانے پر قطعی دلیلیں موجود ہوں، تو بعض مشکلات جو بعض مقامات پر ظاہر ہوتی ہیں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ علما کا

فریضہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت کریں، اور حیلہ گر، مکار اور عوام فریب افراد کو ڈرائیں، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ صرف بعض افراد کے نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے کی وجہ سے اصل نبوت کا انکار کر بیٹھیں؟!

بعض کہتے ہیں: قاعدۂ سدّ ذرائع کے مطابق حضرتؑ سے ملاقات کے دعوی کی تکذیب کرنی چاہیے اس لیے کہ یہ معاشرہ میں فتنہ وفساد کا سرچشمہ ہوگا۔

جواب: اہل سنّت کا عقیدہ ہے کہ وہ راستے جو حرام تک اختتام پذیر ہوتے ہیں انہیں مطلقاً مسدود کردینا چاہیے۔ دوسری تعبیر میں، حرام کا مقدمہ مطلقاً اور کلی طور پر حرام ہے، اسی کو قاعدۂ سدّ ذرائع کہتے ہیں۔

لیکن اپنے مقام پر یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مقدمۂ حرام ہمیشہ حرام نہیں ہے، بلکہ اس شخص کے لیے اور ان مقامات پر حرام ہے کہ جہاں ایک کام کے حرام میں مبتلا ہونے کا حتمی یقین ہو کہ وہ حرام میں مبتلا ہوجائے گا۔

ملاقات کے دعوی کے مقامات میں، اگر ایک مقام پر یہ دعوی بعض افراد کے منحرف ہونے کا سبب ہو، اس کا نقل کرنا حرام ہے۔ لیکن عمومی خبروں میں ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کا نقل کرنا حضرتؑ کی بہ نسبت لوگوں کے ایمان کی تقویت کا باعث ہو گا، اگرچہ ممکن ہے بعض افراد سوء استفادہ کریں اور اس قسم کے دعووں کی لالچ کریں، مگر علماء کا فریضہ ہے کہ اس قسم کے افراد کے مقابلہ کے لیے کمر بستہ ہوں اور لوگوں کو ان کے برے مقاصد سے آگاہ کریں۔

۶۔ بعض افراد نے زمانۂ غیبت کبریٰ میں ملاقات کے ممکن نہ ہونے کے لیے استدلال

کرنے میں خاص روایات سے تمسک اختیار کیا ہے منجملہ ان میں سے یہ ہے کہ روایت میں ذکر ہوا ہے: ''لیکن حضرت حجتؑ لوگوں کو پہچانتے ہیں مگر وہ لوگ ان کو نہیں پہچانتے''۔

نیز ایک روایت میں نقل ہوا ہے: ''وہ لوگوں کو دیکھیں گے لیکن لوگ انہیں نہیں دیکھیں گے''۔

جواب:

سب سے پہلے یہ کہ: اس قسم کی روایات کا نفی کرنا عام لوگوں کی بہ نسبت ہے لہذا بعض ممتاز اور نیک افراد کا حضرتؑ سے ملاقات اور ان کی معرفت رکھنے میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

دوسرے یہ کہ: دوسری روایت حج کے متعلق ہے لہذا عمومیت نہیں رکھتی۔

تیسرے یہ کہ: دوسری روایت میں عدم رویت کا مقصد ''لا یعرفونہ'' کے قرینہ سے جو پہلی روایت میں ذکر ہوا ہے، نہ پہچاننا ہے بالخصوص یہ کہ روایت میں، حضرت مہدیؑ کو حضرت یوسفؑ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ لوگ انہیں دیکھنے کے باوجود بھی نہیں پہچانتے تھے۔

۷۔ بعض کہتے ہیں: بنا اس بات پر ہے کہ زمانہ غیبت میں شیعوں کا اپنے امامؑ کا نہ دیکھنے کی وجہ سے امتحان لیا جائے گا اور یہ دعوائے ملاقات اس زمانہ میں تضاد رکھتا ہے۔

جواب: شیعہ کا امتحان شیعہ سماج کے عمومی افراد کے لحاظ سے ہے لہذا خاص مصلحتوں کی بنا پر بعض متقی اور بزرگوں سے ملاقات کا ہونا تضاد نہیں رکھتا۔

لوگوں کی حضرت مہدئ سے ملاقات کی کیفیت

لوگوں کی حضرت مہدئ سے ملاقات کی کیفیت کے متعلق حسب ضرورت چند احتمالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ جو شخص حضرت کی ملاقات سے مشرف ہوا ہے حضرت سے دور نہیں تھا بلکہ ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرتا تھا کہ امام زمانہؑ بھی اسی معاشرہ میں موجود تھے۔

۲۔ ملاقات، اتفاقی طور پر ہوئی تھی، اس طرح کہ حضرتؑ ایک جگہ سے عبور کر رہے تھے اور کسی محتاج کی ضرورت پوری کر رہے تھے تو ضمناً اس سے بھی ملاقات ہو گئی۔

۳۔ یہ کہ جب بھی امامؑ ملاحظہ فرماتے تھے کہ کوئی شخص حاجت مند ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہے اور اس کی حاجت پوری کرنا اور مصیبت دور کرنا ضروری سمجھا تو خود اپنے مکان سے طبیعی طور سے حرکت کرتے تھے اور خود کو اس تک پہونچاتے تھے تاکہ اس کی ضرورت کو پورا کریں۔

۴۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ملاقات حاجت پوری کرنے کے لیے، یا کسی شخص یا گروہ کی ہدایت کے لیے، یا دفع ظلم وغیرہ کے لیے معجزہ کی راہ سے واقع ہوئی ہے، جیسے یہ کہ حضرت طی الارض کے ذریعے اپنے مکان سے حرکت کر کے تیزی سے خود کو منزل مقصود تک پہونچا دیتے ہیں۔ یہ تمام احتمالات متصور ہیں، اس معنی میں کہ حضرتؑ حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے تمام طریقوں سے استفادہ کرتے ہیں۔

عمومی ملاقات کے اہداف

ملاقات کے مقاصد کے متعلق چند بنیادی مقصد کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ مسلمانوں کو بعض منحرف حکّام کے ظلم سے نجات دینا، منجملہ ان میں سے، بحرین کے لوگوں کو نجات دنے والے واقعہ ومقصد کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔(۱)

۲۔ مسلمانوں کو ظالموں اور چوروں سے نجات دلانا۔(۲)

۳۔ لوگوں کو توجہ دلانا کہ ابھی ظہور کی شرط اور مقدمہ فراہم نہیں ہوا ہے اور اس بات پر تاکید دلانا کہ امت کا شعور اور صلاحیت اس حد تک نہیں پہنچی ہے کہ عالمی عادلانہ حکومت کی متکفل ہو سکے۔(۳)

ملاقات کے خصوصی اہداف

ملاقات کے خصوصی اہداف زیادہ ہیں، لیکن ان میں سے بعض ان اہداف کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ایک قافلہ سے چھوٹ جانے والے شخص کی، راستہ میں ہدایت کرنا اور اسے قافلہ والوں سے ملحق کرنا۔

۲۔ دو مباحثہ کرنے والوں میں سے جو راہ حق پر ہو مصلحت کے تقاضے کے مطابق اس کی نصرت کرنا۔

۳۔ علماء کے بعض مشکل مسائل کا حل کرنا، جیسے کہ مقدس اردبیلیؒ اپنے مشکل مسائل کے حل کے لیے حضرتؑ کی خدمت میں پہنچتے تھے۔

۱۔ نجم الثاقب، ص ۳۶۷۔

۲۔ نجم الثاقب، ص ۳۷۰۔

۳۔ تاریخ الغیبۃ الکبریٰ، ص ۱۳۵،۱۳۶۔

۴۔ بعض سیاسی اہم مسائل کے واقع ہونے سے قبل، شیعوں کی مصلحتوں کی حفاظت کے لیے خبر دینا۔

۵۔ شیعوں کی علمی اور معیشتی سطح کو بلند کرنا۔

۶۔ مصیبت میں مبتلا شیعوں کی مالی مدد کرنا۔

۷۔ مفلوج مریضوں کو شفا عنایت کرنا اور جنہیں ڈاکٹروں نے لا علاج بتایا ہو۔

۸۔ لوگوں کی ایک جماعت کو دعاؤں اور اذکار کی تعلیم دینا، جیسے دعائے فرج کی تعلیم دینا۔

۹۔ دعاؤں کی تلاوت کے لیے آمادہ کرنا اور رغبت دلانا تاکہ مصیبتوں سے نجات حاصل ہو سکے۔

اس کے علاوہ اور دوسرے خاص اہداف بھی ہیں۔

امام زمانہؑ سے ملاقات کے موقع پر شناخت کا امکان

حضرت مہدیؑ کی غیبت کے متعلق قواعد عامہ کے مطابق بنا اس بات پر رکھی گئی ہے کہ آپ دشمنوں سے محفوظ رہیں تاکہ کوئی شخص ان کو قتل نہ کر سکے، لہٰذا انہیں کسی شخص کے لیے شناختہ شدہ نہیں ہونا چاہیے مگر لوگوں میں سے خاص ممتاز افراد جو حضرتؑ کے اولیاء و اصحاب میں شمار ہوتے ہوں، جیسا کہ بعض روایات کے مطابق تیس افراد ہمیشہ حضرتؑ کی رکاب میں ہوتے ہیں اور حضرتؑ کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرتؑ یاد کھائی نہیں دیں گے یا دکھائی دینے کی صورت میں کوئی شخص ان کو پہچان نہیں پائے گا۔

امام رضاؑ سے منقول ایک روایت میں ہم پڑھتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: "لا یری

جسمه"(۱) "ان کا جسم مشاہدہ میں نہیں آئے گا"۔

نیز امام صادقؑ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:" الخامس من ولد السابع یغیب عنکم شخصه..."(۲) "وہ ساتویں [امام] کے پانچویں فرزند ہوں گے جو جسمانی طور پر تم لوگوں کی نظروں سے غائب ہوں گے..."۔

نیز روایت ہوئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:" یفقد الناس امامهم،فیشهد الموسم فیراهم ولا یرونه"(۳) "لوگ اپنے امام کو گم کیے ہوں گے پس وہ [موسم] حج میں حاضر ہوں گے اور لوگوں کو دیکھیں گے مگر وہ لوگ ان کو نہیں دیکھ پائیں گے"۔

نیز محمد ابن عثمان عمری کی خبر میں پڑھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:" و اللّه انّ صاحب هذا الامر لیحضر الموسم کلّ سنة یری الناس و یعرفهم و یرونه ولا یعرفونه"(۴) "خدا کی قسم! حضرت صاحب الامرؑ ہر سال حج ادا کرنے کے لیے [موسم] حج میں تشریف لے جاتے ہیں، وہ لوگوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں اور لوگ بھی ان کو دیکھتے ہیں مگر نہیں پہچانتے"۔

۱۔ کمال الدین، ص ۳۷۰۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۲۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۵۱۔

۴۔ کمال الدین، ص ۴۴۰۔

ملاقات کے دعویداروں کی بہ نسبت ہمارا فریضہ

مذکورہ موضوع کے متعلق ہم کہیں گے:

سب سے پہلے یہ کہ: ملاقات کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ انسان کے اختیار میں ہو اور جب کبھی ملاقات کا ارادہ کرے تو اسے حاصل ہو جائے، بلکہ ایک قسم کے شرائط اور خاص مصلحتوں سے وابستہ ہے کہ اگر وہ آمادہ ہو تو حضرتؑ ملاقات کے مقدمات فراہم کر دیں گے۔

دوسرے یہ کہ: اگر کوئی شخص دائمی ملاقات کا مدّعی ہے اور اس طرح اپنی ذات کے لیے اظہار کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ حضرتؑ سے ارتباط رکھتا ہے اور جب کبھی ارادہ کرے تو حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہے اور ان کے اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہو سکتا ہے، ایسا شخص اس توقیع کے مطابق جو حضرتؑ نے علی ابن محمد سمری کو ارسال کی تھی کذاب اور بہت زیادہ جھوٹا ہے۔ لہٰذا اس کی تکذیب کرنی چاہیے۔

تیسرے یہ کہ: ملاقات کے مدّعی کا امتحان لینا چاہیے، کہ کیا اسلامی موازین و احکام کا پابند ہے؟ کیا اس کا مقصد ریاکاری اور لوگوں کو اپنی طرف جذب کرنا اور معاشرہ میں انحراف پھیلانا نہیں ہے؟ وغیرہ وغیرہ، اس لیے کہ نیک لوگوں سے ملاقات کے لیے ابتدائی طور پر خود انسان کو ان لوگوں سے سنخیت پیدا کرنی چاہیے۔

ملاقات کے لیے اصرار

جو کچھ ہم سے مطلوب ہے اور ہمارا زمانہ غیبت میں فریضہ شمار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کوشش کریں تاکہ حضرتؑ کے ظہور کے موانع کو برطرف کریں، حضرتؑ کے ظہور کا زمینہ

فراہم کریں، نیز ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اپنے فریضوں اور دیے گیے احکام پر عمل کریں تا کہ حضرتؑ کی بہ نسبت معنوی قرب حاصل کرسکیں۔

ہاں اگر حضرتؑ سے زمانۂ غیبت میں ملاقات کی درخواست ان کے وجود سے استفادہ اور ان کی خاص عنایت شامل کرنے کے لیے ہے تا کہ انسان کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے اور جو نفس پر ان کی جانب سے تصرف حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے کمالات سے نزدیک ہوسکے۔

تو یہ ملاقات اور اس پر اصرار کرنا مفید ہے، ورنہ یہ زمانۂ غیبت ہے اور بنا اس بات پر ہے کہ امام زمانہؑ لوگوں کی نظروں سے غائب رہیں، تا کہ جب بھی مصلحت تقاضا کرے کہ کسی ایک مقام پر ظہور کریں اور کوئی شخص حضرتؑ کی ملاقات سے مشرف ہو۔ لہذا صبر کرنا چاہیے اور ایسے حساس موقع میں جو امتحان کا زمانہ ہے اپنے فرائض پر اچھی طرح عمل کریں تا کہ امتحان سے سرفرازی حاصل کرسکیں۔

ہاں، اگرچہ بعض دعائیں ظاہری طور پر حضرتؑ سے ملاقات کی تقاضا مند نظر آتی ہیں مگر انہیں زمانۂ ظہور میں ملاقات پر حمل کیا جاسکتا ہے۔

حضرتؑ کے دیدار سے مشرف ہونے والے

اب ہم نمونے کے طور پر حضرت حجۃ ابن الحسن العسکریؑ کے دیدار سے زمانۂ غیبت میں مشرف ہونے والوں کے نام ذکر کریں گے:

ا۔ سید ابن طاووسؒ

سید ابن طاووس ؒ کتاب ''مہج الدعوات'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''میں سامرا میں موجود تھا

تو میں نے سحر کے وقت حضرت قائمؑ سے ایک دعا سنی۔ اس دعا کو میں نے حفظ کرلیا کہ جس میں زندوں اور مردوں کا تذکرہ تھا، منجملہ ان میں سے حضرتؑ کا یہ فقرہ بھی تھا جسے انہوں نے خداوند متعال سے عرض کیا:" و ابقهم او قال: واحيهم في عزّنا و ملكنا او سلطاننا و دولتنا" "انہیں باقی رکھ۔ یا یہ فرمایا: ہماری عزت وسلطنت یا ہماری حکومت میں انہیں باقی وزندہ رکھ"۔ یہ ۱۳ ذی قعدہ ۶۳۸ھ ق کی بدھ (چہار شنبہ) کی شب تھی۔(۱)

۲۔ بزرگوں میں سے ایک شخص

کاشف الرموز شیخ عز الدین حسن ابن ابو طالب یوسفی عرفیت فاضل آبی، صاحب "الشرائع" محقق مرحوم کے شاگردوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنے استاد کی کتاب "مختصر النافع" پر "کشف الرموز" نامی ایک شرح تحریر کی، جو اخلاقی مسائل میں سے ایک مسئلہ کے حاشیہ پر علاقۂ زوجیت سے مربوط ہے وہاں تحریر فرماتے ہیں: " و كان فاضل منّا شريف يذهب اليه۔ يعني التحريم۔ و يدّعي انه سمع ذلك مشافهة عمّن قوله حجة" (۲) "ہمارے شیعہ علماء کے گروہ میں سے ایک فاضل اور شریف شخص تھے حرمت کا فتویٰ صادر کیا اور ادّعا کرتے تھے کہ اس قول کو ایسے شخص سے براہ راست سنا ہے جن کا قول حجت ہے"۔ یعنی امام زمانہؑ۔

۱۔ مہج الدعوات، سید ابن طاووس، ص ۲۹۶۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۶۱، ح ۵۰۔
۲۔ کشف الرموز، ج ۲، ص ۱۰۵۔ مستمسک العروۃ الوثقیٰ، ج ۱۴، ص ۶۲، گزشتہ کتاب سے ماخوذ۔

۳۔علامہ حلیؒ

شہید قاضی نور اللہ شوشتریؒ نے کتاب ''مجالس المومنین'' میں علامہ حلیؒ کی سوانح عمری میں تحریر کیا ہے:'' آپ کے منجملہ عالی مقامات میں سے یہ ہے کہ اہل ایمان کے نزدیک مشہور ہے کہ علمائے اہل سنت میں سے بعض نے علامہ حلی کے پاس بعض علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی ،اور ایک کتاب شیعوں کی رد میں تالیف کی اور اس کو لوگوں کے درمیان سناتے اور ان کو گمراہ کرتے تھے۔لیکن اس خوف سے کسی کے ہاتھ میں نہیں دیتے تھے کہ کہیں کوئی عالم اس کا جواب لکھ بیٹھے۔علامہ حلیؒ نے اس سے عاریتاً لینے کی درخواست کی کہ انہیں اس صورت میں مل جائے گی ،وہ سنی مسلک شخص جواب دیتا ہے: میں نے اپنی ذات سے یہ عہد وپیمان کر رکھا ہے کہ ایک رات سے زیادہ کسی کے ہاتھ میں یہ کتاب نہیں دوں گا۔

علامہ نے اتنی ہی فرصت کو غنیمت سمجھا اور کتاب کو اس کے مولف سے لے کر اپنے گھر آئے تا کہ جس قدر ہو سکے اس کی نقل کر لیں۔تحریر کرتے رہے یہاں تک کہ جب نصف شب ہو گئی اور نیند نے ان پر غلبہ حاصل کرنا شروع کیا، تو حضرت حجتؑ حاضر ہوئے اور فرمانے لگے: اس کتاب کی تحریر کرنے کی ذمہ داری مجھے دو اور تم جاؤ آرام سے سو جاؤ۔چند گھنٹوں کے آرام کے بعد جب بیدار ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حضرت مہدیؑ کے اعجاز سے مکمل کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی ہے۔''(۱)

۱۔مجالس المومنین، قاضی نور اللہ شوشتری، ج ۳،ص ۵۷۳۔

۴۔ ایک اور دیدار سے مشرف ہونے والی شخصیت

مرزا تنکابنی کتاب ''قصص العلماء'' میں علامہ حلیؒ کے حالات زندگی میں تحریر فرماتے ہیں: ''علامہ کی حضرت صاحب الزمانؑ سے ملاقات مشہور ہے اور میں آخوند ملا صفر علی لاھیجی سے نقل کر رہا ہوں کہ وہ اپنے استاد مرحوم سید محمد، صاحب مناہل فرزند سید علی، صاحب ریاض سے ناقل ہیں کہ: ''علامہ حلی اپنی فطرت وعادت کے مطابق ہر شب جمعہ مسلسل سید الشہداؑ کی زیارت کے قصد سے گدھے پر سوار ہو کر جایا کرتے تھے ایک مرتبہ اسی طرح تنہا اپنی سواری پر سوار چلے جا رہے تھے اور ہاتھ میں چھوٹا تازیانہ لیے ہوئے تھے تاکہ اپنی سواری کو اس سے ہنکاتے رہیں۔ ناگاہ ایک عرب شخص کا مشاہدہ کیا جو اثنائے راہ ان سے ملحق ہو گیا جب کہ وہ سواری کے بغیر کربلا کی سمت رواں دواں تھا۔ اس وقت دونوں حدیث کے متعلق گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ علامہ نے اس عرب شخص کی فضیلت اور علمی تبحر کو سمجھ لیا تو انہوں نے اپنی علمی مشکلات کو ایک ایک کر کے ان سے دریافت کرنا شروع کیا اور وہ شخص نہایت آسانی سے تمام مشکلات کو حل کرتا چلا گیا اور کافی وشافی جواب مرحمت فرمایا یہاں تک کہ ایک فتویٰ علامہ نے اپنے نظریہ کے برخلاف اس شخص سے سنا تو علامہ نے ان سے عرض کیا: اس فتویٰ کے مطابق ہماری حدیث کے مصادر و مآخذ میں کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔ اس عرب شخص نے ان سے کہا: اس سلسلہ میں ایک حدیث شیخ طوسیؒ کی کتاب ''تہذیب'' کے اس باب میں موجود ہے اس کتاب کی طرف مراجعہ کرو اور یہ حدیث فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں تمہیں دست یاب ہو جائے گی۔

علامہ کو اس عرب کی علمی شخصیت سے تعجب ہوا لہٰذا ان سے سوال کرتے ہیں کہ زمانہ

غیبت کبریٰ میں صاحب الامر سے ملاقات کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ اسی اثنا میں علامہ کے ہاتھ سے تازیانہ گر جاتا ہے۔ وہ عرب شخص جھک کر اسے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر علامہ کو دیتا ہے اور کہتا ہے: کیونکر صاحب الامر کی زیارت ممکن نہیں ہو سکتی جبکہ ان کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے؟! علامہ بے اختیار ہو کر سواری سے نیچے آئے اور آپ کے قدموں پر خود کو گرا دیا بوسہ لینا شروع کیا، اور ایسی حالت منقلب ہوئی کہ غش آ گیا، جب ہوش میں آئے کسی کو نہیں دیکھا، پھر جب اپنے گھر پہنچے تو تیزی سے شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب کی طرف گئے اور اس حدیث کو تلاش کرنا شروع کیا جس کا حوالہ حضرت صاحب الامرؑ نے دیا تھا اسے اسی صفحہ اور اسی سطر میں موجود پایا جس کی انہوں نے نشان دہی کی تھی۔ لہٰذا ''تہذیب'' کے حاشیہ میں علامہ نے اس تحریر کا اضافہ کیا: ''یہ وہ حدیث ہے کہ جس کی سطر اور صفحہ کی نشان دہی حضرت صاحب الامرؑ نے کی تھی''۔

اس وقت تنکابنی رحمۃ اللہ علیہ آخوند لاھیجی کا قول نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے: ''میں نے اس کتاب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور اس حدیث کے حاشیہ پر علامہ کی تحریر اسی مضمون کے ساتھ جیسا کہ ذکر ہوا موجود ہے''۔(۱)

۵۔ شیخ قطیفیؒ

شیخ ابراہیم قطیفی محقق ثانی کے زمانہ کے مشہور و معروف شیعہ علماء و مجتہدین میں سے ایک ہیں۔ سید محسن امین کتاب ''اعیان الشیعہ'' میں ان کے حالاتِ زندگی میں تحریر فرماتے ہیں: ''میں ان کے سال وفات سے مطلع نہیں ہو سکا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ۹۴۴ھ ق میں

۱۔ قصص العلماء، ص ۳۵۹۔

زندہ وسلامت تھے اور بہت سے علمی آثار، کتب اور متعدد تصانیف کے مالک تھے“۔

بعض اہل بحرین سے نقل کیا گیا ہے کہ امام زمانہ ان کے پاس ایسے شخص کی صورت میں تشریف لاتے تھے کہ وہ انہیں پہچانتے تھے اور ان سے دریافت کیا کہ قرآن میں مواعظ میں سب سے زیادہ عظیم آیت کون سی ہے؟ شیخ نے ان کے جواب میں اس آیت کی تلاوت کی:” انّ الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقیٰ فی النار خیر ام من یاتی آمناً یوم القیامۃ اعملوا ما شئتم انّہ بما تعملون بصیر “(۱)”یعنی جو لوگ ہماری آیتوں میں تحریف کرتے ہیں وہ ہم سے کسی طرح پوشیدہ نہیں بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے روز بے خوف وخطر ہو کر آئے گا اچھا جو چاہو کرو مگر جو کچھ کرتے ہو خدا اس کو ضرور دیکھ رہا ہے“۔ یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا: اے شیخ! سچ کہا...“۔(۲)

۶۔ مقدس اردبیلیؒ

محدث جزائری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:”علم وعمل کی رو سے میرے موثق ترین اساتذہ نے بیان کیا: مقدس اردبیلی کا ایک ایسا شاگرد تھا جو اہل تفرش سے تھا جس کا نام میر علام یا فیض اللہ تھا۔ یہ بہت متقی و پرہیزگار اور بافضل شخص تھا۔

۱۔ سورۂ فصلت، آیت ۴۰۔

۲۔ ریاض العلماء، ج ۱، ص ۱۸۔ الکنیٰ و الالقاب، ج ۳، ص ۶۷۔ جنۃ الماوی مطبوعہ ہمراہ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۲۵۵۔

اس شاگرد کا بیان ہے: مدرسہ میں میرا کمرہ حضرت علیؑ کے صحن مطہر سے نزدیک تھا۔ ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ میں مطالعہ سے فارغ ہوا تو رات کافی گزر چکی تھی میں کمرہ سے باہر آیا وہ رات بہت تاریک تھی۔ میں نے اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ حرم مطہر امیر المومنینؑ کی طرف چلا آرہا ہے مجھے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ کوئی چور آیا ہے تاکہ حضرت علیؑ کے روضہ کی قندیلوں کو چرا کر لے جائے چنانچہ میں نے اس کا تعاقب کیا اس طرح کہ میں اس کا مشاہدہ کر رہا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ رہا تھا، وہ حرم کے دروازہ کی جانب پہنچا اور کھڑا ہوگیا، میں نے دیکھا تالا خود بخود کھل کر زمین پر گر گیا یہاں تک کہ وہ شخص قبر حضرت امیر المومنینؑ کے مقابل پہنچ گیا اور حضرتؑ کو سلام کیا، ناگاہ میں نے سنا کہ حضرتؑ کی قبر کی طرف سے اسے سلام کا جواب دیا گیا۔ میں نے سنا کہ حضرت امیر المومنینؑ سے کسی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، اس وقت شہر نجف سے مسجد کوفہ کا رخ کیا اور میں بھی خاموشی کے ساتھ ان کے پیچھے چل پڑا اس گمان میں کہ انہوں نے یقیناً مجھے نہیں دیکھا۔ پھر جب وہ محراب مسجد کوفہ میں پہنچے تو میں نے ان کی آواز سنی کہ اسی مسئلہ کے متعلق کسی شخص سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ پھر وہ وہاں سے نجف کی طرف واپس چل دیے میں بھی ان کے پیچھے واپس آیا۔ جب وہ شہر نجف کے دروازہ تک پہنچے تو صبح ہوگئی تھی، (چونکہ میں ان کے پیچھے تھا اس لیے انہوں نے اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا) اب میں خود ان کے سامنے آیا اور اپنا تعارف کرایا نیز عرض کیا کہ: اے میرے مولا! میں اول شب سے لے کر آخر تک آپ کے ہمراہ تھا، آپ مجھے یہ بتائیں کہ حضرت علیؑ کے گنبد کے نیچے آپ کس سے محو گفتگو تھے نیز مسجد کوفہ میں آپ سے وہ دوسرا کون شخص ہم کلام تھا؟

انہوں نے مجھ سے عہد و پیمان لیا کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی سے میرے راز کو فاش نہ کرنا پھر اس وقت فرمایا: اے میرے بیٹے! بعض مسائل میرے لیے مشتبہ ہو جاتے ہیں تو میں راتوں کو اپنے مولا امیر المومنینؑ کی قبر مطہر پر جا کر ان سے ان مسائل کے متعلق گفتگو کرتا ہوں اور ان کے جوابات روضۂ اقدس سے سنتا ہوں، لیکن آج کی شب انہوں نے مجھے میرے مولا حضرت صاحب الزمانؑ کا حوالہ دیا اور مجھ سے فرمایا: یقیناً آج کی شب میرا فرزند مہدیؑ مسجد کوفہ میں موجود ہے ان کی خدمت میں جاؤ اور اس مسئلہ کے متعلق ان سے سوال کرو وہ شخص وہی مہدیؑ تھے''۔(۱)

۷۔ مجلسی اولؒ

آخوند ملا محمد تقی مجلسیؒ گیارہویں صدی ہجری کے مشہور شیعہ علماء میں سے ایک عالم تھے۔

آپ اپنی ''روضۃ المتقین'' نامی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: ''... جب خداوند متعال نے مجھے زیارت امیر المومنین علیؑ کی توفیق مرحمت فرمائی تو میں نے روضۂ اقدس کے اطراف میں خدمت شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے میرے مولا کی برکت سے کچھ ایسے مکاشفات کے دروازے میرے لیے وا ہوئے کہ جن کو کمزور عقلیں تحمل نہیں کر سکتیں۔ جس وقت میں عمران نامی رواق میں تھا تو میں نے مشاہدہ کیا کہ میں سامرہ میں ہوں اور وہاں کے روضۂ اقدس کو نہایت بلندی پر مزین کیا ہوا دیکھا، اس وقت حضرات عسکریین علیہما السلام کی مبارک قبروں پر سبز بہشتی لباس پڑا ہوا تھا، اس لیے کہ اس کے مشابہ دنیا میں میں

۱۔ الانوار النعمانیہ، ج ۲، ص ۳۰۲۔

نے لباس نہیں دیکھا تھا۔ اسی حالت میں میں نے آپ سب کے اور اپنے مولا صاحب العصر والزمانؑ کا مشاہدہ کیا کہ قبر مبارک پر تکیہ کیے ہوئے تشریف فرما ہیں اور ان کا چہرۂ مبارک دروازہ کی طرف ہے۔ میں نے حضرتؑ کو دیکھتے ہی مداحوں کی طرح بلند آواز سے زیارت پڑھنی شروع کر دی جب وہ ختم ہوئی تو حضرتؑ نے فرمایا: کیا خوب زیارت ہے۔ میں نے عرض کیا: اے میرے مولا! ہماری جان آپ پر قربان! آپ کے جدّ بزرگوار کی زیارت؟ حضرتؑ نے اپنا چہرۂ انور قبر مطہر کی طرف کیا اور فرمایا: ہاں، اندر آؤ، جب روضۂ اقدس میں پہنچا تو میں دروازہ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: آگے آؤ۔ میں نے عرض کیا: اے میرے مولا! بے ادبی کی وجہ سے مجھے کافر ہو جانے کا خوف لاحق ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: اگر ہماری اجازت سے ہو تو کوئی مشکل اور قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ پھر ذرا سا میں آگے بڑھا اور ایسی حالت میں کہ میں خائف ولرزہ براندام تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا: اور آگے آؤ۔ میں آگے بڑھا حضرتؑ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا: اے میرے مولا! مجھے خوف لاحق ہے۔ فرمایا: خوف نہ کرو۔ پھر جب میں غلاموں کی طرح اپنے عظیم آقا کے مقابل بیٹھ گیا تو حضرتؑ نے فرمایا: آرام سے چار زانو ہو کر بیٹھو، کیونکہ تم خستہ حال ہو چکے ہو اور پا پیادہ یہاں تک آئے ہو... خلاصۂ کلام یہ کہ اس عظیم آقا کی طرف سے اپنے بندہ کے لیے بڑی مہربانیاں اور لطیف باتیں عنایت ہوئیں کہ جس کا شمار کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے اور میں ان میں سے اکثر باتیں بھول چکا ہوں...“۔(۱)

۱۔ روضۃ المتقین، ج ۵، ص ۴۵۰۔ بحار الانوار، ج ۱۰۲، ص ۱۱۳، ۱۱۴۔

۸۔ سید مہدی بحر العلومؒ

محدث نوریؒ تحریر فرماتے ہیں: ''مجھ سے عالم فاضل، صالح وزاہد مرزا حسین لاہجی جو امام علیؑ کے روضۂ مطہر کے مجاور تھے اور ان کا شمار علماء کے نزدیک متقی اور موثق افراد میں ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مولانا زین العابدین سلماسی قدس اللہ روحہ نے نقل کیا ہے کہ ایک دن علامہ بحر العلوم اعلی اللہ مقامہ جب حرم امیر المومنینؑ میں آئے تو لحن کے ساتھ اس شعر کو پڑھنا شروع کیا:

چه خوش است صوت قرآن ز تو دلربا شنیدن
به رخت نظاره کردن سخن خدا شنیدن

یعنی مولا! آپ کے قرآن پڑھنے کی کیسی پیاری آواز آرہی ہے سامانِ سفر کا نظارہ کرنا اور کلام اللہ کا سننا۔

جب ان سے اس شعر کے پڑھنے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا: جب حرم مطہر میں آیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت حجتؑ قبر مبارک کے سرہانے بیٹھے ہوئے بلند آواز کے ساتھ قرآن پڑھ رہے ہیں جس کو سن کر فوراً میں نے بھی یہ مصرعہ پڑھا...''۔(۱)

۹۔ سید جمال الدین گلپایگانیؒ

آیت اللہ علامہ تہرانیؒ آقا سید جمال الدینؒ سے نقل فرماتے ہیں: میری جوانی کے دنوں میں جب ان کی تعلیم کا سلسلہ اصفہان میں تھا، ان کے استاد اخلاق اور مربّی، مرحوم آخوند کاشانی اور جھانگیر خان قشقائی تھے وہ جب نجف اشرف کی زیارت سے مشرف

۱۔ جنۃ الماوی، مطبوعہ ہمراہ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۳۰۲۔ النجم الثاقب، ص ۷۹۔

ہوئے، تو ان کے استاد آقا سید جوادؒ بھی ہمراہ تھے، اور فرماتے تھے: وہ شخص تیز اور بھاری بھرکم شخصیت کا مالک تھا، کہتا تھا: اگر عالم بالا سے مجھے اجازت دیں، تو شاہ راہوں پر کرسی لگا کر اس پر کھڑا ہو جاؤں گا، اور لوگوں کو وحدانیت و معرفت خداوندی کی طرف دعوت دوں گا۔ اور ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ رحمت خدا سے جا ملے، اور میں نے مرحوم آیت اللہ اور مربی اخلاق آقا شیخ علی محمد نجف آبادی کی طرف رجوع کیا، انہی کے دستورات پر عمل کرتا تھا، کافی مدت اس موضوع کی گزر چکی تھی، اور میں ان کی تعلیم و تربیت کے ماتحت تھا۔

یہاں تک کہ میں ایک شب حسب معمول مسجد سہلہ عبادت کے لیے آیا اور میری عادت یہ تھی کہ استاد کے حکم کے مطابق ہمیشہ راتوں کو مسجد سہلہ جاتا تھا، سب سے پہلے نماز مغرب وعشا بجالاتا تھا، پھر مسجد سہلہ کے مقامات کے ماثورہ اعمال انجام دیتا تھا، اس کے بعد جو کچھ میرے رومال میں روٹی وغیرہ ہوتی تھی طعام کے عنوان سے کھولتا تھا اور کچھ مقدار میں تناول کرتا۔ اس وقت مختصر آرام کر کے سو جاتا تھا، پھر اذان صبح سے کچھ گھنٹے پہلے بیدار ہو جاتا تھا، نماز و دعا اور ذکر وفکر میں مشغول ہو جاتا تھا، اذان صبح کے وقت نماز صبح ادا کرتا تھا، طلوع آفتاب کی ابتدا تک اپنے بقیہ وظائف و اعمال کو مسلسل بجالاتا پھر نجف اشرف کی طرف واپس آتا تھا۔

اس رات میں نے نماز مغرب وعشا اور مسجد کے اعمال بجالایا، اور تقریباً رات کے دو گھنٹے گزر چکے تھے، جیسے میں بیٹھا اور اپنے رومال کو کھولا تا کہ کوئی چیز کھاؤں، ابھی میں کھانے میں مشغول نہیں ہوا تھا کہ نالہ و مناجات کی آواز میرے گوش گزار ہوئی اور میرے علاوہ اس شب کی تاریکی میں مسجد میں کوئی اور شخص موجود نہیں تھا۔

یہ آواز شمالی حصہ سے، مسجد کی دیوار کے درمیان، مقام امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے بالکل سامنے سے شروع ہوئی اور اتنی زیادہ پر کشش وجذاب سوز وگداز اور نالے کے ہمراہ نیز عربی وفارسی اشعار، مناجاتیں اور عالیۃ المضامین کی دعائیں تھیں جو پوری طرح سے میرے وجود اور ذہن کو اپنی طرف متوجہ کیے ہوئے تھیں۔ میں یہ سن کر روٹی کا ایک ٹکڑا نہ کھا سکا اور میرا رومال اسی طرح کھلا رکھا ہوا تھا اور میں نہ ہی آرام کر سکا اور نہ ہی سو سکا، ساتھ ہی ساتھ میں اپنی نماز شب، دعا اور ذکر وفکر کو بھی نہیں بجالا سکا۔ اور میں اسی طرح اسی کی طرف متوجہ تھا۔

آواز دینے والا گھنٹوں گریہ ومناجات میں مصروف تھا، پھر خاموش ہو جاتا تھا، مختصر وقفہ کے بعد دوبارہ پڑھنے اور درد دل کرنے میں مشغول ہو جاتا تھا، پھر آرام کرتا تھا اور پھر گھنٹوں مشغول رہتا تھا اور آرام کرتا تھا۔ اور ہر مرتبہ جب پڑھنا شروع کرتا تھا تو چند قدم آگے بڑھتا تھا، اس طرح اذان صبح کا وقت نزدیک ہوا، میں مقام امام زمانہؑ ارواحنا الفداہ کے سامنے پہنچا ہی تھا کہ اس حالت میں حضرتؑ سے خطاب فرمایا، اور طولانی گریہ کے بعد، نہایت دل خراش سوز ونالہ کے ساتھ اشعار کے ذریعہ آنحضرتؑ سے ہم کلام ہوتا تھا۔

ما بدیں در، نہ پی حشمت و جاہ آمدہ ایم

از بد حادثہ اینجا بہ پناہ آمدہ ایم

رہروِ منزل عشقیم و ز سر حد عدم

تا بہ اقلیم وجود این ہمہ راہ آمدہ ایم

سبزۂ خطّ دیدیم وزبستان بہشت

بہ طلب کاری این مہر گیاہ آمدہ ایم

با چنین گنج کہ شد خازن او روح امین

بہ گدائی بہ درخانۂ شاہ آمدہ ایم

لنگر حلم تو ای کشتی توفیق کجاست؟

کہ درین بحر کرم، غرق گناہ آمدہ ایم

آبرو می رود ای ابر خطا شوی ببار

کہ بہ دیوان عمل نامہ سیاہ آمدہ ایم

حافظ این خرقۂ پشمینہ بینداز کہ ما

از پی قافلہ با آتش آہ آمدہ ایم

میں اس دروازہ پر جاہ و حشمت طلب کرنے نہیں آیا ہوں

بلکہ برے حادثات سے یہاں پناہ لینے آیا ہوں

منزل عشق کا راہی ہوں اور سرحد عدم سے

ملک و جود تک ان راستوں کو طے کر کے آیا ہوں

آپ کے خطّ سبز کو میں نے دیکھا اور باغ جنت سے

اس مہر و محبت کا سبزہ طلب کرنے آیا ہوں

اس قسم کے خزانہ سے کہ جس کے خازن جبرئیل ہوئے

خانۂ شاہ میں گدائی کے لیے آیا ہوں

اے حلم و صبر کے لنگر! توفیق کی کشتی کہاں ہے؟

کہ اس بحر کرم میں گناہوں میں غرق آیا ہوں

اے خطاؤں کے بادل میری آبرو جاتی رہی ہے برس کر مجھے صاف کر دے

کہ میں اپنے سیاہ نامۂ اعمال کے ہمراہ آیا ہوں

اے حافظ اس ادنیٰ اعلیٰ درجہ کے کپڑے کو ہٹا دو

کہ میں قافلہ کے پیچھے آہوں کی سوزش لے کر آیا ہوں

اس کے بعد خاموش ہو گیا اور کچھ نہیں کہا، اور تاریکی شب میں چند رکعت نماز ادا کی یہاں تک کہ سپیدی صبح نمودار ہوئی۔ اس وقت نماز بجالایا اور اپنی تعقیبات نیز ذکر و فکر میں مشغول ہوا یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوا۔ اس وقت وہاں سے اٹھ کر مسجد سے باہر نکلا۔ اور میں اس رات مکمل طور پر بیدار تھا پھر بھی اپنے تمام امور نہیں انجام دے سکا، اور میں اسی میں مبہوت و حیرت زدہ تھا۔ جب میں نے مسجد سے باہر آنے کا قصد کیا تو وہاں کے بڑے خادم سے کہ جس کا کمرہ مسجد سے باہر مشرقی سمت میں واقع تھا، اس سے دریافت کیا یہ شخص کون تھا؟ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟! جواب دیا: ہاں! یہ شخص وہ ہے جس کا نام سید احمد کربلائی ہے، بعض خلوت کی راتوں میں جب مسجد میں کوئی شخص موجود نہیں ہوتا تو وہ آتا ہے اور اس کی یہی حالت و کیفیت ہوتی ہے جو تم نے ملاحظہ کی۔

رجعت عقلی اور نقلی نقطۂ نظر سے

مقدمہ

شیعہ امامیہ معتقد ہیں کہ مہدیؑ موعود کے ظہور اور حکومت عدل الٰہی تمام عالم میں قائم ہونے کے بعد اولیاء الٰہی اور خاندان رسالت کے محبوں اور بعض خاندان وحی و نبوت کے دشمنوں کو (جو دنیا سے جا چکے ہیں) دنیا ہی میں دوبارہ پلٹایا جائے گا۔ اولیاء الٰہی اور صالحین حق و عدل کی حاکمیت تمام کرۂ ارض میں دیکھ کر خوش حال ہوں گے اور اپنے نیک اعمال اور ایمان کے ثمرات و نتائج کا دنیا میں مشاہدہ کریں گے، دشمنان اہل بیتؑ بھی خاندان رسالت پر روا رکھے گئے تمام ظلم و ستم کی سزا اسی سرائے فانی میں دیکھیں گے۔ اگر چہ وہ قیامت میں اپنے آخری کیفر کردار کی جزا پائیں گے۔

رجعت کا قول امامیہ عقائد میں سے ہے

عقیدۂ رجعت، ان بنیادی مباحث میں سے ہے جو شیعہ امامیہ مذہب کے آغاز و ظہور کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے اور اس پر اعتقاد رکھنا مکتب اہل بیتؑ کے امتیازات اور خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے۔ لہٰذا اہل سنت کی رجالی کتابوں میں مراجعہ کرنے کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ شیعہ امامیہ کو اس عقیدہ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اصحاب ائمہؑ کے درمیان بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض افراد نے اپنے مخالفین کے ہمراہ اس مسئلہ میں

مباحثات انجام دیے ہیں، جیسے مومن طاق اور ابو حنیفہ کی باہمی بحث، اسی دلیل سے طول تاریخ میں شیعہ علما نے اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے کتابیں تحریر کیں۔ منجملہ ان میں سے شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰؒ، علامہ مجلسیؒ، شیخ حر عاملیؒ اور دوسرے علما کا نام لیا جاسکتا ہے۔

رجعت کا مفہوم

رجعت لغت میں بازگشت کے معنی میں ہے، اور اصطلاح میں امام مہدیؑ کے عالمی قیام کے بعد صبح قیامت آنے سے پہلے لوگوں میں سے ایک جماعت کا اسی دنیا کی طرف بازگشت کرنا ہے۔

۱۔ شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں: ''انّنا نعتقد بشأن الرجعة انّ هذه الحادثة ستقع حتماً''(۱)

''ہمارا اعتقاد رجعت کے متعلق یہ ہے کہ یہ واقعہ عنقریب نہ کہ تاخیر سے حتما اور یقیناً واقع ہوگا''۔

۲۔ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: ''... انّ اللّٰه تعالىٰ يحشر قوما من امّة محمد ـ صلى اللّٰه عليه و آله ـ بعد موتهم قبل يوم القيامة، و هذا مذهب يختصّ به آل محمد ـ صلى اللّٰه عليه و آله ـ و القرآن شاهد به ...'' (۲) ''اللہ تعالیٰ امت محمدؐ سے چند لوگوں کو مرنے کے بعد صبح قیامت سے پہلے قبروں سے اٹھائے گا اور یہ آل محمد علیہم السلام کے مذہب کے خصوصیات میں سے ہے نیز قرآن اس بات کا شاہد ہے''۔

۱۔ اعتقادات صدوق۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۳۶، (المسائل السرویۃ سے نقل شدہ، ص ۳۲)۔

۳۔ سید مرتضیٰؒ فرماتے ہیں: ''انّ الذی تذھب الشیعۃ الامامیۃ الیہ انّ اللّٰہ تعالیٰ یعید عند ظھور امام الزمان المھدیؑ قوماً ممّن کان قد تقدم موتہ من شیعتہ، لیفوزوا بثواب نصرتہ و معونتہ و مشاھدۃ دولتہ، ویعید ایضاً قوماً من اعدائہ لینتقم منھم..." (۱) ''شیعۂ امامیہ کے اعتقادات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امام مہدیؑ کے ظہور کے وقت شیعوں میں سے ایک گروہ کو جو پہلے مر چکے ہوں گے ان کو دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجے گا تا کہ وہ امام زمانہؑ کی نصرت و مدد کا بھی ثواب حاصل کریں اور اپنی آنکھوں سے ان کی حکومت کا مشاہدہ کر کے خوش حال ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں سے بھی ایک گروہ کو دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجے گا تا کہ شیعہ مومنین ان سے اپنا انتقام لیں''۔

۴۔ شیخ محمد رضا مظفرؒ فرماتے ہیں: ''انّ الذی تذھب الیہ الامامیۃ ـ اخذاً بما جاء عن آل البیتؑ ـ انّ اللّٰہ یعید قوماً من الاموات الی الدنیا فی صورھم الّتی کانوا علیھا، فیعزّ فریقا و یذلّ فریقاً آخر... ذالک عند قیام مھدی آل محمد علیہ و علیھم افضل الصلاۃ و السلام" (۲) ''جو کچھ شیعہ حضرات رجعت کے متعلق (اہل بیتؑ کی پیروی میں) اس کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ ہے کہ خداوند عالم مردوں کے ایک گروہ کو صبح قیامت سے پہلے جن صورتوں میں وہ موجود تھے واپس پلٹائے گا: ان میں سے بعض افراد کو عزیز و سر بلند اور بعض لوگوں کو ذلیل و رسوا کرے گا... اور یہ رجعت مہدیؑ آل محمدؐ کے ظہور کے وقت (ان پر اور آل محمدؐ پر بہترین درود و سلام) ہوگی''۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۳۸ (بنقل رسائل المرتضیٰ، ج ۱، ص ۱۲۵)۔ ۲۔ عقائد الامامیہ، ص ۱۰۸۔

رجعت کی ایک تقسیم

سید محمد صدرؒ نے کتاب بحث حول الرجعۃ میں رجعت کی دو تقسیم بیان کی ہے:

۱۔ رجعت معنوی (اخروی): اس معنی میں کہ فلسفہ حکمت میں ثابت ہو چکا ہے کہ تمام موجودات و اشیاء، رشد و نمو کی حالت میں برقرار رہیں، ہمیشہ کمال مطلق اور ایک نقطۂ آغاز کی طرف متوجہ ہیں جو وہاں سے اس کائنات میں آئی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: " الی اللہ ترجع الامور "(۱) "خدا ہی کی طرف تمام امور کی بازگشت ہوتی ہے" "انّ الی ربّک الرجعی "(۲) "بیشک آپ کی رب کی طرف واپسی ہے" "و انّ الی ربّک المنتھی" (۳) "اور بیشک سب کی آخری منزل پروردگار کی بارگاہ ہے" "انّا للہ و انّا الیہ راجعون " (۴) "ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں"۔

رجعت کا یہ معنی مسلمانوں کے نزدیک اتفاقی ہے۔

۲۔ مادی و ظاہری (دنیوی) رجعت: اس قسم کی رجعت (جس کے متعلق قرآن نے بھی اشارہ کیا) سے مراد یہ ہے کہ مردوں کا دنیا میں اعمال انجام دینے کے لیے واپس آنا۔ (۵)

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۰۔

۲۔ سورۂ علق، آیت ۸۔

۳۔ سورۂ نجم، آیت ۴۲۔

۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۶۔

۵۔ بحث حول الرجعۃ، ص ۸۔۱۲۔

رجعت: مذہب کا ضروری و لازمی اعتقاد

ا۔شیخ حر عاملیؒ فرماتے ہیں:"انّ ثبوت الرجعة من ضروريات مذهب الامامية عند جميع العلماء المعروفين و المصنفين المشهورين ،بل يعلم العامة انّ ذلک من مذهب الشيعة" (ا)"یقیناً رجعت کا ثابت ہونا تمام مشہور و معروف علماء و مصنفین کے نزدیک ضروریات مذہب شیعہ میں سے ہے، بلکہ اہل سنت بھی بخوبی جانتے ہیں کہ یہ عقیدہ شیعہ مذہب کا ایک جزء ہے"۔

۲۔علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں:" اذا لم يكن مثل هذا متواترا ففي ایّ شيء يمكن دعوى التواتر ..." (۲)"اب اگر عقیدۂ رجعت کے متعلق روایات کے بارے میں متواتر ہونے کا حکم نہ لگایا جائے تو پھر کس موضوع کے لیے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے..."۔

۳۔نیز فرماتے ہیں:" انّ الاعتقاد بالرجعة قد اجمعت عليه الشيعة في جميع الاعصار و اشتهرت بينهم كالشمس في رابعة النهار " (۳)"یقیناً تمام زمانے میں رجعت کا اعتقاد رکھنے پر شیعوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے،اور یہ مسئلہ ان کے درمیان آفتاب عالم تاب کی طرح نمایاں و روشن ہے"۔

ا۔الایقاظ من الھجعۃ،ص۶۰۔

۲۔بحار الانوار،ج۵۳،ص۱۲۳۔

۳۔بحار الانوار،ج۵۳،ص۱۲۳۔

۴۔علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں: " انّ الروایات متواترة معناً عن ائمة اهل البيتؑ حتیٰ عدّ القول بالرجعة عند المخالفين من مختصات الشيعه و ائمتهم من لدن الصدر الاوّل " (۱)"یقیناً رجعت کے متعلق حدیثیں طرق اہل بیتؑ سے ہم تک معنوی طور پر پہنچی ہیں اس حد تک کہ مخالفین کے نزدیک رجعت کا عقیدہ شیعوں اور ان کے ائمہ کے لیے صدر اسلام سے امتیازات میں سے شمار کیا گیا ہے"۔

۵۔شیخ حر عاملیؒ فرماتے ہیں: " انّ كثرة الكتّاب الذّين جمعوا الروايات المتعلقة بالرجعة فی كتب مستقلة او غير مستقلة ــ تجاوز عددها السبعين كتاباً ــ يدلّ علىٰ قطعية الاعتقاد بالرجعة لدى الشيعة" (۲)"یقیناً اہل قلم نے رجعت کی احادیث کو مستقل یا غیر مستقل طور پر کتابوں میں جمع کیا ہے اس حد تک کہ وہ ستر کتاب سے زائد ہیں، خود یہی شیعوں کے نزدیک رجعت کے عقیدہ پر ایک قطعی دلیل ہے"۔

علامہ مجلسیؒ نے بھی ان دانشوروں کے اسماء جو رجعت کے قائل تھے پچاس سے زائد افراد کا تذکرہ کیا ہے؛ جیسے سلیم ابن قیس ہلالی، حسن ابن صفار، علی ابن ابراہیم قمی، کلینی، محمد ابن مسعود عیاشی، ابو عمرو کشی، شیخ صدوق، شیخ مفید، ابوالفتح کراجکی، ابوالعباس احمد ابن عباس نجاشی، شیخ طوسی، سید رضی الدین ابن طاووس وغیرہ۔

۱۔المیزان، ج۲، ص۱۰۷۔

۲۔الایقاظ، ص۳۵۔

عقیدۂ رجعت کے ذریعہ شیعوں کی شناخت

اہل سنّت کی علم رجال کی عبارتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ شیعہ علمائے متقدمین رجعت پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے لہذا ان کی اس عقیدہ کی وجہ سے مذمت کرتے تھے۔

ابوالحجاج کہتا ہے:" اما جابر الجعفي فكان ضعيفا و كان و الله كذاباً ! يؤمن بالرجعة " (۱) "لیکن جابر جعفی، ان کی حدیث ضعیف ہے۔ خدا کی قسم! وہ بہت زیادہ کاذب ہے، چونکہ رجعت پر ایمان رکھتا ہے!"۔

ابن حجر کا قول ہے:"عثمان بن عميرة رديّ المذهب غالٍ في التشيع ، يؤمن بالرجعة" (۲) "عثمان ابن عمیرہ، پست اور بے حیثیت مذہب والا ہے، تشیع میں غلو کرنے والا ہے، رجعت پر ایمان رکھتا ہے"۔

عقیلی کا قول ہے:" اصبغ بن نباتة ليس بشي ء، كان يقول بالرجعة " (۳) "اصبغ ابن نباتہ کی کوئی ارزش نہیں ہے وہ رجعت کا قائل ہے"۔

مزید اسی کا یہ قول بھی ہے:" ابو حمزة الثمالي كان ضعيف الحديث ليس بشيي ء ،يؤمن بالرجعة " (۴) "ابوحمزہ ثمالی ضعیف الحدیث اور بے ارزش ہے، وہ رجعت پر ایمان رکھتا ہے"۔

۱۔ تہذیب الکمال، ج۴، ص۴۷۰، ۴۶۸۔ تاریخ ابن معین، ج۱، ص۲۰۷۔

۲۔ تہذیب التہذیب، ج۷، ص۱۳۳۔

۳۔ الضعفاء الکبیر، ج۱، ص۱۳۰۔

۴۔ الضعفاء الکبیر، ج۱، ص۱۷۲۔

جرجانی ناقل ہے:" قال جریر: لا اکتب عن جابر حدیثاً ،لانّه کان یؤمن بالرجعة" "جریر کا قول ہے: جابر سے میں کوئی حدیث نہیں تحریر کرتا، اس لیے کہ وہ رجعت پر ایمان رکھتا ہے!"۔

شمس الدین حسینی ناقل ہے:" قال ابن حبّان: کان رشید الهجری یؤمن بالرجعة ،فقطع زیاد لسانه و صلبه علی دار عمرو بن حریث " (۱) "ابن حبان کا قول ہے: "رشید ہجری رجعت پر ایمان رکھتا تھا لہذا زیاد ابن امیہ نے اس کی زبان کو کاٹ دیا اور اسے عمرو ابن حریث کے گھر پھانسی پر چڑھا دیا!"۔

مزی کا قول ہے:" داؤد بن (ابی) یزید کان یؤمن بالرجعة ،و کان الشعبی یقول له و لجابر الجعفی لو کان لی علیکما سلطان ثم لم اجد الّا ابرة لشبکتکما ،ثم غللتکما (علقتکما بها)" (۲) داؤد ابن یزید (جابر کی طرح) رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔ شعبی دونوں سے کہتا تھا: "اگر میں تم پر مسلط ہو جاتا اور مجھے تم دونوں سے سوائے ایک دھاگہ کے کچھ نہ ملتا، تو میں تم دونوں کو سل کر زنجیر میں باندھ کر لٹکا دیتا! وغیرہ"۔

۱۔ الاکمال فی ذکر من لہ روایۃ فی مسند الامام احمد، ص۱۴۳۔ کتاب المجروحین، ج۱، ص ۲۹۸۔
۲۔ کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، ج۱، ص ۲۸۹۔ تہذیب الکمال، ج۸، ص ۲۶۹۔

کلامی کتابوں میں رجعت کی بحث کا راز

علمائے علم کلام اپنی کلامی بحثوں میں رجعت کی بھی بحث کرتے ہیں اس کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ رجعت کے موضوع پر بہت زیادہ روایات کا پایا جانا۔

۲۔ مسئلہ رجعت کا امامت سے ارتباط پایا جانا اور اس بات کی طرف اشارہ ملنا کہ ائمہ شیعہ مظالم کا نشانہ بنے ہیں، لہذا امام مہدیؑ کی حکومت کے زمانہ میں واپس ہوکر حکومت کریں گے۔

۳۔ رجعت، اشتراط الساعہ میں سے ہے، اشراط الساعہ اور قیامت کی نشانیاں قیامت سے مربوط ہیں۔

۴۔ عقیدۂ رجعت، معاد پر اعتقاد رکھنے کا زمینہ فراہم کرتا ہے، اس لیے کہ جس طرح غیبت صغریٰ غیبت کبریٰ کا زمینہ ہموار کرنے والا تھا ظہور صغریٰ بھی جو وہی رجعت ہے ظہور کبریٰ کا زمینہ فراہم کرنے والا ہوگا، یعنی عقیدۂ رجعت بھی مسئلہ قیامت کے لیے زمینہ ساز ہوگا اور لوگ قیامت واقع ہونے کو بعید نہیں سمجھیں گے، جیسا کہ گزشتہ امتوں میں قیامت کو ثابت کرنے کے لیے اس طرح کا امر محقق ہوا ہے۔

۵۔ رجعت کا ثواب وعقاب کے مسئلہ سے ارتباط پایا جاتا ہے، اس لیے کہ اس زمانہ میں ان افراد کے لیے جو کفر یا ثواب میں تھے مسئلہ رجعت ثواب وعقاب کی علامتوں میں سے ہوگا۔

۶۔ رجعت شیعہ ائمہ کی امامت کی تجلی ہے۔

مفہوم رجعت کے متعلق نظریات

دنیوی رجعت کے متعلق چند احتمالات پائے جاتے ہیں ہم ان کو نقل کر کے جو قول واقعیت سے زیادہ نزدیک ہے اس کی تحقیق کرتے ہیں:

ا۔ رجعت اس تمثیل کے مانند ہے جو مومنین اور ائمہ اہل بیتؑ کی ارواح دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں ان کی روح ظہور کرے گی اور اس کائنات میں کچھ تصرفات حاصل کریں گی۔ یہ نظریہ فیض کاشانیؒ، محقق شاہ آبادیؒ اور مرزا ابوالحسن رفیعی قزوینیؒ کا ہے جسے بہت سے علما جیسے علامہ مجلسیؒ، شیخ حر عاملیؒ اور بعض دوسروں نے اسے ظواہر ادلہ سے مخالفت کی بنا پر مردود جانا ہے۔

۲۔ رجعت کا مقصد وہی امام زمانہؑ کا ظہور ہے اور اس پر رجعت کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ حضرتؑ غیبت کے بعد لوگوں کی طرف واپس آئیں گے، یا دنیا منحرف ہونے کے بعد حق و عدالت کی طرف پلٹ آئے گی۔ اگرچہ دراصل یہ معنی صحیح ہے مگر رجعت کا اس پر اطلاق ہونا ظواہر ادلہ کے برخلاف ہے۔

۳۔ بعض اموات کا دنیا کی طرف پلٹنا، بالخصوص خالص مومنین و کافرین کا۔

۴۔ بعض شیعہ ائمہ کا پلٹنا، جیسے امام علیؑ، امام حسینؑ اور بعض خالص مومنین و کافرین کا مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹنا۔

۵۔ تمام شیعہ ائمہ کا ترتیب کے ساتھ یا برعکس بعض مومنین و کافرین کا، مرنے کے بعد دنیا میں واپس آنا۔ یہ قول جو کچھ عمومی طور پر روایات سے استفادہ ہوتا ہے حقیقت سے زیادہ نزدیک ہے۔

رجعت، عقلی نقطۂ نظر سے

امکانِ رجعت کے اثبات کے لیے بعض عقلی دلیلوں کے ذریعہ ہم اشارہ کریں گے:

۱۔ قسر دائمی یا اکثری محال ہے

اثباتِ دلیل:

الف۔ روح کا بدنِ عنصری کے ساتھ مکمل طور پر رابطہ ہے، چونکہ روحانی قوت اور مادّی طبیعی قوت کے درمیان ذاتی و طبیعی ربط پایا جاتا ہے، خواہ روحانی قوت کلی ہو، جیسے موثر کلی قوت جو تمام عالم طبیعت کے ارادی نظام میں حرکت کرتی ہے خواہ وہ قوت روحانی جزئی ہو کہ شخصی، طبیعی نظام بدن اس کے زیر نفوذ ہیں۔ اور جب بھی نفس ناطقہ کی توجہ طبیعی بدن کی طرف مرنے کے بعد مکمل ترین شکل وصورت اختیار کر لیتا ہے تو حیات نو ممکن ہے۔

ب۔ ہر حقیقت کے لیے ایک اثر اور خاصیت ہوتی ہے جو اس کے وجود کے مقام کا نمائندہ اور اس کی ہستی کے مرتبہ میں ہے۔ خاتمیت وہی قوت تکمیل اور شخص خاتم کی تعلیم بہ نسبت تمام بشر کے مختلف مراتب کی حامل ہے، اور ان کے نفوس کو علمی و عملی کمال سے خارج کرنا قوت کی حد سے فعلیت محض تک صبح قیامت تک پہنچانا ہے۔ اور مقامِ امام بھی (جو خلافت پیغمبر کا عالی مقام ہے) اسی طرح ہوتا ہے۔

ج۔ حکمت وفلسفہ میں یہ بات مقام اثبات تک پہنچ چکی ہے کہ قسر دائمی یا اکثری محال ہے۔ قسر اصطلاح میں منع کرنے یا ایک چیز کا ظاہری طور پر موجود ہونے سے حائل ہونے میں ہے جو اپنے طبیعی اثر کی طالب ہے اور وجود الٰہی کی فطرت کے مطابق اس کی طرف توجہ رکھے ہوئے ہے یا اکثر اوقات میں اس کے اثر سے محروم ہے۔ اب اگر یہ چاہیے کہ یہ قوت

وجو ہر ہمیشہ یا اکثر اوقات اپنے کمال سے محروم اور اس کا اثر عالم کبیر کے میدان میں نمایاں نہ ہو تو محض لغو اور عبث ہوگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رجعت کا معنی ارواح و نفوس ناطقہ حضرت پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کا اپنے عنصری ابدان کی طرف پلٹنا ممکن ہے بلکہ عقلی ضرورت کی بنا پر واجب ہے، اس لیے کہ ان کے اثر کا مانع ہونے کے ذریعہ ظاہر ہونا خود ان کے زمانہ میں ممکن نہیں ہوا، لہٰذا چاہیے کہ ایک ایسا دن آئے کہ تمام الٰہی اساتذہ کے نفوس اپنے ابدان کی طرف متوجہ ہوں اور لوگوں کی ارواح کے لیے مقام تعلیم میں ڈھل جائیں۔

یہاں پر ایک نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ''نفس کلی الٰہی'' نبی و امام میں دو قسم کا اضافہ و علاقہ پایا جاتا ہے:

پہلی قسم: اپنے بدن کے ساتھ تعلق و ارتباط پایا جانا۔

دوسری قسم: علاقہ و ارتباط اور نفس کلی کا تمام عالم کبیر پر غلبہ پانا ہے۔ اور اسی کلی ارتباط کے اثر کے متعلق کہا گیا ہے: ''تمام پانی ہماری برکت سے جاری ہیں اور تمام درخت ہمارے وجود کی برکت سے پتے و میوے دیتے ہیں...''۔ موت کی بہ نسبت دوسرا تعلق باطل نہیں ہوگا۔

۲۔ مصلحین کی راہ کے دائمی ہونے کی ضرورت

اثباتِ دلیل:

الف۔ ہر ایک مصلح فرد جو عظیم ثقافتی و اجتماعی انقلاب بشری سماج کی سطح پر برپا کرنا چاہے گا تو وہ اپنے جانشینوں کا محتاج ہوگا جو اس کے بتائے ہوئے اصولوں کو واضح طور پر

بیان اور تطبیق کرے۔ اسی دلیل کی بنا پر پیغمبر اکرمؐ کے بعد ائمہ معصومینؑ کی ضرورت ہے تا کہ اس خلا کی تلافی ہو سکے۔

ب۔ شریعت اور تحریک کے اصولوں کو واضح طور پر بیان کرنے اور اسے تطبیق دینے کے لیے معصوم افراد ہونے چاہیے، جیسا کہ خود ثقافتی تحریک کے بانی اور صاحب شریعت کو بھی معصوم ہونا چاہیے۔

ج۔ شیعہ اور اہل سنّت کے نزدیک متواترہ نصوص کے مطابق، پیغمبرؐ کے بعد ائمہؑ کی تعداد صحیح قیامت تک بارہ نفر ہے، اور وہ سب کے سب قریش سے ہیں۔

د۔ امام زمانہؑ سب سے عظیم عالمی قیام کرنے والے ہیں جو توحیدی عادلانہ حکومت کو قائم کرنے کی غرض سے، نئی چیزوں کے لیے قیام کریں گے۔

ھ۔ جدید شئے ایسے اشخاص کی ضرورت مند ہے جو تطبیق دینے والا، واضح طور پر بیان کرنے والا اور اس مشن کو آگے بڑھانے والا ہو کہ جسے حکومت کو قائم کرنے والا شخص لایا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ: ضرورت تقاضا مند ہے کہ امام زمانہؑ کے بعد ایسے معصوم افراد رجعت کریں تا کہ وہ لوگ حضرتؑ کے اس ہدف اور مشن کو آگے بڑھائیں اس کی تطبیق کریں اور ان کو واضح طور پر بیان کریں، بالخصوص اس نکتہ کو ملاحظہ کرتے ہوئے کہ حضرتؑ کے ظہور کے ساتھ ایک جدید زمانہ کا آغاز ہوگا۔

۳۔ قاعدہ ''حکم الامثال''

اثباتِ دلیل

الف۔ رجعت عالم مادی میں، کلی طور پر قیامت، بعث اور قیامت کے دن حیات نو سے مشابہت رکھتا ہے۔

آلوسی فرماتے ہیں: ''و کون الاحیاء بعد الاماتة و الارجاع الی الدنیا من الامور المقدورة له عزّ و جل۔ ممّا لا ینتطح فیه کبشان، الّا انّ الکلام فی وقوعه'' (۱) ''مرنے کے بعد زندہ ہونا اور دنیا کی طرف پلٹنا ایسے امور میں سے ہے جو خداوند متعال کی قدرت کے مطابق ہے کہ کوئی بھی شخص اس میں شک و شبہ نہیں رکھتا، صرف اس کے واقع ہونے میں بحث ہے''۔

ب۔ معاد کا واقع ہونا ممکن ہے، لہذا رجعت بھی قاعدہ: ''حکم الامثال فیما یجوز و فیما لا یجوز واحد'' کی دلیل کے مطابق ایسی ہوگی اور جو امور ایک دوسرے سے جائز یا ناجائز ہونے میں مساوی ہیں۔

جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رجعت عقلی پہلو سے ممکن ہے۔

رجعت قرآنی نقطۂ نظر سے

رجعت کا معنی افراد کا دنیا کی طرف پلٹنا، متعدد مقامات پر قرآن میں ذکر ہوا ہے، کہ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ روح المعانی، ج ۲۰، ص ۲۷۔

ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ألم تر الی الذین خرجوا من دیارھم و ھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم " (۱) "کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے موت کے خوف سے نکلے اور وہ ہزاروں افراد تھے پس اللہ نے ان سے کہا: مرجاؤ پھر (اللہ نے) انہیں زندہ کردیا"۔

تفاسیر میں ذکر ہوا ہے: وہ ستر ہزار گھر کے افراد تھے۔ ہر سال ان کے درمیان طاعون کے مرض کی وبا آئی تھی، مال دار لوگ اپنی دولت کی بنا پر شہر سے باہر چلے جاتے تھے اور فقیر لوگ اپنی ناتوانی اور ضعف کی وجہ سے باہر نہیں جا پاتے تھے۔ اسی لیے مال دار لوگ طاعون سے محفوظ رہتے تھے اور صرف فقرا ہی اس مرض میں مبتلا ہوتے تھے۔ ضعیف لوگ کہتے تھے: اگر ہم بھی مال داروں کی طرح بیرونِ شہر چلے جاتے تو اس مرض میں مبتلا نہ ہوتے۔ لہذا سب نے طے کیا کہ طاعون آنے سے پہلے تمام افراد اس شہر سے خارج ہو جائیں۔ چنانچہ طاعون آنے سے پہلے سب کے سب خارج ہو گئے اور ایک دریا کے کنارے قیام کیا۔ ان لوگوں نے جیسے ہی اپنا سامان رکھا تو ان کو موت آ گئی، اور ایک مدت تک اسی حالت میں تھے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں ایک نبی جن کا نام "حزقیل" تھا ان کا ان لوگوں کے پاس سے گزر ہوا، تو اس حالت کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ ہی عرض کیا: خدایا! اگر ممکن ہو تو ان کو زندہ کردے تاکہ تیرے شہروں کو آباد اور اولاد پیدا کریں جو تیرے عبادت گزار بندوں کے ساتھ تیری عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وحی بھیجی: کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں زندہ

ا۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۳۔

کروں؟ عرض کیا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور ایک مدت کے بعد طبیعی اموات سے دنیا سے رخصت ہوئے۔(۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فقلنا اضربوه ببعضها كذلك يحي الله الموتى و يريكم آياته لعلكم تعقلون" (۲) "تو ہم نے کہا کہ مقتول کو گائے کے ٹکڑے سے مس کرو تا کہ یہ دیکھو کہ خدا اسی طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے کہ شاید تمہیں عقل آجائے"۔

مفسرین نقل فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کے ایک مرد نے اپنے نزدیکی رشتہ داروں میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تا کہ اس کی میراث کا مالک ہو جائے، یہودیوں کا رجحان یہ تھا کہ اس کا قاتل مل جائے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کریں اور اس کا ایک حصہ مقتول کے بدن سے متصل کر دیں تا کہ وہ زندہ ہو کر قاتل کی خبر دے۔

کافی بحث و نزاع کے بعد جس گائے کی تلاش تھی مل گئی اسے ذبح کیا اور گائے کے بعض اعضاء کو مقتول کے بدن سے متصل کر دیا، تو اسے زندہ پایا اور اس سے اس مسئلہ کو دریافت کر کے قاتل کا پتہ لگایا۔(۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "و اذ قلتم يا موسىٰ لن نؤمن لك حتىٰ نرى الله جهرة فاخذتكم الصاعقة و انتم تنظرون ثم بعثناكم من بعد موتكم لعلكم تشكرون" (۴) "اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ: ہم اس وقت تک

۱۔ الدر المنثور، ج ۱، ص ۳۱۱۔ الجامع البیان، ج ۳، ص ۷۹۔ کشاف، ج ۱، ص ۲۸۶۔

۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۷۳۔

۳۔ ثعلبی، قصص الانبیاء، ص ۲۰۳، ۲۰۷۔ الدر المنثور، ج ۱، ص ۷۹۔ جامع البیان، ج ۱، ص ۵۰۹۔

۴۔ سورۂ بقرہ، آیات ۵۵، ۵۶۔

ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں جس کے بعد جلا دینے والی بجلی نے تم کو اپنی گرفت میں لے لیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے، پھر ہم نے تمہیں موت کے بعد زندہ کر دیا کہ شاید اب شکر گزار بن جاؤ"۔

یہ آیت حضرت موسیٰؑ کے تابعین کے ایک گروہ سے مربوط ہے جنہوں نے ان سے خدا کے دیدار کی درخواست کی کہ یہی درخواست، نزول عذاب اور ان کی موت کا باعث ہوتی مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔(۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" او کالذی مرّ علی قریة و ھی خاویة علی عروشھاقال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائة عام ثم بعثہ "(۲)

"یا اس بندہ کی مثال جس کا گزر ایک قریہ سے ہوا جس کے سارے عرش وفرش گر چکے تھے تو اس بندہ نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ خدا ان سب کو موت کے بعد کس طرح زندہ کرے گا تو خدا نے اس بندہ کو سو سال کے لیے موت دے دی اور پھر زندہ کیا"۔

اکثر مفسرین یوں نقل کرتے ہیں کہ انبیاء الٰہی میں سے ایک نبی اپنے ایک سفر میں کسی دیہات سے گزرے تو دیکھا وہاں کے تمام باشندے موت کی آغوش میں پڑے ہوئے تھے، اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ پر چونکہ ایمان رکھتے تھے اپنے دل میں سوال کیا: وہ کون سی ذات ہے جو طویل مدت کے توقف کے بعد ان مردوں کو دوبارہ واپس لائے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی اور سو سال کے بعد جو ان کے جسم کے اجزاء

۱۔ کشاف، ج ۱، ص ۲۷۔ الجامع البیان، ج ۱، ص ۳۱۵۔ در منثور، ج ۱، ص ۷۰ وغیرہ۔

۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۹۔

بکھرے ہوئے تھے، انہیں دوبارہ واپس اسی دنیا میں بھیجا، اور ان کے چوپایوں کے حشر کی کیفیت کی بھی نشان دہی کی تا کہ اسی عمل میں حشر ونشر کو دیکھ کر قیامت کے لیے اطمینان قلب حاصل کریں۔(۱)

۵۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا: " و اُحـــي الموتى باذن الله "(۲)''میں اللہ کی اجازت سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں''۔

سیوطی نقل فرماتے ہیں: عیسیٰؑ نے اپنے دوست عازر کو زندہ کیا۔ نیز ضعیف العمر عورت کے فرزند کی زندگی کو پلٹایا۔ اور ایک لڑکی کو بھی زندہ کیا۔ تینوں زندہ ہونے کے بعد بہ قید حیات تھے اور اپنے بعد اپنی یادگار بھی اولاد کی شکل میں چھوڑ گئے۔(۳)

طبری کا قول ہے: ''حضرت عیسیٰؑ مردوں کو اپنی دعا سے زندہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعا مستجاب فرماتا تھا''۔(۴)

۶۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' و یوم نحشر من كل امّة فوجا ممّن یكذّب بآیاتنا فهـم یـوزعـون " (۵)''اور اس دن ہر امّت میں سے وہ فوج اکٹھا کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کیا کرتے تھے اور پھر الگ الگ تقسیم کر دیے جائیں گے''۔

اس آیہ کریمہ میں ایسے قرائن موجود ہیں جو رجعت پر حمل کرنے کے لیے شاہد بن سکتے ہیں نہ کہ قیامت کے۔

۱۔کشاف، ج۱،ص ۲۹۵۔ درمنثور، ج۱،ص ۳۳۱۔ الجامع البیان، ج ۳،ص ۳۰۔

۲۔سورۂ آل عمران، آیت ۴۹۔ ۳۔تفسیر الجلالین، ج۱،ص ۴۷۔

۴۔الجامع البیان، ج ۳،ص ۲۷۵۔ ۵۔سورۂ نمل، آیت ۸۳۔

الف۔ کلمہ ''من کل امّة '' ہر امت سے اور ہم جانتے ہیں کہ قیامت تمام لوگوں اور امتوں سے مربوط ہے۔

ب۔ کلمہ ''فوجاً'' ایک گروہ اس لیے کہ کلمہ کا نکرہ ہونا استغراق (سب) کے لیے ناسازگار ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''قالوا ربّنا امتّنا اثنتین و احییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل'' (۱)''اس وقت کفار کہیں گے:''اے ہمارے پروردگار! تم نے ہم کو دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا اب ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف ہے تو کیا اس وقت یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟''۔

اس آیت کے استدلال کی کیفیت میں رجعت کے متعلق کہا گیا ہے کہ:''اماتہ'' سے مراد یہ ہے کہ: ذی حیات موجودات کی زندگی کو سلب کرنا یہ صرف رجعت کے ساتھ سازگار ہے۔

اس امت میں گزشتہ امتوں کے حوادث کا واقع ہونا

وہ روایات جو شیعہ اور اہل سنّت نے نقل کی ہیں اس میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ ان حادثات کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں جو گزشتہ امتوں میں رونما ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری میں ابوسعید خدری نے پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:'' لتتبعنّ سنن من کان قبلکم شبراً بشبر، و ذراعاً بذراع'' (۲)''یقیناً تم لوگ اپنے گزشتہ افراد کی سنتوں کی پیروی کروگے بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع''۔

۱۔ سورۂ غافر (مومن)، آیت ۱۱۔

۲۔ صحیح بخاری، ج ۹، ص ۱۱۲۔ کتاب الاعتصام بقول النبیؐ۔

اسی طرح شیخ صدوقؒ نے پیغمبر اکرمؐ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:
"کل ما کان فی الامم السالفة فانّه یکون فی ھذه الامّة مثله، حذو النعل بالنعل، و القذّة بالقذّة" (۱) "اس امت میں بھی بغیر کسی کمی و زیادتی کے وہی سب کچھ ہو بہو ہوگا جو گزشتہ امتوں میں ہو چکا ہے"۔

یہ بات واضح ہے کہ رجعت ان اہم حوادث میں سے ہے جو گزشتہ امتوں کی تاریخ میں رونما ہوئی ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے قوم یہود اور بنی اسرائیل کے متعلق بعض مقامات کا ذکر کیا ہے، لہذا مذکورہ حدیث نبوی کے تقاضا کے مطابق اسلامی امت میں بھی وہ واقع ہو گی۔ امام رضاؑ نے مامون عباسی کے رجعت کے متعلق سوال کے جواب میں مذکورہ حدیث نبوی سے استدلال فرمایا ہے۔ (۲)

اہل سنّت اور عقیدۂ رجعت

منابع اہل سنّت میں مراجعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بزرگ افراد رجعت کے معتقد تھے اب ان میں سے بعض کی طرف بطور نمونہ اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ عمر ابن خطّاب اور عقیدۂ رجعت

خلیفۂ دوم، سب سے پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے رسول خداؐ کی رجعت کا ادّعا کیا اور اس پر اصرار فرمایا۔ وہ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد کہا کرتے تھے: آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے گئے ہیں عنقریب واپس آ جائیں گے اور ان منافقین کے ہاتھ اور پاؤں کو قطع کریں گے جو آنحضرتؐ کی موت کے معتقد تھے۔

۱۔ کمال الدین، ص ۵۷۶۔ ۲۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۵۹، ح ۴۵۔

"عن ابی هريرة لـمّـا تـوفـي رسول اللّهؐ قام عمر بن الخطاب فقال: انّ رجالاً من المنافقين يزعمون انّ رسول اللّهؐ توفّي، و اللّه ما مات و لكنه ذهب الى ربّه كما ذهب موسىٰ بن عمران فقد غاب عن قومه اربعين ليلة ثم رجع اليهم بعد ان قيل قد مات، و اللّه ليرجعنّ رسول اللّهؐ كما رجع موسىٰ فليقطعنّ ايدي رجال و أرجلهم زعموا انّ رسول اللّهؐ مات" (۱) "ابن ہشام ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں: جب پیغمبر اکرمؐ کی رحلت واقع ہوئی تو عمر ابن خطاب نے کھڑے ہوکر فریاد کی: بعض منافقین کے زعم ناقص میں یہ ہے کہ پیغمبرؐ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ دنیا سے نہیں گئے ہیں بلکہ وہ اپنے پروردگار کی طرف گئے ہیں وہ موسیٰ ابن عمران کی طرح ہیں جو اپنی قوم کے درمیان سے چالیس رات تک غائب تھے، پھر ان کی طرف واپس آئے جب کہ کہا جاتا تھا کہ وہ دنیا ہی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم! پیغمبر اکرمؐ بھی موسیٰ کی طرح واپس آئیں گے اور ان افراد کے ہاتھ پاؤں کو جدا کریں گے جو یہ گمان کرتے تھے کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔

۲۔ قرطبی اور عقیدۂ رجعت

قرطبی؛ ابن دحیہ کی تردید میں فرماتے ہیں:" و فيما ذكره ابن دحية نظر، و ذلک انّ فضائل النبيّ و خصائصه لم تزل تتوالى و تتابع الى حين مماته ،فيكون هذا ممّا فضّله تعالىٰ و اكرمه به ،و ليس احياؤ هما ممتنعا عقلاً و

۱۔ سیرت ابن ہشام ،ج ۴،ص ۳۰۵۔ الملل و النحل ،ج ۶،ص ۳۶۴۔ رسالۂ عقائدیہ ،ص ۲۱۱۔ الہجوم علی بیت فاطمہؑ ،ص ۶۳۔

شرعاً ، فقد ورد في الكتاب العزيز احياء قتيل بني اسرائيل و اخباره بقاتله ،و كان عيسىٰ يحيي الموتىٰ و كذلك نبينا احيي الله على يديه جماعة من الموتىٰ ،و اذا ثبت هذا فما يمتنع من ايمانهما بعد احياء هما زيادة في كرامته و فضيلته ...و قد ظفرت باستدلال اوضح منه، وهو ما ورد انّ اصحاب الكهف يبعثون آخر الزمان وورد عن ابن عباس مرفوعاً اصحاب الكهف اعونوا المهدى ، و لابدع في ان يكون الله تعالىٰ كتب لأبويه عمراً ، ثم قبضهما قبل استيفائه ، ثم اعادهما لاستيفاء تلك اللحظة الباقية و آمنا فيها..."(۱)

جو کچھ ابن دحیہ نے کہا: (کہ حدیث جعلی ہے) اس پر اعتراض وارد ہوا ہے، اس لیے کہ رسول خداؐ کے فضائل و امتیازات پے در پے ان کی رحلت تک مسلسل جاری رہیں گے۔(۲) لہذا آنحضرتؐ کے والدین کا زندہ ہونا آنحضرتؐ کے فضائل و کرامات میں شمار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا ہے۔

پس آنحضرتؐ کے والدین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے میں کسی قسم کی عقلی یا شرعی ممانعت نہیں پائی جاتی، اس لیے کہ قرآن میں بنی اسرائیل کے مقتول کے زندہ ہونے اور اس کے قاتل کی خبر دینے کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کرتے تھے، جیسا کہ

۱۔ سبل الھدیٰ فی سیرۃ خیر العباد، ج ۲، ص ۱۲۳۔

۲۔ البتہ شیعی نقطۂ نظر سے پیغمبر اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ کے فضائل اور معنوی و روحانی خصوصیتیں بلکہ جسمانی بھی موت کے بعد بھی برقرار رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبرؐ کے ہاتھوں ایک گروہ کے مردوں کو زندہ کیا تھا۔ جب یہ مطالب ثابت ہو گئے تو پھر پیغمبرؐ کی فضیلت و کرامت کی بنا پر ان کے زندہ ہونے پر ایمان رکھنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں پائی جاتی اور مجھے یقیناً اس سے واضح ترین استدلال مل گیا، روایت کی گئی ہے کہ اصحاب کہف آخری زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔

ابن عباسؓ سے مرفوعاً (۱) روایت نقل ہوئی ہے کہ اصحاب کہف، حضرت مہدیؑ کے ناصروں میں سے ہوں گے، کوئی نیا واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے والدین کے لیے ایک عمر معین کی ہو اور اس کے ختم ہونے سے پہلے ان کی روح قبض کر لے اور پھر واپس پلٹا دے تاکہ اپنی بقیہ عمر سے استفادہ کریں، ایمان لائیں اور دوبارہ دنیا سے کوچ کریں"۔

۳۔ ابن کثیر اور عقیدۂ رجعت

ابن کثیر، ابن دحیہ اور قرطبی کے درمیان مقام قضاوت میں فرماتے ہیں: "ھذا کلہ متوقف علی صحة الحدیث فاذا صح فلامانع منہ" (۲) "یہ زندہ ہونا حدیث کی صحت پر موقوف ہے، اگر حدیث صحیح ہو تو ان کے زندہ ہونے میں کوئی مانع نہیں ہے"۔

اس بنا پر رجعت، دلائل کی صحت پر موقوف ہے کہ اگر صحیح دلیلیں اس پر دلالت کریں تو کوئی عقلی یا شرعی مانع نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آیات و روایات کی دسیوں دلیل اس مسئلہ پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ حدیث مرفوع اہل سنت کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ ایک حدیث رسول خداؐ سے نقل کی جائے اور خود صحابی کا قول نہ ہو۔

۲۔ تفسیر القرآن العظیم، ج۲، ص۳۹۴۔

۴۔ استادِ جامعۃ الازہر اور عقیدۂ رجعت

شیخ حجازی، الازہر یونیورسٹی کے استاد اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں "و اذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃً من الارض" (۱) تحریر فرماتے ہیں: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ "دابۃ" جو زندہ ہوگا، ایک عام انسان جو کتاب خدا، سنت رسول خداً اور احکام شریعت کا عالم ہوگا جو لوگوں سے گفتگو کرے گا۔ اس وقت خروج کرے گا جب علماء اور علم کا مسلمانوں کے درمیان سے خاتمہ ہو جائے گا، احکام قرآن کا لوگوں کے درمیان سے بھی خاتمہ ہو جائے گا اور تمام عالم میں فتنہ و فساد پھیل چکا ہوگا۔

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ "دابۃ" عام انسان ہے۔ حدیث پیغمبرؐ ہے کہ "وہ سب سے زیادہ محترم مساجد (مسجد الحرام) سے خروج کرے گا اس کے ہاتھ میں عصائے موسیٰؑ اور سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی جس سے مومن و کافر کی شناخت کرائے گا۔ (۲)

اور ہر ایک شخص کو اس کے نام سے خطاب کرے گا کہ اے فلاں! تم اہل بہشت میں سے ہو اور اے فلاں! تم اہل جہنم میں سے ہو۔ (۳)

۱۔ سورۂ نمل، آیت ۸۲۔

۲۔ روح المعانی، جز ۲۰، ص ۱۹۔ کنز العمال، ج ۱۴، ص ۶۲۳۔

۳۔ غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج ۵، ص ۳۲۱۔ الوسیط، ج ۳، ص ۳۸۵۔

بعض افراد کی رجعت

جو کچھ روایات اہل بیتؑ سے استفادہ ہوتا ہے یہ ہے کہ:

۱۔ رجعت قیامت کی طرح عمومی اور سب کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں سے مخصوص ہے جو خالص ایمان یا خالص کفر کے حامل ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا: ''انّ الرجعة لیست بعامّة و هی خاصّة لا یرجع الّا من محض الایمان محضاً او محض الشرک محضاً''(۱)

''رجعت عام افراد کے لیے نہیں ہوگی بلکہ خاص لوگوں کی رجعت ہوگی صرف خالص مومن اور خالص شرک کی دنیا میں دوبارہ بازگشت ہوگی''۔

۲۔ وہ روایات جو بعض افراد کے خصوصی طور پر رجعت کے لیے دلالت کرتی ہیں۔

امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جس شخص کے لیے زمین شگافتہ ہوگی اور زمین کی طرف واپس ہوں گے وہ حسین بن علی علیہما السلام ہیں''۔(۲)

نیز حضرتؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جس شخص کے لیے دنیا میں رجعت ہوگی وہ حسین بن علیؑ کی ذات گرامی ہے، وہ اتنی مدت تک حکومت کریں گے کہ طولانی عمر کی بنا پر آپ کی بھویں لٹک کر آپ کی آنکھوں پر آجائیں گی''۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۳۹۔

۲۔ الزام الناصب، ج ۲، ص ۳۶۰۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۴۶۔

خواتین کی رجعت

زمانۂ ظہور میں، حضرت مہدیؑ کے ناصرین کا ایک گروہ خواتین میں سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ امام زمانہؑ کے ظہور کی برکت سے انہیں زندہ کرے گا اور دوبارہ دنیا کی طرف واپس لائے گا۔ اور حضرت مہدیؑ کی رکاب میں ہوں گی، بعض کے نام ونشان کے ساتھ ان کے زندہ ہونے کی خبر دی ہے اور بعض کے صرف واپس آنے کی گفتگو کی ہے۔

معتبر اسلامی منابع میں تیرہ خاتون کے نام کا تذکرہ ہوا ہے جو قائم آل محمد علیہم السلام کے ظہور کے وقت زندہ ہوں گی، امام زمانہؑ کے لشکر میں جنگی مجروحین اور بیماروں کا مداوا اور ان کی سرپرستی کریں گی۔(۱)

رجعت پر اعتقاد رکھنے کے آثار

۱۔ اس جہت سے کہ زمین پر ظہور کا زمانہ بہشت کی مانند ہے، اور ایک طرف روایات کا مطلب، نیک اور برے انسانوں کی رجعت ہے، لہذا یہ عقیدہ انسان کو شوق دلاتا ہے تا کہ نیک انسان کے مصداق بننے کی کوشش کرے زمانۂ ظہور اور حضرت مہدیؑ کی حکومت میں یہ فضیلت حاصل کر سکے۔

۲۔ اس لحاظ سے کہ انسان ظہور سے قبل ظہور کے لیے زمینہ فراہم کرتا ہے، لہذا رجعت کی بحث تربیتی اثر اور عملی پہلو کی حامل ہے۔

۱۔ دلائل الامامۃ، طبری، ص ۳۱۴۔

رجعت کے شبہات کی تحقیق

اب بحث کے آخر میں رجعت کے بعض شبہات کی تحقیق پیش کریں گے:

پہلا شبہ:

عقیدۂ رجعت بعض قرآنی آیات کے مخالف ہے، اس لیے کہ قرآن میں ذکر ہوا ہے:

"حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال ربّ ارجعون لعلّی اعمل صالحا فیما ترکت کلّا انّھا کلمة ھو قائلھا و من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" (۱) "یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آئی تو کہنے لگے: پروردگارا! تو مجھے (ایک مرتبہ) اس مقام (دنیا) میں جسے چھوڑ کر آیا ہوں پھر واپس کردے تاکہ میں (اب کی دفعہ) اچھے اچھے کام کروں (جواب دیا جائے گا:) ہرگز نہیں یہ ایک لغو بات ہے جسے وہ حسرت ویاس کے عالم میں بک رہا ہے اور ان کے مرنے کے بعد عالم برزخ ہے اس دن تک کہ دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں"۔

جواب:

سب سے پہلے یہ کہ ظاہر بلکہ آیت کی صراحت صدر آیت کے قرینہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حالت احتضار کے متعلق ہے جیسا کہ فرمایا: "حتیٰ اذا جاء احدھم الموت" اور آیت کے ذیل میں فرماتا ہے: "و من ورائھم برزخ"

دوسرے یہ کہ، آیت کا ظہور کافر کے پلٹنے کا مطالبہ محقق نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور

۱۔ سورۂ مومنون، آیات ۹۹، ۱۰۰۔

ارادۂ الٰہی کے ساتھ رجوع کرنے پر کوئی تضاد نہیں رکھتا، جیسا کہ گزشتہ امتوں میں ارادۂ الٰہی اور خاص مصلحت کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہے۔

تیسرے یہ کہ: آیت مدّعا سے اخص ہے، اس لیے کہ یہ آیت کفار سے مخصوص ہے، جب کہ باب رجعت میں خالص مومنین اور کفار کے رجوع کرنے کی بحث ہوئی ہے۔

دوسرا شبہ:

رجعت کا قائل ہونا عقل کے مخالف ہے، اس لیے کہ مجرمین اور گنہگاروں کے پلٹنے کی دلیلیں موجود ہیں:

الف۔ عذاب کی جہت سے ہے کہ ان کا ظلم باعث رجعت ہوگا، اس لیے کہ بنا یہ ہے کہ آخرت میں انسان پر عذاب نازل ہو۔

ب۔ ایذا و اذیت کی جہت سے ہے، جو قبر میں محقق ہوا ہے، لہذا دنیا میں زندہ ہونا عبث اور لغو ہے۔

ج۔ ان کا لوگوں کے ساتھ خیانت کرنے کے اظہار کی جہت سے ہے کہ یہ اظہار ان کے عقیدہ رکھنے والوں کے زمانہ میں زیادہ مناسب ہے، اور نیک لوگوں کی رجعت سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ وہ لوگ بلاوجہ دو مرتبہ مرنے کی وجہ سے آزار و اذیت میں مبتلا ہوں۔

جواب:

سب سے پہلے یہ کہ، دنیا میں خالص کفر و شرک میں مستغرق ہونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا ان کے منجملہ عذاب میں سے ایک ہے، کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اسی دنیا میں مقدم کر دیا جائے، لہذا عقلی مانع موجود نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ، اولیاء الٰہی بالخصوص انبیاء، اولیاء کی بہ نسبت موت ایسی ہی ہے جیسے بہترین خوشبو سونگھی جائے۔ جیسا کہ روایات میں ذکر ہوا ہے۔

تیسرا شبہ:

رجعت کا عقیدہ یہودیوں سے اخذ کیا گیا ہے۔

جواب:

رجعت کا عقیدہ دلائل کے تابع ہے، یہاں تک کہ اگر یہودیوں کے دین میں بھی یہ عقیدہ موجود ہو۔ اور صرف دوسرے ادیان میں ایک اسلامی عقیدہ کا موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عقیدہ دوسرے ادیان سے اخذ کیا گیا ہے۔

چوتھا شبہ:

رجعت میں رجوع کرنا مرحلۂ فعلیت (حال) سے مرحلۂ قوت (آئندہ) کی طرف جانا ہے، اس بیان سے کہ:

الف۔ موت اشتمال حیات کے اور مرحلۂ قوت سے مرحلۂ فعلیت کی طرف خارج ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

ب۔ موت کے بعد دنیا کی طرف رجوع کرنا، مرحلۂ قوت سے مرحلۂ فعلیت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

ج۔ مرحلۂ فعلیت کے بعد مرحلۂ قوت کی طرف رجوع کرنا محال ہے، جیسا کہ اس کی طرف فلسفہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ: رجعت محال ہے:

جواب:

یہ اعتراض طبیعی اموات پر صادق آتا ہے، نہ کہ غیر طبیعی اموات پر جو قتل یا مرض اور دوسرے حادثاتی امور سے واقع ہوتی ہیں کہ اکثر اموات اسی طرح کی ہوتی ہیں۔

پانچواں شبہ:

رجعت کا لازمہ تناسخ باطل ہے:

جواب:

تناسخ باطل سے مراد یہ ہے کہ ایک روح دوسرے شخص کے جسم میں داخل ہو جائے اور یہ رجعت کے مقامات میں سے نہیں ہے، اس لیے کہ رجعت میں روح اپنے گزشتہ اصلی بدن کی طرف واپس جاتی ہے۔

چوتھا حصّہ

زمانۂ غیبت میں ہماری ذمّہ داریاں

زمانۂ غیبت میں ہماری ذمّہ داریاں

پیش گفتار

مہدویت کی اہم ترین بنیادی بحثوں میں سے مسلمانوں کے فرائض خصوصاً زمانۂ غیبت میں حضرت مہدیؑ کے شیعوں کی ذمہ داریوں کے متعلق گفتگو ہے۔وہ بحث جوعملی پہلو رکھتی ہے ان فرائض پر عمل کرنے کی صورت میں اسلامی معاشرہ میں ایک عظیم تحول وتبدل ایجاد کیا جا سکتا ہے اور لوگوں کو گمراہی اور جاہلیت کی موت سے نجات کا موجب بھی ہوسکتا ہے۔

اسی جہت سے اس کی اہمیت ہے کہ بعض جلیل القدر مؤلفین نے اس سلسلہ میں بحث ،تالیف وتصنیف کا ارادہ واہتمام کیا اور اس کے متعلق کتابیں تحریر کیں منجملہ ان کتابوں میں سے ’’تکالیف الانام فی زمن غیبة الامام ‘‘شیخ علی اکبر ہمدانی ،اور’’وظائف الانام فی غیبة الامام ‘‘نامی کتاب محمد تقی اصفہانی نے فارسی زبان میں تحریر کی اور اس کی مفصل ترین بحثوں کو عربی زبان میں لکھا ہے اور اس کا نام امام زمانہؑ کی سفارش وراہنمائی سے ’’مکیال المکارم فی فوائد الدعاء للقائم ‘‘رکھا۔

سید جلیل علی ابن طاوس رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں اس محور پر یعنی امام زمانہؑ کے مقابل میں مومنین کے فرائض کے موضوع پر بہت زیادہ اہتمام کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ،جس طرح

کہ کتاب "الاقبال"، "کشف المحجۃ"، "جمال الاسبوع" اور آپ کی دوسری کتابوں کی طرف مراجعہ کرنے کے بعد اس مسئلہ کو سمجھ لیں گے۔ اور شہید محمد صدر نے بھی اپنی کتاب "تاریخ الغیبۃ الکبریٰ" کے ایک اہم حصہ کو اسی موضوع بحث سے مخصوص کیا ہے۔ حاجی نوری نے اپنے کتاب "نجم الثاقب" کی آٹھویں بحث میں جو کہ فارسی میں ہے اس موضوع کو بیان کیا ہے۔ لیکن عین اسی حالت میں اس قسم کی بحث خصوصاً اس زمانہ کی قطعی ضرورت کا احساس ہوتا ہے، اس لیے کہ ہر زمانہ اپنے خاص شرائط کا حامل ہوتا ہے بالخصوص زمانہ کے اس حصہ میں جب خاص اعتقادی، سیاسی اور معاشرتی حالت و کیفیت رونما ہو چکی ہے لہذا مناسب ہے کہ ایسے مطالب اس موضوع پر زمانہ کے مطابق تحریر کیے جائیں اور یاددہانی کے ذریعہ لوگوں کے زمانہ کے شرائط کے مطابق انہیں تمام فرائض سے آشنا کرائیں۔

اہل سنّت کا نظریہ

اہل سنّت اگر چہ ولادت حضرت مہدیؑ اور اس زمانہ میں ان کے زندہ ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتے اور ان کا عقیدۂ محض یہ ہے کہ مہدی موعودؑ آخری زمانہ میں اپنے ظہور سے پہلے پیدا ہوں گے بغیر اس کے کہ ان کے لیے کوئی غیبت ہو جیسا کہ شیعۂ امامی معتقد ہیں، لیکن عین اسی حالت میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اہل سنّت کے نزدیک معتبر حدیثی منابع میں بہت سی حدیثیں موجود ہیں کہ جن میں مسلمانوں کے فرائض و وظائف حضرت مہدیؑ کے ظہور سے قبل بیان ہوئے ہیں۔ اس وقت وہ احادیث جو طرق اہل سنّت سے ہم تک پہونچی ہیں ان میں زمانہ پیغمبر اکرمؐ، امام مہدیؑ کے ظہور اور ہمارے اس زمانہ میں جو

فرائض ہیں ذکر ہوئے ہیں، لہذا یہ اِدّعا کیا جاسکتا ہے کہ اہل سنت بھی اس معنی میں زمانہ غیبت میں فرائض و وظائف کے پابند ہیں، اگر چہ شیعہ حدیثی منابع و مآخذ میں اس کے متعلق زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

زمانۂ غیبت کے فرائض

زمانۂ غیبت میں آداب و فرائض کا مقصد ایسے امور اور اعتقادات ہیں جو ہر مسلمان خصوصاً امام زمانہؑ کے شیعوں کو رکھنا چاہیے، اس لیے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرتؑ زندہ ہیں لہذا یہ امر ہم پر کچھ فرائض اور تکالیف واجب قرار دیتا ہے کہ ان میں سے بعض کو ہم بیان کریں:

ا۔ ظہور کے حتمی ہونے کا امکان

زمانۂ غیبت کے منجملہ فرائض میں سے، آخری زمانہ میں حضرت مہدیؑ کے ظہور کے حتمی ہونے کا ایمان رکھنا بھی ہے اگر چہ حضرتؑ کے ظہور میں تاخیر ہو جائے۔ اور یہ کہ وہ حضرت زہراؑ کی اولاد میں سے ہیں اور جب ان کا ظہور ہوگا تو زمین کو عدل و انصاف سے پُر کردیں گے۔

دراصل یہ عقیدہ تمام مسلمانوں کے درمیان بنیادی مشترک فرائض میں سے ہے۔

اسی دلیل سے علمائے شیعہ اور اہل سنت کی ایک جماعت نے حضرت مہدیؑ کے ظہور پر اعتقاد رکھنے کے لازمی ہونے پر استدلال کیا ہے کہ ان میں سے ہم بعض کے اقوال کی طرف اشارہ کریں گے۔

الف۔ علمائے شیعہ کے اقوال

شیخ صدوقؒ نے قیام حضرت حجتؑ پر عقیدہ و ایمان رکھنے کو واجب قرار دینے کے بعد اس موضوع پر متعدد روایات نقل کر کے ''ایمان بالغیب'' کو سورۂ بقرہ میں متقین کے صفات میں سے ایک صفت پر منطبق کیا ہے۔ اس کے ایک ظاہری مصادیق میں سے یعنی حضرت مہدیؑ کے ظہور پر ایمان رکھنے کے متعلق فرمایا ہے: ''و لا یکون الایمان صحیحاً من مؤمن الّا من بعد علمه بحال من یؤمن به، کما قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ '' الّا من شهد بالحق و هم یعلمون (۱) '' ''فلم یوجب لهم صحة ما یشهدون به الّا من بعد علمهم ثم کذلک لن ینفع ایمان من آمن بالمهدی القائم علیه السلام حتی یکون عارفاً بشانه فی حال غیبته ''(۲)۔

''کسی مومن کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے امام زمانہؑ کے احوال کا علم نہ ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' الّا من شهد بالحق و هم یعلمون '' مگر وہ افراد جو سمجھ بوجھ کر حق کی شہادت دیں۔ شہادت دینے والوں کی حق کے لیے گواہی صحیح واقع نہیں ہوگی مگر اس علم کے بعد، امام زمانہؑ کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے، اس لیے کہ کسی شخص کا مسئلہ مہدویت پر ایمان اسے نفع نہیں پہنچا سکتا مگر اس صورت میں جب وہ زمانۂ غیبت میں حضرتؑ کی شان و منزلت کی معرفت رکھتا ہو''۔

۱۔ سورۂ زخرف، آیت ۸۶۔

۲۔ کمال الدین، ج ۱، ص ۱۹۔

اسی وجہ سے شیعہ اور سنی روایات میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ مہدیؑ کے ظہور کا انکار کرنے والا کافر شمار کیا گیا ہے۔ جابر ابن عبداللہ انصاری پیغمبر اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "من انکر خروج المهدی فقد کفر بما انزل علی محمد و من انکر نزول عیسیٰ فقد کفر، و من انکر خروج الدجال فقد کفر، فانّ جبرئیل علیه السلام اخبرنی بانّ اللّه عزّوجلّ یقول: "من لم یؤمن بالقدر خیره و شرّه فلیاخذ ربّاً غیری" (۱) "جو شخص مہدیؑ کے ظہور کا منکر ہے جو کچھ محمدؐ پر نازل ہوا ہے اس کا انکار کرنے والا ہے، جو شخص عیسیؑ کے نزول کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ جو شخص دجال کے خروج کا منکر ہے کافر ہے۔ یقیناً جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص قضا وقدر پر خواہ وہ نیک ہو یا بد ایمان نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ میرے علاوہ کسی اور کو اپنا پروردگار بنالے۔"

امام صادقؑ سے ایک روایت میں اللہ تعالیٰ کے قول "الم ذلک الکتاب لا ریب فیه هدیً للمتقین الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصّلاة و ممّا رزقناهم ینفقون" کی تفسیر میں پڑھتے ہیں کہ آنحضرتؑ نے ارشاد فرمایا: متقین شیعیان علیؑ ہیں اور غیبت سے مراد وہی حجت غائب ہیں، یعنی مہدی منتظرؑ"۔ (۲)

امام صادقؑ کی ایک اور روایت میں غیب کے مصادیق میں سے ایک مصداق مہدیؑ کا آخری زمانہ میں ظہور بتایا گیا ہے۔

۱۔ فرائد السمطین، ج ۲، ص ۳۳۴، باب ۶۱۔ الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۸۳۔ الاذاعۃ، ص ۱۳۷۔ عقد الدرر، ص ۱۵۷۔

۲۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۳۴۔

ب۔ علمائے اہل سنّت سے ماخوذ عبارات

۱۔ احمد ابن محمد ابن صدیق کہتے ہیں: "... فالایمان بخروجه واجب و اعتقاد ظهوره تصدیقاً لخبر الرسول محتم لازب کما هو مدون فی عقائد اهل السنة و الجماعة من سائر المذاهب و مقرر فی دفاتر علماء الامة علی اختلاف طبقاتها و المراتب ..."(۱)

"مہدیؑ کے خروج پر ایمان رکھنا واجب ہے اور ان کے ظہور پر اعتقاد رکھنا پیغمبرؐ کی خبر کی تصدیق کی جہت سے یقینی و ثابت ہے، جیسا کہ اہل سنّت والجماعت کے عقائد میں جو تمام اسلامی مذاہب سے مدون و مرتب ہوئی ہے نیز علمائے امت کے نوشتہ جات میں ان کے طبقات اور مراتب کے مختلف ہونے کو بیان کیا گیا ہے"۔

۲۔ سفارینی حنبلی کہتے ہیں: "فالایمان بخروج المهدی واجب کما هو مقرر عند اهل العلم و مدوّن فی عقائد اهل السنة و الجماعة "(۲)

مہدیؑ کے ظہور پر ایمان رکھنا واجب ہے، جیسا کہ اہل علم کے نزدیک یہ بات ثابت ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد میں مدوّن و مرتب کیا جا چکا ہے۔

۳۔ شیخ ناصر الدین البانی وہابی المسلک کا قول ہے: "انّ عقیدة خروج المهدی ثابتة متواترة عنهُ یجب الایمان بها؛ لأنّها من امور الغیب و الایمان بها صفات المتّقین کماقال [الم ذلک الکتاب لا ریب فیه هدی للمتّقین

۱۔ ابراز الوهم المکنون من کلام ابن خلدون، ص۴۳۳۔۴۳۶۔

۲۔ الاذاعة، ص۱۴۶۔

الذین یؤمنون بالغیب] ان انکارھا لا یصدر الا من جاھل مکابر ،اسأل اللّٰہ تعالیٰ ان یتوفا نا علی الایمان بھا و بکل ماصح فی الکتاب و السنۃ". (۱)

"یقیناً مہدی کے ظہور پر عقیدہ رکھنا ایک ایسا عقیدہ ہے جو پیغمبر اکرمؐ سے متواتر طریقہ سے ثابت ہے کہ اس پر ایمان رکھنا واجب ہے، اس لیے کہ یہ عقیدہ امور غیب میں سے ہے کہ جس پر ایمان رکھنا قرآن کریم میں متقین کے صفات میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [یہ وہ کتاب ہے اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں] یقیناً اس عقیدہ کا انکار کرنے والا، سوائے جاہل اور جھوٹے شخص کے کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس ایمان پر مرنے کی درخواست کرتے ہیں نیز ہر وہ شئے جو کتاب وسنت سے صحیح طور پر ثابت ہو۔"

۴۔ استاد عبدالحسن ابن حمد العباد وہابی المسلک کا قول ہے: " والتصدیق بھا داخل فی الایمان بانّ محمداً رسول اللّٰہ لأنّ من الایمان بہ تصدیقہ فیما أخبرہ ،و داخل فی الایمان بالغیب الّذی امتدح اللّٰہ المومنین بہ بقولہ : "الم ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین الّذین یومنون بالغیب"(۲)

"مسئلہ مہدویت کی تصدیق اور اعتقاد رکھنا، پیغمبر اکرمؐ کی رسالت پر ایمان رکھنے میں داخل ہے، اس لیے کہ پیغمبرؐ پر ایمان رکھنے کے آثار میں سے ان کی ان امور میں تصدیق کرنی ہے جن کی انہوں نے خبر دی ہے نیز ایسے غیب پر ایمان میں داخل ہے جس کی اللہ

۱۔ مجلۃ التمدن الاسلامی، شمارہ ۲۲، ص ۶۴۳، طبع دمشق۔

۲۔ مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ، سال اول شارہ ۳، ذی قعدہ ۱۳۸۸، طبع حجاز۔

نے مومنین کی اس پر ایمان رکھنے کی وجہ سے مدح وثنا کی ہے، جیسا کہ فرماتا ہے: اس کتاب میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں"۔ وغیرہ

۲۔ آزمائشوں میں دین حق سے متمسک رہنا

شیخ کلینیؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

" انّ لصاحب الأمر غيبة المتمسک فيها بدينه كالخارط للقتاد...انّ لصاحب هذا الامر غيبة ،فليتق الله عبد و ليتمسّک بدينه "(۱)

"یقیناً اس صاحب امر کے لیے غیبت ہے اور اس دورِ غیبت میں اپنے دین سے متمسک رہنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص خار سے پُر شدہ پھول پر ہاتھ کھینچتا ہو... بالیقین اس صاحب امر کے لیے غیبت ہے لوگوں کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور اپنے دین سے متمسک رہیں"۔

بزار اور دوسروں نے اپنی سند کے ساتھ رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: " انّ من ورائكم ايام الصبر ،الصبر فيهنّ كقبض على الجمر ، للعامل فيها اجر خمسين ..."(۲)

"یقیناً تمہارے سامنے ایسے ایام درپیش ہیں کہ ان میں ضرور صبر کرنا، اور ان ایام میں صبر کرنا ایسا ہی ہے جیسے آگ کو اپنی مٹھی میں لیتا ہو، جس شخص نے ان ایام میں اپنے فرائض پر عمل کیا ہوگا وہ پچاس گنا ثواب پائے گا..."۔

۱۔ کافی، ج ۱، ص ۳۳۵۔

۲۔ مسند بزاز، ج ۱، ص ۳۷۸۔ المعجم الکبیر، ج ۱۷، ص ۱۱۷۔ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۸۲، وغیرہ۔

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: " طوبی لمن تمسک بأمرنا فی غیبة قائمنا فلم یزغ قلبه بعد الهدایة... "(۱) "خوش نصیبی ہے اس شخص کے لیے جو ہمارے قائم کے زمانۂ غیبت میں ہمارے صاحب امر کے دامن سے وابستہ رہے پھر اس کا دل ہدایت کے بعد گمراہ نہ ہو..."۔

نیز اپنی سند کے ساتھ رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: " و الذی بعثنی بالحق بشیراً لیغیبنّ القائم من ولدي بعهد معهود الیه منّی ، حتی یقول اکثر الناس مالله فی آل محمّد حاجة ، و یشک آخرون فی ولادته فمن ادرک زمانه فلیتمسک بدینه و لا یجعل للشیطان الیه سبیلا بشکه ، فیزیله عن ملّتي و یخرجه من دینی فقد اخرج ابویکم من الجنة من قبل ، و انّ الله جعل الشیاطین اولیاء للّذین لا یؤمنون "(۲)۔

"اس ذات کی قسم! جس نے مجھ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا بنا کر بھیجا اور عہد کے مطابق جو مجھ سے ہوا ہے کہ میری اولاد میں سے امام قائم حتماً غیبت اختیار کرے گا یہاں تک کہ اکثر لوگ کہنے لگیں گے کہ: اب اللہ تعالیٰ کو آل محمدؐ کی کوئی حاجت نہیں رہی بلکہ بعد میں آنے والے لوگوں کو تو ان کی ولادت ہی میں شک ہوگا جو شخص امام قائمؑ کے زمانہ میں ہوگا اس پر لازم ہے کہ ان کے دین سے متمسک رہے اور شیطان کو شک پیدا کرنے کا کوئی موقع ہی نہ دے، ورنہ وہ میری ملت اور میرے دین سے خارج ہو جائے گا

۱۔ کمال الدین، ص ۳۵۸۔
۲۔ کمال الدین، ص ۵۱۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۶۸۔

،اس لیے کہ اسی شیطان نے تمہارے باپ (آدمؑ) کو جنت سے اس سے پہلے نکلوایا تھا اور جولوگ ایمان نہیں لائے ہیں ان کا ولی، اللہ نے شیاطین کو قرار دیا ہے''۔

۳۔امام زمانہؑ کی ولایت سے متمسک رہنا

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:''
طوبی لمن ادرک قائم اهل بیتی و هو یاتمّ به فی غیبته قبل قیامه و یتولّی اولیاء ه و یعادی اعدائه ،ذلک من رفقائی و ذوی مودّتی و اکرم امتی علیّ یوم القیامة''(۱)

''وہ شخص بڑا خوش نصیب ہوگا جو میرے اہل بیتؑ میں سے امام قائمؑ کا زمانہ درک کرے گا اور وہ ان کی غیبت میں قیامت سے پہلے انہیں اپنا امام تسلیم کرے گا،اوران کے دوستوں کو اپنا دوست اوران کے دشمنوں سے عداوت رکھے گا، یہی لوگ میرے رفیق میرے اہل بیتؑ کے محبّ اور قیامت کے دن میرے نزدیک بہت مکرّم ومعزّز ہوں گے''۔

۴۔اللہ تعالی سے حضرتؑ کی معرفت کی درخواست کرنا

شیخ کلینیؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اللہ تعالی کے اس قول'' و من یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً '' کے متعلق فرمایا:'' طاعة الله و معرفة الامام''(۲)''یعنی حکمت سے مراد اللہ تعالی کی اطاعت اور امام کی معرفت ہے''۔

۱۔کمال الدین،ص ۲۸۶،ح ۲۔ ۲۔کافی،ج ۱،ص ۱۸۵۔

۵۔ تجدید بیعت اور اطاعت پر ثابت قدم رہنا

امام زمانہؑ کی امامت سے متمسک رہنے کے منجملہ مظاہر میں سے حضرتؑ کی بیعت کی ہمیشہ تجدید کرنا اور ان کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا ہے تا کہ جاہلیت کی موت سے نجات حاصل کی جا سکے۔

دعائے عہد میں امام صادقؑ سے یہ فقرات نقل ہوئے ہیں: " اللّٰھم انّی اجدّد له فی صبیحة یومی ھذا و ما عشت فی ایّامی عھداً و عقداً و بیعة له فی عنقی لا احول عنھا و لا ازول ابداً، اللّٰھم اجعلنی من انصاره و اعوانه و الذ ابّین عنه ..."(۱)

"خدایا! میں تجدید (عہد) کرتا ہوں آج کے دن کی صبح اور جتنے دنوں میں زندہ رہوں اپنے عقد و بیعت کی جو میری گردن میں ہے۔ میں اس بیعت سے نہ پلٹوں گا اور ابد (ہمیشہ) تک اس پر ثابت قدم رہوں گا، خدایا! مجھ کو ان کے اعوان و انصار اور ان سے دفاع کرنے والوں میں سے قرار دے..."۔

۶۔ شبہات کا مقابلہ کرنا

علماء اور دانشوروں کے فرائض میں سے حضرت مہدیؑ کے زمانۂ غیبت میں ان شکوک و شبہات کا مقابلہ کرنا بھی ہے جو حضرت مہدیؑ کی غیبت کے تقاضے سے رونما ہوئے ہیں، اس لیے کہ اگر معاشرہ میں ان کے شک و شبہ کا انہیں جواب نہ دیا جائے تو لوگوں کا حضرت کی امامت و ولایت کی بہ نسبت ایمان متزلزل ہو سکتا ہے۔

۱۔ مصباح الزائر، ص ۲۳۵۔ بحار الانوار، ج ۱۰۲، ص ۱۱۱

نعمانی نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"... فایاکم و الشک و الارتیاب ،انفوا عن انفسکم الشکوک و قد حذرتکم فاحذروا ،اسال اللہ توفیقکم و ارشادکم "(۱)

"لہذا خبردار! شک وریب سے پرہیز کرنا، اپنے دلوں سے شکوک وشبہات باہر نکال دو، میں نے تم لوگوں کو برحذر کردیا ہے لہذا تم لوگ شکوک وشبہات سے باز رہو، میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے توفیقات اور ہدایت کی دعا کروں گا"۔

۷۔ برادران ایمانی کے ساتھ ہمدردی اور مدد کرنا

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے سورۂ عصر "والعصر ان الانسان لفی خسر" کی ان آیات کے متعلق ارشاد فرمایا: "عصر سے مراد، قائم کے ظہور کا زمانہ ہے۔ اور "انّ الانسان لفی خسر" سے مراد ہمارے دشمن ہیں۔ اور "الا الّذین آمنوا" یعنی ہماری آیات کے ذریعے ایمان لائیں ہوں گے اور "عملوا الصالحات" یعنی برادران دینی کے ساتھ ہمدردی اور تعاون، اور "وتواصوا بالحق" یعنی امامت اور "وتواصوا بالصبر" یعنی زمانۂ فترت۔ (۲) فترت سے مراد وہی امام زمانہؑ کی غیبت کا زمانہ ہے۔

۱۔ غیبت نعمانی، ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

۲۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۶۵۶۔

۸۔علوم ومعارف اہل بیتؑ کو رائج کرنا

علوم ومعارف اہل بیتؑ کی نشر واشاعت کرنا اہل بیتؑ کے امر کو احیا کرنے کے مصادیق میں سے ہے جس کے لیے بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ابن شعبہ حرانی نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ منتظرین کی توصیف میں فرماتے ہیں: ''... و فرقة احبّونا ،وحفظوا قولنا ، و اطاعوا امرنا و لم یخالفوا فعلنا فاولئک منّا و نحن منهم " (۱)''...اور ایک گروہ نے ہمیں دوست رکھا، ہمارے قول کی حفاظت کی اور اپنے دل میں جگہ دی اور ہمارے امر کی اطاعت کی ،ہمارے فعل کی مخالفت نہیں کی پس ایسے ہی افراد ہم سے ہیں اور ہم ان سے ہیں''۔

۹۔مہدویت کے جھوٹے دعویداروں سے فریب نہ کھانا

بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ زمانۂ غیبت میں بعض افراد مہدویت کا جھوٹا ادعا کر کے لوگوں کو گمراہ کریں گے،لہذا ہمارے لیے لازم ہے کہ ان سے مقابلہ کر کے لوگوں کو ان کے انحراف کرنے سے آگاہ کریں۔

شیخ طوسیؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: " لا یخرج القائم حتیٰ یخرج اثنا عشر من بنی هاشم کلّهم یدعوا الی نفسه ''(۲)''قائمؑ کا ظہور اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ بنی ہاشم میں سے بارہ آدمی ایسے نہ نکلیں جو اپنی (امامت کی) طرف لوگوں کو دعوت دیں''۔

۱۔تحف العقول،ص ۵۱۳۔بحار الانوار، ج ۷۵،ص ۳۸۰،ح ۱۔

۲۔غیبت،طوسی،ص ۴۳۷۔

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"... و لترفعنّ اثنتا عشرة راية مشتبهة لا يدرى اىّ من اىّ..."۔(۱)

"... یقیناً اس وقت بارہ پرچم بلند ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے سے مشابہ ہوں گے اور پتہ ہی نہ چلے گا کہ کون سا پرچم کس کا ہے اور ان کے درمیان حق و باطل کی پہچان نہ ہو سکے گی..."۔

۱۰۔ حضرت مہدیؑ کے ظہور کی علامتوں اور ان کی خصوصیتوں کو پہچاننا

ہمارے منجملہ زمانۂ غیبت کے فرائض میں سے حضرت مہدیؑ کے ظہور کی علامتوں اور ان کی خصوصیتوں کو پہچاننا بھی ہے، تاکہ اس طرح سے ہماری موت جاہلیت کی موت واقع نہ ہو اور جھوٹے مہدویت کے دعویداروں کے پھیلائے ہوئے جالوں میں گرفتار نہ ہوں۔

۱۱۔ حضرت مہدیؑ کے تعجیل فرج کے لیے دعا کرنا

بہت سی حدیثوں میں حضرت مہدیؑ کے تعجیل فرج کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت مہدیؑ کی اسحاق ابن یعقوب کے سوالات کے جواب میں ارسال کی گئی ایک توقیع میں نقل ہوا ہے: "... و اكثروا الدعاء بتعجيل الفرج فانّ فى ذلك فرجكم ..."۔(۲)

"... تعجیل فرج و کشائش کے لیے کثرت سے دعا کرو اس لیے کہ اس میں تمہارے لئے کشائش و آسائش ہے..."۔

۱۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۳۴۷، ح ۳۵۔ کافی، ج ۱، ص ۳۳۸، ح ۱۱۔

۲۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۴۸۳، ح ۴۔

۱۲۔ بے صبری سے پرہیز کرنا

بہت سی روایتوں میں حضرتؑ کے ظہور کے لیے بے صبری سے منع کیا گیا ہے اور اہل بیتؑ کے مقابل میں صبر و رضا اور تسلیم کا حکم دیا گیا ہے۔

شیخ کلینیؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: "کذب الوقّاتون و هلک المستعجلون و نجا المسلّمون "(۱)

"معین وقت بتانے والے جھوٹے ہیں اور تعجیل چاہنے والے اور جلد بازی کرنے والے ہلاک ہوں گے اور صرف تسلیم کرنے والے نجات پائیں گے"۔

نیز اپنی سند کے ساتھ امام باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: " انما هلک الناس من استعجالهم لهذا الأمر ،انّ الله لا یعجل لعجلة العباد . انّ لهذا الأمر غایة ینتهی الیها ،فلو قد بلغوها لم یستقدموا ساعة و لم یستاخروا"(۲)

"اس امر (ظہور مہدیؑ) میں عجلت کی تمنا کرنے والے ہلاک ہوئے، بندوں کا (حضرتؑ کے ظہور کے لیے) جلدی اور عجلت کرنے سے اللہ عجلت سے کام نہیں کرے گا اس امر کے لیے ایک وقت معین ہے، نہ اس سے ایک ساعت پہلے ظہور ہوگا اور نہ ہی ایک ساعت بعد"۔

۱۔ کافی، ج۱، ص۳۶۸، ح۲۔

۲۔ کافی، ج۱، ص۳۶۹، ح۷۔

۱۳۔ ظہور کا وقت معین نہ کرنا

نعمانی نے اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"... انا اهل بيت لا نوقت و قد قال محمد صلى الله عليه و آله : كذب الوقاتون ..." (۱) "ہم اہل بیتؑ کوئی معین وقت نہیں بتاتے، اس لیے کہ محمدؐ نے فرمایا ہے: معین وقت بتانے والے جھوٹے ہیں"۔

۱۴۔ امام زمانہؑ سے محبت کرنا

زمانۂ غیبت کے منجملہ فرائض میں سے امام زمانہؑ سے عشق و محبت کرنا ہے۔

اگر چہ محبت میں یگانگی کا معیار، دراصل اللہ تعالیٰ سے دوستی و محبت ہے۔ اس لیے کہ تمام خوبیوں کی بازگشت اسی کی طرف ہوتی ہے، لیکن پیغمبرؐ اور ان کے اہل بیتؑ سے اللہ کی وجہ سے محبت کرنی چاہیے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "احبّو الله لما يغذوكم و احبّوني بحب الله و احبّوا اهل بيتي لحبّي "(۲)

"اللہ تعالیٰ سے اس وجہ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں رزق عطا کرتا ہے اور مجھے اللہ کی محبت کی وجہ سے دوست رکھو نیز میرے اہل بیتؑ سے میری وجہ سے محبت کرو"۔

پیغمبرؐ کے منجملہ اہل بیتؑ میں سے امام زمانہؑ ہیں۔ ایک حدیث میں جو امام رضاؑ نے اپنے آباء واجداد سے انہوں نے امام علیؑ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "قال لي

۱۔ غیبت نعمانی، ص ۲۸۹، ح ۶۔

۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۳۹۔

أخي رسول اللّه صلى اللّه عليه و آله... و من احبّ ان يلقى اللّه و قد كمل ايمانه و حسن اسلامه فليتولّ الحجة صاحب الزمان المنتظر ...''(۱)

''مجھ سے میرے بھائی رسول خداؐ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنے مکمل ایمان اور نیک اسلام کے ساتھ ملاقات کا خواہاں ہے تو اسے چاہیے کہ حضرت حجت صاحب الزمان کی ولایت کے پرچم تلے آجائے اور انہیں دوست رکھے...''۔

امام زمانہؑ کی معرفت

وہ حدیثیں جسے شیعہ اور اہل سنت نے اپنے حدیثی منابع میں نقل کی ہیں ان میں امام کی معرفت نیز ان کی ضرورت کے لازم ہونے والی حدیث بھی ذکر کی ہے۔ یہ حدیث پیغمبر اکرمؐ سے مختلف تعبیروں میں نقل ہوئی ہے۔ بعض روایات میں پیغمبرؐ فرماتے ہیں:

''من مات و لم يعرف امام زمانه مات ميتة جاهلية'' ''جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرا ہے''۔

اب یہاں امام زمانہ کی معرفت سے کیا مراد ہے؟ امام زمانہؑ سے مراد کون ہے؟ اور جاہلیت کی موت کا معنی کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق ہم یہاں بحث کریں گے۔

حدیث کے الفاظ

یہ حدیث منابع اہل سنت میں مختلف تعبیروں میں وارد ہوئی ہے۔

اب ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۲۹۶، ح ۱۲۵۔

۱۔محمد ابن اسماعیل بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:" من خرج من السلطان شبراً مات میتة جاهلية " (۱)''جو شخص کسی حاکم کی سلطنت سے ایک بالشت کی حد تک بھی خارج ہو جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت واقع ہوئی ہے''۔

۲۔مسلم ابن حجاج نے اپنی سند کے ساتھ رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: " من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية " (۲)''جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کی گردن پر بیعت نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت واقع ہوئی ہے''۔

۳۔ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:" من مات و ليس له امام مات ميتة جاهلية"(۳)''جو شخص بغیر امام کے مر جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت واقع ہوئی ہے''۔

۴۔طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ رسول خداؐ سے نقل کیا۔ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:" من مات و ليس عليه امام فميتته جاهلية..."(۴)''جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت واقع ہوئی ہے۔

۵۔رسول خداؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:" من مات و لم يعرف امام زمانه مات ميتة جاهلية ". (۵)

۱۔صحیح بخاری، ج۲،ص ۱۳۔ ۲۔صحیح مسلم، ج۶،ص ۲۱،۲۲۔

۳۔صحیح ابن حبان، ج۳۴۔ ۴۔المعجم الکبیر، ج۱۰،ص ۳۵۰۔

۵۔شرح مقاصد، ج۳،ص ۲۷۵۔المغنی قاضی عبدالجبار، ج۱،ص۱۱۶۔

"جو شخص اپنے امام زمانہ کی شناخت نہ رکھتے ہوئے مرجائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت واقع ہوئی ہے"۔

علمائے اہل سنت کے روّاتِ حدیث

علمائے اہل سنت کی ایک کثیر جماعت نے اس حدیث کو مختلف تعبیروں کے ساتھ نقل کیا ہے ان کے اسماء کی ترتیب کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۔ ابوداؤد سلیمان ابن داؤد طیالسی (متوفی ۲۰۴)۔(۱)

۲۔ حافظ عبدالرزاق (متوفی ۲۱۱)۔(۲)

۳۔ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰)۔(۳)

۴۔ ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۴)۔(۴)

۵۔ ابو جعفر اسکافی (متوفی ۲۴۰)۔(۵)

۶۔ احمد ابن حنبل (متوفی ۲۴۱)۔(۶)

۷۔ حمید ابن زنجویہ (متوفی ۲۵۱)۔(۷)

۸۔ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن دارمی (متوفی ۲۵۱)۔(۸)

۱۔ مسند طیالسی۔

۲۔ المصنف ، ج ۱۱، ص ۳۳۰۔

۳۔ الطبقات الکبریٰ ، ج ۵، ص ۱۰۷۔

۴۔ المصنف ، ج ۱۵، ص ۲۴، ۳۸۔

۵۔ المعیار والموازنہ ص ۲۴۔

۶۔ مسند احمد ، ج ۲، ص ۸۳، ۱۵۴۔

۷۔ الاموال ، ج ۱، ص ۸۱۔

۸۔ سنن دارمی ، ج ۲، ص ۲۴۱۔

۹۔ محمد ابن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۶)۔(۱)

۱۰۔ مسلم ابن حجاج (متوفی ۲۶۱)۔(۲)

۱۱۔ احمد ابن عمر بزار (متوفی ۳۲۰)۔(۳)

۱۲۔ ابوعمرو احمد ابن محمد ابن عبدربہ (متوفی ۳۲۷)۔(۴)

۱۳۔ ابوحاتم محمد ابن حبان (متوفی ۳۵۴)۔(۵)

۱۴۔ ابوالقاسم طبرانی (متوفی ۳۶۰)۔(۶)

۱۵۔ حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵)۔(۷)

۱۶۔ قاضی عبدالجبار معتزلی (متوفی ۴۱۵)۔(۸)

۱۷۔ ابونعیم اصفہانی (متوفی ۴۳۰)۔(۹)

۱۸۔ بیہقی (متوفی ۴۵۸)۔(۱۰)

۱۹۔ محمد ابن فتوح حمیدی (متوفی ۴۸۸)۔(۱۱)

۱۔ الجامع الصحیح، ج۲، ص۱۳۔ تاریخ البخاری، ج۶، ص۴۳۵۔

۲۔ صحیح مسلم، ج۶، ص۲۱،۲۲۔ ۳۔ الزوائد، ج۱، ص۱۴۳۔

۴۔ عقد الفرید، ج۱، ص۹۔ ۵۔ صحیح ابن حبان، ح۴۴۳۔

۶۔ المعجم الکبیر، ج۱۰، ص۳۵۰، ح۱۰۶۸۷۔ المعجم الاوسط، ج۱، ص۱۷۵، ح۲۲۷۔

۷۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۱، ص۷۷، ۱۱۷۔

۸۔ المغنی، ج۱، ص۱۱۶۔ ۹۔ حلیۃ الاولیاء، ج۳، ص۲۲۴۔

۱۰۔ السنن الکبریٰ، ج۸، ص۱۵۶، ۱۵۷۔ ۱۱۔ الجمع بین الصحیحین۔

۲۰۔ زمخشری (متوفی ۵۳۸)۔(۱)

۲۱۔ محمد ابن عبد الکریم شہرستانی (متوفی ۵۴۸)۔(۲)

۲۲۔ ابن اثیر جزری (متوفی ۶۰۶)۔(۳)

۲۳۔ ابن ابی الحدید (متوفی ۶۵۶)۔(۴)

۲۴۔ حافظ نووی (متوفی ۶۷۶)۔(۵)

۲۵۔ حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸)۔(۶)

۲۶۔ ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴)۔(۷)

۲۷۔ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۲)۔(۸)

۲۸۔ نور الدین ہیثمی (متوفی ۸۰۷)۔(۹)

۲۹۔ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲)۔(۱۰)

۳۰۔ حسام الدین متقی ہندی (متوفی ۹۷۵)(۱۱) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ربیع الابرار، ج۳، ص۲۲۱۔
۲۔ الملل والنحل، ج۱، ص۱۷۲۔
۳۔ جامع الاصول، ج۴، ص۴۵۶۔
۴۔ شرح نہج البلاغہ، ج۹، ص۱۵۵۔
۵۔ المنہاج، ج۱۲، ص۲۳۰۔
۶۔ تلخیص المستدرک، ج۱، ص۷۷، ۱۱۷۔
۷۔ تفسیر القرآن العظیم، ج۱، ص۵۱۷۔ البدایہ والنہایہ، ج۷، ص۲۳۲۔
۸۔ شرح مقاصد، ج۲، ص۲۷۵۔
۹۔ مجمع الزوائد، ج۵، ص۲۱۸۔
۱۰۔ فتح الباری، ج۱۶، ص۱۱۲۔
۱۱۔ کنز العمال، ج۱، ص۱۰۳، ح۴۶۳۔

صحابہ کے روّات حدیث

صحابہ کی ایک خاص تعداد نے ان روایات کو نقل کیا ہے، ذہبی کی ''الکاشف'' کی تعبیر کے مطابق تمام صاحبان صحاح ستہ نے ان میں سے ہر ایک نے کثرت سے روایات نقل کی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زید ابن ارقم۔

۲۔ عامر ابن ربیعہ عنزی۔

۳۔ عبداللہ ابن عباس۔

۴۔ عبداللہ ابن عمر ابن خطاب۔

۵۔ عویمر ابن مالک معروف بہ ابوالدرداء۔

۶۔ معاذ ابن جبل۔

۷۔ معاویہ ابن ابی سفیان۔

۸۔ ابو ہریرہ دوسی۔

۹۔ انس ابن مالک۔

''جاہلیت کی موت'' سے کیا مراد ہے؟

جاہلیت کی موت سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

۱۔ اس سے مراد، جاہلیت کے زمانہ میں موت کا واقع ہونا ہے۔ ایسی جاہلیت جو شرک و بت پرستی، وہمیات پر عمل کرنا اور اسلامی ثقافت نیز برے کاموں سے دوری اور اصلی و خالص معارف وحقائق سے دور ہونا ہے۔

۲۔ اس سے مراد، ایسی موت ہوگی جو جہالت و نادانی کے ہمراہ ہے، یعنی انسان اگر امام زمانہؑ کی معرفت کے بغیر زندگی گزارے اور بغیر معرفت کے مرجائے تو گویا وہ ایسا ہی ہے کہ دنیا سے جاہل رخصت ہوا ہے۔

امام صادقؑ کی ایک روایت میں جاہلیت کی موت کو ان روایات میں ضلالت و گمراہی کی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابن ابی یعفور ناقل ہیں: ''امام جعفر صادقؑ سے رسول خداؐ کے اس قول "من مات و ليس له امام فميتته ميتة جاهلية" کے متعلق میں نے سوال کیا کہ کیا اس سے مراد کفر کی موت ہے؟ تو حضرتؑ نے فرمایا: ''ضلالت و گمراہی کی موت ہے...''۔(۱)

اس حدیث کی تفسیر و توضیح میں علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: ''شاید امامؑ کا ان کے کفر کی تصدیق کرنے کے بجائے ان کی ضلالت و گمراہی کو ثابت کرنے کا سبب یہ ہو کہ گویا سوال کرنے والے نے یہ گمان کیا ہو کہ دنیا میں کفر کے احکام، جیسے نجاست، نکاح کی نفی، توارث اور ان جیسے امور ان کے لئے جاری ہوتے ہیں، لہذا حضرتؑ ان امور کی نفی کرتے ہیں اور ان کے لیے دنیا میں حق سے گمراہی اور آخرت میں بہشت سے دوری ثابت کرتے ہیں۔ اور اس بات میں تضاد نہیں پایا جاتا کہ وہ لوگ آخرت میں کفار سے ملحق ہوں اور ہمیشہ آتش جہنم میں رہیں، جیسا کہ تمام اخبار و روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

اور یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ امام کا ان کفر ثابت کرنے سے توقف اختیار کرنا اس جہت سے ہو کہ اہل سنّت کے وہ افراد شامل ہوں جو مستضعف تھے اور ان کا کوئی امام نہیں

۱۔ کافی، ج۱، ص۳۷۶، ۳۷۷۔

تھا، اس لیے کہ ان کے لئے عذاب سے نجات کا احتمال پایا جاتا ہے۔۔۔(۱)

علامہ مجلسیؒ کی پہلی توجیہ کی تائید ایک دوسری روایت کرتی ہے جو شیخ کلینیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حارث ابن مغیرہ سے نقل کی ہے کہ امام صادقؑ سے میں نے عرض کیا: کیا رسول خداؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: "من مات لا یعرف امامه مات میتة جاهلیة"؟ "جو شخص بھی اپنے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت واقع ہوئی ہے؟" حضرتؑ نے فرمایا: ہاں!

میں نے عرض کیا: کیا مطلقاً جاہلیت مراد ہے یا صرف وہ جاہلیت جو اپنے امام کی معرفت نہ رکھتا ہو؟

حضرتؑ نے فرمایا: کفر و نفاق اور ضلالت و گمراہی کی جاہلیت ہے۔(۲)

کس امام کی معرفت؟

اس قسم کی احادیث میں مختصر غور و فکر کرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ ایسے امام کی معرفت واجب ہے اور اس کے بغیر انسان دنیا میں جاہلیت کی موت مرتا ہے اور دوسری تعبیر کے مطابق اس کی سلطنت سے ایک بالشت کی مقدار یا اس کی اپنی گردن میں بیعت نہ رکھنے وغیرہ کی وجہ سے دنیا میں جاہلیت کی موت مرتا ہے، وہی امام معصوم ہیں کہ جن کے وجود ذی جود سے زمین صبح قیامت تک کسی زمانہ میں خالی نہیں رہے گی، اس مطلب کو چند طریقوں سے پایۂ ثبوت تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

۱۔ مرآۃ العقول، ج۴، ص۲۲۰۔ ۲۔ اصول کافی، ج۱، ص۳۷۷۔

۱۔ داخلی قرینہ

ان روایات میں ان لوگوں کے لیے سخت اور شدید حکم کا اشارہ کیا گیا ہے جو امام کی سلطنت اور اسلامی حاکم کے ماتحت نہیں ہیں یا ان کی معرفت نہ رکھتے ہوں یا ان کی اطاعت سے خارج ہو گئے ہوں۔ جاہلیت کی موت کا حکم، ایک ایسی تعبیر ہے جو کفر کے ساتھ سازگار ہے اور یہ حکم ایسے موضوع کے لیے ہے جو اس حکم سے تناسب رکھتا ہے کہ اس میں ایسے امام معصوم کی معرفت مقصود ہے کہ جن کا پیغمبر اسلامؐ نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعارف کرایا ہے، جیسا کہ اگر انسان اپنے پیغمبر کی معرفت نہ رکھے اور اس کی اطاعت نہ کرے تو دنیا میں جاہلیت کی موت مرا ہے۔

کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ باور کرے کہ ایک فاسق و فاجر اور بے دین حاکم کی معرفت نہ رکھنے کی وجہ سے انسان دنیا میں جاہلیت کی موت مرتا ہے؟ کیا فاسق و فاجر امام کی سلطنت سے ایک بالشت کی مقدار میں خارج ہونا جاہلیت کی موت کا باعث ہے؟ پھر ادلہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم کی طرف رغبت و میلان وغیرہ رکھنے سے منع کرنے کی کس طرح تفسیر ہو گی؟

۲۔ خارجی قرائن

دوسری روایات کی طرف مراجعہ کرنے سے نیز بعض آیات سے ان روایات میں امام کی مراد ہمیں معلوم ہو جائے گی۔ اب ان میں سے ہم بعض قرائن کی طرف اشارہ کریں گے:

الف۔ آیہ اولی الامر

"اولی الامر" والی آیت کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ اشارہ ہوا ہے کہ اس آیت میں "اولی الامر" سے مراد، معصوم افراد ہیں، جیسا کہ فخر رازی نے بھی اس آیت کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاحبان امر و صاحبان حکومت کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور احادیث میں ان کی اطاعت سے خارج ہونے کی نفی کی ہے نیز ان کی اطاعت سے خارج ہونے کو جاہلیت کی موت سے تعبیر کیا ہے اور اس طرح کے اماموں کی معرفت کا حکم دیا ہے۔ لہذا تفتازانی ان احادیث کو آیہ "اولی الامر" سے مربوط جانتے ہیں۔

ب۔ بارہ خلیفہ والی حدیثیں

پیغمبر اکرمؐ نے، صحیح السند احادیث کے مطابق جو صحاح، مسانید اور اہل سنّت کی سنن والی کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں، فرمایا: "میرے بعد بارہ امیر، خلیفہ اور امام آئیں گے..." یہ بارہ امام وہی افراد ہیں کہ جن کی معرفت کا ان روایات میں حکم دیا گیا ہے اور ان کی اطاعت سے خارج ہونے کی ممانعت کی گئی ہے۔

ج۔ اہل بیتؑ کا واضح طور پر بیان کرنا

امام حسینؑ سے معرفت الٰہی کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا: "معرفة اهل كلّ زمان امامهم الذى يجب عليهم طاعته" (۱) "ہر زمانہ کے امام کی معرفت سے مراد وہ امام ہیں کہ جن کی اطاعت لوگوں پر واجب ہوتی ہے"۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۸۳، ح ۲۲۔

امام صادقؑ نے ارشاد فرمایا: "نحن قوم قد فرض اللّٰه طاعتنا ، و انکم لتأتمّون بمن لا یعذر الناس بجهالته "(۱)

"ہم وہ قوم ہیں کہ جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دی ہے، یقیناً آپ لوگ ایسے افراد کی پیروی کرتے ہیں کہ لوگ اپنی جہالت وعدم معرفت کی بنا پر معذور نہیں ہیں"۔

امام باقرؑ نے فرمایا: " انّما یعرف اللّٰه عزّوجلّ و یعبده من عرف اللّٰه و عرف امامه منّا اهل البیت "(۲)

"صرف اللہ تعالیٰ کی وہی معرفت رکھتا اور اس کی عبادت کرتا ہے جس نے اللہ اور ہم اہل بیتؑ میں سے جو امام ہے اسے پہچان لیا ہے"۔

امام صادقؑ نے فرمایا: " من عرفنا کان مومنا و من انکرنا کان کافراً "(۳)

"جس نے ہماری معرفت حاصل کر لی وہ مومن ہے اور جس نے ہمارا انکار کیا وہ کافر ہے"۔

نیز فرمایا: " الامام علم بین اللّٰه عزّوجلّ و بین خلقه ،فمن عرفه کان مومناً و من انکره کان کافراً "(۴)

"امام اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان ہدایت کا پرچم ہے، لہذا جس نے اس کی معرفت حاصل کی وہ مومن ہے اور جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہے"۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۹۶ ص ۲۱۱، ح ۱۳۔
۲۔ کافی، ج ۱ ص ۱۸۱۔
۳۔ کافی، ج ۱ ص ۱۸۱۔
۴۔ بحار الانوار، ج ۲۳ ص ۸۸۔

معرفت امام کا مقصد

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ فریقین کی بعض روایات میں امامؑ کی معرفت کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ جو شخص ان کی معرفت نہ رکھے وہ جاہلیت کی موت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ''معرفت امام'' کا مقصد کیا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ امام کی معرفت سے مراد، صرف نام، حسب ونسب اور ان کی ظاہری خصوصیات کی معرفت نہیں ہے، بلکہ امام کی معرفت کا مقصد، ان مذکورہ امور کے علاوہ آپ کی تمام مقام ومنزلت سے آشنائی ہے۔ انہیں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو رزق فراہم کرتا ہے اور زمین وآسمان اپنی جگہ ثابت وبرقرار ہیں۔ انہیں کے وسیلہ سے زمین بغیر کسی اضطراب کے اپنی مسلسل گردش میں مصروف ہے۔ انہیں کی ذات گرامی ہے جو نفوس کی ہدایت کی قابلیت رکھتی ہے اور ان کی ہدایت ورہبری کرتی ہے۔ انہیں کا مبارک وجود احکامِ شریعت بیان کرنے اور اسے وسعت دینے کا ذریعہ ہے۔ آپ ہی وہ ہیں جو مقام عصمت پر فائز ہونے کی بنا پر عمومی یا خصوصی طور پر شریعت کے محافظ ہیں۔ انہیں کی ذاتِ گرامی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور ولایت الٰہی کے مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے عام افراد بشر پر ولایت رکھتی ہے۔ انہیں کا وجودِ مبارک وہ ہے جو بہ نص خدا پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ لوگوں پر امام وخلیفہ اور جانشین رسول اللہؐ کے عنوان سے منصوب ومعین کیا گیا ہے۔ انہیں کی ذاتِ والا وہ ہے کہ جن کے وجود سے کفار وغیرہ دین میں تحریف کرنے سے مایوس ہو کر رہ گئے۔

جماعت سے افتراق کا مقصد

اس باب سے مربوط بعض روایات میں، اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص جماعت سے جدائی اختیار کرے وہ دنیا میں جاہلیت کی موت مرا ہے۔(۱) اس حدیث کا کیا مقصد ہے؟

سب سے پہلے یہ کہ اس قسم کی حدیثوں کی صحتِ سند معلوم نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ بالفرض ان احادیث کی صحتِ سند اگر تسلیم کر لی جائے، پھر بھی زیادہ احتمال پایا جاتا ہے کہ یہ حدیثیں اپنی صحیح اسناد کے ساتھ خلفاء اور حکام جور کی طرف سے گڑھی گئی ہیں، اس لیے کہ جو افراد حدیث جعل کرتے تھے جھوٹی صحیح نما اسناد بھی ایجاد کرتے تھے، یعنی اخبار و روایات کو بطور کذب موثق افراد کی طرف نسبت دیتے تھے تا کہ لوگوں کو اس کا یقین حاصل ہو جائے۔ اور اس کام کو لوگوں کا خلفاء کے ظلم کے مقابل خاموش رہنے کی وجہ سے اور اہل بیتؑ کی شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے دربار خلافت کے سیاسی و اعتقادی مخالفین انجام دیتے تھے۔

تیسرے یہ کہ قاعدۂ تناسب حکم و موضوع کے مدنظر ہم کہیں گے کہ: حکم جو جاہلیت کی موت ہے اور موضوع جو جماعت سے جدائی اختیار کرنی ہے، کے درمیان ایک تناسب موجود ہونا چاہیے۔ مختصر وقت کے بعد ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ لوگوں کا جماعت سے جدائی اختیار کرنا برحق ہے جو اس طرح کے شدید حکم سے دوچار ہوں، نہ کہ لوگوں کی ایسی جماعت

۱۔ المصنف، عبدالرزاق، ج ۱۱، ص ۳۳۰۔

سے مفارقت اختیار کرنا اگر چہ وہ امر باطل پر اجتماع واتفاق کر لیے ہوں۔ لہذا امیر المومنین علیؑ ''نہج البلاغہ'' میں اہل جماعت کو خود اور اپنی پیروی کرنے والے پر تطبیق کرتے ہیں۔

حضرتؑ ایک مرتبہ خطبہ دینے میں مشغول تھے، ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: یا امیر المومنین! مجھے اہل جماعت، اہل تفرقہ، اہل سنت اور اہل بدعت کے متعلق باخبر کریں؟

تو امامؑ نے فرمایا: ''افسوس! اب جب یہ سوال کر ہی لیا ہے تو غور سے سنو اور جو کچھ کہوں اسے سمجھو پھر تمہارے لیے کسی دوسرے سے سوال کرنے کی مجال و پرواباقی نہ رہے۔

اہل جماعت: میں ہوں اور جو لوگ میری پیروی کریں، اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہوں، یقیناً یہ مطلب برحق ہے اور اس کا سرچشمہ خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے۔

اہل تفرقہ: میرے مخالفین اور میری پیروی کرنے والوں کے مخالفین ہیں، خواہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

اہل سنت: اہل سنت حقیقی وہ افراد ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی سنت سے تمسک اختیار کیا، اگر چہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں۔

اہل بدعت: حکم خدا، کتاب خدا اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کرنے والے ہیں جو اپنی رائے سے اور اپنی ہی خواہش نفس سے عمل کرتے ہیں، اگر چہ وہ کثرت سے ہی کیوں نہ ہوں...''۔(۱)

۱۔ کنز العمال، ج ۱۶، ص ۱۸۳، ۱۸۴۔

جاہلیت والی موت کے مقابل والی موت

بعض دوسری روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ جاہلیت والی موت کے مقابل میں ، پیامبروں جیسی موت ہے، اوراس قسم کی موت ان افراد کے لئے ہے جو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے دوسرے گیارہ اماموں کی ولایت کے تابع ہوں۔ اب ان روایات میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ حاکم نیشاپوری نے اپنی سند کے ساتھ زید ابن ارقم سے اورانہوں نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: " من اراد ان یحیی حیاتی و یموت مماتی و یسکن جنّۃ الخلد التی وعدنی ربّی ،فلیتولّ علی ابن ابی طالب ،فانّہ لن یخرجکم من ھدی و لن یدخلکم فی ضلالۃ "(۱)" جو بھی میری جیسی زندگی گزارنا چاہتا ہے اور میری ہی طرح مرنا چاہتا ہے اور اس جنت میں داخل ہونے کا خواہش مند ہے کہ جس کا وعدہ میرے پروردگار نے مجھ سے کیا ہے تو اسے چاہیے کہ علی ابن ابی طالبؑ سے محبت کرے اس لیے کہ یہ وہ ذات ہے جو تمہیں ہدایت سے نکال کر ضلالت کی طرف ہرگز ہرگز نہیں لے جا سکتی"۔

۲۔ ابن عباسؓ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: " من سرّہ ان یحیی حیاتی و یموت مماتی ویسکن جنّۃ عدن التی غرسھا ربّی ،فلیوال علیاً من بعدی ولیوال ولیّہ و لیقتد باھل بیتی بالائمۃ من بعدی ،فانّھم عترتی خلقوا من طینتی و رزقوا فھمی و علمی ،فویل للمکذّبین بفضلھم

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۲۸۔

من امّتی القاطعین فیھم صلتی لا انالھم اللّٰہ شفاعتی "(۱)

"جو شخص میری جیسی حیات وممات چاہتا ہے اور وہ بہشت عدن کہ جسے اللہ نے اپنے قبضۂ قدرت سے اُگایا ہے تو اسے چاہیے کہ میرے بعد علی ابن ابی طالبؑ سے محبت کرے، اس کے ولی سے محبت کرے اور میرے اہل بیت کا اقتداو پیروی کرے جو میرے بعد ائمہ ہیں، کیونکہ میری عترت میری طینت سے خلق کیے گئے ہیں اور میرے علم وفہم سے استفادہ کیا ہے۔ پس ہلاکت ہو میری امت میں سے اس شخص کے لیے جو ان کی فضیلت کو جھٹلائے اور میرے تعلقات کو ان کی بہ نسبت منقطع کرے تو اللہ تعالیٰ میری شفاعت ان کے شامل حال نہیں کرے گا"۔

حضرت مہدیؑ ہمارے امام زمانہؑ ہیں

ان احادیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں ایک امام معصوم کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ ابتدا میں اس کی معرفت حاصل کریں، پھر ان کی بیعت کریں ان کے تابع فرمان رہیں اور ان کی مطلقاً اطاعت کریں، ایسا امام کہ اس کی تابعیت و اطاعت سے خارج ہونا اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے، اور ایسی حالت میں جاہلیت جیسی موت واقع ہوتی ہے۔

ایسا امام اس زمانہ میں سوائے فرزند امام حسن عسکریؑ یعنی حضرت مہدیؑ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ان بارہ اماموں میں سے آخری امام معصوم ہیں کہ جن کے آنے کی رسول خداؐ نے صبح قیامت تک خبر دی ہے۔ ایسے افراد کہ جن سے دین کا قوام وثبات وابستہ ہے اور اس دین کی بقاو عزت بھی انہی کی مرہون منت ہے۔

۱۔ حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۸۶۔ تاریخ بغداد، ج۴، ص۴۱۰۔ کنز العمال، ج۱۲، ص۱۰۳۔

فلسفۂ انتظار

انتظار لغوی مادہ کے لحاظ سے اپنے امور میں تاخیر کے ہیں، حفاظت کرنا، چشم براہ ہونا اور ایک طرح کا آئندہ کے لیے امیدوار ہوتا ہے۔(۱) جو کچھ لغت کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انتظار ایک نفسیاتی حالت ہے جو تامل اور تاخیر کے ہمراہ ہے۔ لیکن اس معنی سے دو قسمیں سمجھی جا سکتی ہیں:

پہلی قسم یہ کہ یہ نفسیاتی حالت اور چشم براہ ہونا، انسان کو گوشہ نشینی اختیار کرنے کی منزل میں پہنچا دے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر موجودہ حالت کو تحمل کرے اور آئندہ کے مطلوبات کا فقط انتظار کرتا رہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ چشم براہ ہونا اور انتظار کرنا معتدل حرکت کا باعث ہوتا ہے، اور وسیع قسم کے اقدام کی آمادگی کا عامل بن جاتا ہے۔ اب دینی مصادر و منابع کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ہی ہمیں یہ تحقیق و جستجو کرنی چاہیے کہ ان دونوں موجودہ معانی میں سے کون سا معنی حقیقتِ انتظار سے ہم آہنگ اور رہبرانِ الٰہی کے نزدیک صحیح اور ان کا مقصود و مطلوب ہے۔

انتظار فرج کی حقیقت

حق و صلح اور عدالت کی طاقت کا باطل اور ظلم کی طاقت پر مکمل طور پر کامیاب ہونے کی فکر، تمام انسانی اقدار تمام پہلوؤں سے مکمل طور پر برقرار ہونا، مدینۂ فاضلہ

۱۔ التحقیق فی کلمات القرآن، ج ۱۲، ص ۱۶۶۔

اور آئیڈیل معاشرہ بالآخر اس عمومی اور انسانی عقیدہ کا اجرا ہونا ایک ایسے مقدس اور عالی قدر فرد کے ذریعہ جسے اسلامی روایات میں ''مہدی'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے، یہ ایسی فکر ہے کہ کم وبیش تمام اسلامی فرق و مذاہب کے افراد (کچھ اختلافات کے ساتھ) اس کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

یہ فکر ہر شئے سے پہلے خوشحالی لانے والے کے عنصر پر مشتمل ہے جو بطور کلی نظام طبیعت میں اور تاریخ کے تکاملی وارتقائی مطالعہ اور آئندہ سے مطمئن ہونے میں جاری و ساری رہی ہے، اور بدگمانی کے عنصر کو بشر کے انجام کار کی بہ نسبت دور کرتی ہے جو بہت سے فرضیات اور نظریات کے مطابق تاریک و ابتر ہے۔ اس کلی عالمی انسانی بشارت کی نوید کے محقق ہونے کی امید و آرزو اسلامی روایات (انتظار فرج) کی زبان میں بیان کی جاچکی ہے۔

انتظار تشکیل دینے والے عناصر

منجی کے ظہور کا انتظار کبھی بھی حقیقت سے متصل نہیں ہوتا جب تک کہ ان میں تین بنیادی عناصر محقق نہ ہوں:

۱۔ عقیدتی عنصر: جو شخص امام کا منتظر ہے اسے منجی کے ظہور اور اس کے نجات بخشنے پر قطعی یقین اور راسخ ایمان ہونا چاہیے۔

۲۔ نفسیاتی عنصر: اس لیے کہ جو شخص امام کا منتظر ہے اسے چاہیے کہ ہمیشہ آمادگی کی حالت میں زندگی بسر کرے۔

۳۔ علمی و سلوکی عنصر: جو شخص امام کا منتظر ہے اسے چاہیے کہ اپنی استطاعت کے

مطابق انفرادی اور اجتماعی امور میں اپنی رفتار و کردار کے ذریعہ منجی کے ظہور کا زمینہ فراہم کرے۔

اگر ان تینوں بنیادی عناصر میں سے ہر ایک عنصر انتظار کے لیے فراہم نہ ہوں تو حقیقت میں انتظار کا معنی پیدا نہیں ہوسکتا۔

انتظار کی قسمیں

انتظار فرج دو طرح کا ہے:

۱۔ ایسا انتظار جو تعمیری، حرکت بخش، ذمہ داری لانے والا ہے، یہ انتظار عبادت بلکہ پُر فضیلت ترین عبادات میں سے ہے۔

۲۔ ایسا انتظار جو تخریبی ہے، روکنے اور مفلوج بنانے والا ہے، اور ایک قسم کا لا اُبالی پن شمار ہوتا ہے۔

الف۔ تخریبی انتظار

لوگوں کا ایک گروہ مہدویت اور انقلاب مہدیؑ کے متعلق یہ اظہار خیال کرتا ہے کہ وہ صرف انفجاری ماہیت رکھتا ہے۔ جو صرف اور صرف تمام مظالم کے پھیلنے، تفوّق طلبی (برتری چاہنے)، گھٹن کے ماحول اور حق کشی نیز تباہیوں سے نشأۃ پاتا ہے۔ اس وقت، صلاح، صفر کے نقطہ تک پہنچ جائے اور حق و حقیقت کا کوئی طرفدار نہ ملنے پر دنیا میں کوئی نیک آدمی نہ پایا جاتا ہو تو یہ انفجار و حادثہ درپیش ہوتا ہے تو پھر ایسی صورت میں غیب سے نجات دینے والی کوئی ہستی سامنے آتی ہے۔

اس قسم کا اظہار خیال اس وجہ سے ہے کہ وہ اصلاحات کا مخالف ہے اور فسادات و

تباہیوں کو ایک مقدس انفجار و حادثہ کے مقدمہ کے عنوان سے مطلوب شمار کرتا ہے اسے (ڈیالکٹیکی شبہ) کہا جائے، اس تفاوت کے ساتھ کہ ڈیالکٹیکی فکر میں اصلاحات کی اس وجہ سے مخالفت ہوتی ہے اور ہرج و مرج اس جہت سے اجازت دیتے ہیں کہ شکاف وسیع تر ہوتا جائے اور مبارزہ زیادہ شدید نیز مسلسل ہونے لگے، لیکن اس عامیانہ فکر میں یہ خصوصیت مفقود ہے، صرف فساد و تباہی کا فتویٰ دیتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں خود بہ خود مطلوب تک پہنچ جائے۔

اس قسم کا ظہور اور قیام مہدی موعودؑ کے متعلق اظہار خیال اور اس قسم کے ظہور کا انتظار جس میں ایک قسم کے حدود و قوانین اور اسلامی مقررات کا تعطل لازم آتا ہے، مزید اسے ایک قسم کا (لا ابالی پن) شمار کرنا چاہیے جو کسی بھی طرح اسلامی اور قرآنی موازین سے سازگار نہیں ہے۔

ب۔ تعمیری انتظار

تمام آیات اور اسلامی روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ مہدیؑ موعود کا ظہور اہل حق کا اہل باطل سے مبارزہ و جنگ کرنے کے حلقوں میں سے ایک حلقہ ہے جو اہل حق کی نہائی کامیابی پر ختم ہوگا۔ ایک شخص کا اس سعادت میں شریک ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ وہ فرد عملی طور پر اہل حق کی جماعت میں سے ہو۔

ائمہؑ اور معصوم الٰہی رہبروں نے صریح اور واضح طور پر مناسب انتظار کی تصویر کشی کر کے پہلی نوع کے اظہار خیال کو باطل قرار دیا ہے اور اس لیے کہ ہرگز وہ معنی مخاطب کے ذہن میں خطور نہ کرے مفہوم انتظار کے بنیادی اور اہم حصہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انتظار

عمل کا نام ہے، اور وہ بھی افضل اعمال قرار پایا، جیسا کہ فرماتے ہیں "افضل اعمال امّتی انتظار الفرج من اللہ عزّوجلّ " میری امت کے افضلِ اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہور و آسائش کا انتظار کرنا ہے۔" یا ایک دوسری روایت میں ہے:" انتظار الفرج من اعظم العمل " (۱) "ظہور و آسائش کا انتظار کرنا بزرگ ترین عمل ہے۔"

یا یہ کہ ظہور کا انتظار عبادات میں سے ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:" انتظار الفرج عبادة "" ظہور و آسائش کا انتظار عبادت ہے۔" اور ایک دوسری روایت میں ذکر ہوا ہے:" سئل عن علیؑ رجل :ایّ الاعمال احبّ الی اللہ عزّوجلّ ؟قال علیؑ : انتظار الفرج "(۲)

"امام علیؑ سے کسی شخص نے دریافت کیا:"اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اعمال کون کون سے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا: ظہور و آسائش کا انتظار"۔

اس بنا پر بعض افراد نے انتظار کا تعارف خاموشی، گوشہ نشینی اور مذہب سے دوری اختیار کرنے سے کرایا ہے اس وجہ سے اسے حملہ کا نشانہ بنایا ہے، وہ لوگ راہ خطا کی طرف چلے گئے ہیں، کیونکہ انہوں نے حقیقتِ انتظار کو درک نہیں کیا ہے، اور ایک تیر کو تاریکی شب میں پھینکا ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں نے انتظار کو مذہب پر اعتراض کرنے کے عنوان سے پہچنوایا ہے، وہ بھی ایسا اعتراض جو سقیفہ سے اور حضرت علیؑ کی زبان سے آغاز ہوا۔ (۳) ایسے معترضین انحرافی راستہ کی طرف چلے گئے ہیں، اس لیے کہ اس نظریہ کے مقابل میں دو سوال بیان ہوا ہے:

۱۔ کمال الدین، ج ۲، باب ۵۵، ح ۱۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۲۲۔

۲۔ گزشتہ حوالہ۔ ۳۔ انتظار مذہب اعتراض، مولف ڈاکٹر علی شریعتی۔

پہلا سوال: یہ کہ اس اعتراض کی گنجائش کہاں تک ہے؟ کیا رفاہ، عدالت، عرفان تک ہے یا آزادی وشگوفائی اور تکامل وترقی وغیرہ تک ہے؟

دوسرا سوال: یہ کہ اس اعتراض کے نتائج کیا ہیں؟ اور انتظار کرنے والے شخص کے دوش پر کون سی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس کی نفی کرنے سے کون سی شئے اس کے ہمراہ ثابت ہوتی ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ دینی آرزوؤں کا تکامل اور تدریجی ترقی انسان کی استعداد کی شگوفائی سے کہیں زیادہ بالاتر ہے، اس لیے کہ جس زمانہ میں انسان تکامل وترقی کے مرحلہ تک پہنچ جائے تو پھر بھی مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس بات کا طالب ہے کہ اسے کن امور میں صرف کرے؟ رشد ونمو میں یا خسارہ میں؟ یہ دو بنیادی سوال شگوفائی اور ترقی کے بعد کا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''الناس معادن کمعادن الذھب و الفضّہ'' (۱) ''لوگ سونا چاندی کے مانند معادن ہیں۔'' کسی معدن سے استفادہ کرنے کے تین مرحلہ ہوتے ہیں:

پہلا: کشف کرنا۔

دوسرا: اسے باہر نکالنا۔

تیسرا: اسے شکل وصورت میں ڈھالنا۔

یہاں تک کمال اور شگوفائی کا مرحلہ ہے، لیکن یہی لوہا جو اپنی شکل وصورت میں آچکا ہے وہ سواری کی شکل میں آنا چاہے تو اس کے لیے جہت دہی کی ضرورت درپیش ہوگی، لہذا اس

۱۔ نہج الفصاحۃ۔

معدن کی جہت دہی کے لیے چوتھے مرحلہ میں انسان تک نوبت پہنچتی ہے۔

جہت کس کی طرف ہے؟ اگر خود سے پست ترین جہت اور حیوانی زندگی پر راضی ہونے اور اسی حیات دنیوی کی طرف ہے؟ تو یہ تنزل اور پستی ہے۔ نتیجہ میں ایک عظیم ہدف کی ضرورت ہے، خود سے بلندی کی طرف حرکت کرنا۔ یہ تحرک اور رشد وارتقاء ہے۔ اب ہم سے بالاتر کون سی ذات ہے؟ تو اس کے لیے لازم وضروری ہے کہ وہ انسان کا خالق جو حاکم اور تمام کائنات کا بھی خالق ہے اس کی ذات ہے اور امامت اس حرکت اور ارتقائی منازل کی سیر کرنے کے لیے ہدایت کرتی ہے جو مقام رسالت کے بعد اس اہم ذمہ داری کو انجام دیتی ہے، اور اب ہمیں اس پرچم کی حرکت کو مہدی موعودؑ کے محبت آمیز ہاتھوں میں تلاش کرنا چاہیے۔

دوسرے سوال کے متعلق بھی کہنا چاہیے: مہدیؑ کا انتظار کرنے والا آمادہ ہے اور ان کی سلطنت وحاکیت کے لیے زمینہ فراہم کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے: ''یوطئون للمھدی سلطانه'' (۱) ''حضرت مہدیؑ کی سلطنت کے لیے زمینہ سازی کرتے ہیں۔''

اس آمادگی اور زمینہ فراہم کرنے کو امام صادقؑ کے پیغام میں دیکھا جا سکتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: '' لیعدنّ احدکم لخروج القائم و لو سھماً، فانّ اللّٰه اذا علم ذلک من نیّته رجوت لان ینسی فی عمره حتیٰ یدرکه و یکون من اعوانه و انصاره '' (۲)

۱۔ میزان الحکمۃ، ج۲، ص ۵۶۸۔ کنز العمال، ح ۳۸۶۵۷۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۶۶۔

"تم لوگوں میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ امام قائمؑ کے خروج کے لیے اسلحہ فراہم کر کے آمادہ رہے خواہ وہ ایک تیر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ تمہاری نیت دیکھ لے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری عمر میں اتنا اضافہ کر دے کہ تم ان کے زمانہ ظہور کو درک کر لو اور امام زمانہؑ کے اعوان و انصار میں شامل ہو جاؤ"۔

اب انتظار کے متعلق روایات اور لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ انتظار نہ احتراز اور نہ گوشہ نشینی نہ ہی طاغوتوں کی نفی، بلکہ انتظار کا جامع معنی عمل اور اقدام ہے، سرعت و حرکت ہے۔ انتظار بھی منفی اور مثبت دونوں پہلو رکھتا ہے، اس لیے کہ وہ آمادگی و اقدام کے معنی میں ہے جو دونوں پہلوؤں کا محتاج ہے۔ اور آئندہ نگری اور انقلاب کے معنی میں ہے جو زمینہ سازی کا محتاج ہے۔

انتظار، غیر دینی مکاتب فکر میں

آخری زمانہ میں منجی کا انتظار اور موجودہ حالت سے عالم بشریت کو نجات دینا اسلام اور آسمانی ادیان و مکاتب فکر سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ دینی و مادی و فلسفی مکاتب فکر بھی اس نظریہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

راسل کہتا ہے: "آخری زمانہ میں منجی کا انتظار اور اس کا آخری زمانہ میں ظہور کرنا عالم بشریت کو نجات دینا یہ آسمانی ادیان سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ غیر دینی اور مادی مکاتب فکر بھی تمام عالم بشریت کو نجات دلانے والے اور عدل و انصاف پھیلانے والے کے ظہور کے انتظار میں زندگی بسر کر رہے ہیں"۔

انتظار، عہد قدیم (توریت) میں

جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا ہے کہ منجی کے ظہور کے عقیدہ کا مسئلہ اور ایسے شخص کا انتظار تاریخ کے اختتام پر، اسلام اور مسلمانوں سے ہی مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام ادیان بھی اس عقیدہ پر یقین واعتقاد رکھتے ہیں۔

عہد قدیم (توریت) میں کتاب مقدس سے، سفر مزامیر داؤد، مزمور نمبر ۳۷ میں ہم مطالعہ کرتے ہیں: ''اشرار اور ظالموں کے وجود کی وجہ سے ناامید نہ ہو، اس لیے کہ ظالموں کی نسل زمین سے مٹادی جائے گی، اور عدل الٰہی کا انتظار کرنے والے زمین کے وارث ہوں گے۔ جو افراد لعنت الٰہی میں گرفتار ہوں گے ان کے درمیان اختلاف واقع ہوگا۔ اور صالح افراد وہ ہیں جو زمین کے وارث ہو چکے ہیں اور تاریخ کے اختتام تک زمین پر زندگی بسر کریں گے''۔(۱)

یہودیوں نے اپنی مشقت بار طول تاریخ میں ہر قسم کی ذلت ورسوائی اور شکنجہ کو صرف اس امید میں اپنے لیے تحمل کیا کہ ایک دن ''مسیحا'' آئے گا اور انہیں ذلت وخواری اور رنج والم کے گرداب سے نجات دلائے گا، اور تمام کائنات کا حاکم بنائے گا۔ ابھی موجودہ حالات میں صہیونیست جو فلسطین پر ناجائز قابض ہوگئے ہیں، عیسائی رائج شدہ دعاؤں کے علاوہ اسرائیل کی غاصب حکومت ''ایار نامی عبری پانچواں مہینہ'' کی تاسیس کی سالگرہ کی رسومات کے اختتام پر عبادت کی ناقوس بجنے کے بعد اس طرح دعا کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا ارادہ، ہمارا خدا ایسا ہو کہ اس کے لطف وکرم سے ہم آزادی کی صبح صادق کا مشاہدہ کریں اور مسیحا

۱۔ کتاب مقدس، سفر مزامیر داؤد۔

ہمارے کانوں میں سور پھونکنے کی عنایت کرے''۔(۱)

یہ واضح سی بات ہے کہ قوم بنی اسرائیل اپنے تیرہ و تاریک ماضی کی وجہ سے آئندہ کے بہتر ہونے کے انتظار میں رہیں۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ نے ان کے درمیان ایک منجی کی حیثیت سے قیام کیا ان لوگوں نے ان کے قبول کرنے میں تاخیر کی۔ یہ آرزو مصائب و پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے دوران جڑ پکڑ لی اور ان سے کبھی جدا نہ ہوئی، اور صرف داؤد کو ایک بادشاہ منتخب کرنے کے ساتھ جو قوم کی آرزو تھی وہ ایک منجی کے قیام کے لیے مکمل طور پر پوری ہوئی۔ داؤد ایک یہودی بادشاہ اور مسیحا شخص کے جاودانی آئیڈیل و نمونہ بن گئے۔ اور در واقع بعض انبیاء اور حکماء بھی ان کو مسیحا تسلیم کرتے تھے۔(۲)

حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے زمانے کو مسیحائی آرزو کے شگوفہ و ارتقاء کا زمانہ قوم یہود کے اذہان میں جانا جا سکتا ہے۔ حضرت سلیمان کے بعد حکومتِ بنی اسرائیل کا دو حصوں میں تقسیم ہو جانے پر مسیحائی امید کو زیادہ تقویت ہوئی۔

انبیاء نہ صرف یہ کہ آتش شوق کو دلوں میں روشن و منور محفوظ رکھتے تھے، بلکہ مفہوم مسیحا اور مسیحائی زمانہ کو وسعت بخشتے تھے۔ وہ لوگ معتقد تھے کہ مسیحا ایسا شخص ہے جس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کائنات کو مبارک بنا دے گا، اکثر انبیاء کے اذہان میں یہ بات موجود تھی۔

مسیحائی فکر ''اشعیا'' کی پیشگوئیوں میں واضح طور پر بیان ہوئی ہے۔

ایک آرام اور تسلی بخش مسیحا کی قوم یہود کے درمیان اس کی پیشگوئیوں میں سے ایک کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

۱۔ انتظار مسیحا در آئین یہود، ص ۶۵۔ ۲۔ ہوشع، ۳/۵۔ ارمیا، ۹/۳۰۔ حزقیال ۲۴/۳۷، ۲۵۔

وہ ایک آرزومندانہ اور عادلانہ حکومت کو پھیلا دے گا اس زمانہ میں ''کائنات معرفت الٰہی سے پر ہو جائے گی جیسے پانی دریا کو ڈھانپ لیتا ہے''۔

اور وہ، دین بنی اسرائیل کا تمام زمین میں پھیلنے کے بعد ہے جو قوموں کے پرچم کی طرح قائم ہوگا اور امتیں اسے ضرور طلب کریں گی۔(۱)

نیز یہ بھی مذکور ہے: ''آخری ایام میں واقع ہوگا کہ جب خانہ خدا کا پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹی پر ثابت ہوگا اور اس کی چٹانوں کے اوپر لہرائے گا نیز تمام امتیں اس کی طرف رواں دواں ہوں گی...''۔(۲)

''صفنیا'' کی بعض پیشینگوئیاں یہاں تک کہ اشعیا کی پیشینگوئیوں سے زیادہ ہمہ گیر ہے۔ اس کی نظر میں مسیحائی زمانہ پوری کائنات کی اصلاح کا زمانہ ہے، اس لیے کہ وہ زمانہ امتوں کو پاک زبان عطا کرے گا تا کہ سب کے سب یہُوہ (یہودیوں کے خدا) کو پکاریں اور ایک ہی دل سے اس کی عبادت کریں۔ تلمود کا تصور مسیحا شخص کے متعلق مندرجہ ذیل ہے:

''ایک انسان جو داؤد کی سلطنتی خاندان کا ایک پودا ہے اور اس کی قداست و پاکیزگی صرف اس کی طبیعی و عام عطیوں سے حاصل ہوگی، مشرک امتیں اس کے ہاتھوں نیست و نابود ہوں گی اور بنی اسرائیل قدرت مند ہوں گے''۔(۳)

۱۔ اشعیا، ۱۱/۱۰۔ صفنیا، ۳/۹۔

۲۔ صفنیا، ۲/۲۔۴۔

۳۔ انتظار مسیحا در آئین یہود، ص ۶۵۔

انتظار،عہد جدید (انجیل) میں

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ مسیح کا قول نقل ہوا ہے: ''اور عنقریب جنگوں اور اسکی افواہوں کو سنیں، تو کبھی ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے بے صبری کا اظہار کریں، اس لیے کہ اس کے محقق ہونے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے، لیکن وہ وقت تاریخ کا اختتامی زمانہ نہیں ہے۔(۱)

انجیل لوقا میں نقل ہوا ہے: ''تم سب کی کمر محکم طور پر باندھی جانی چاہیے۔ تمہارے سارے چراغ روشن ہوں اور تم ان افراد کی طرح رہو جو اپنے بزرگوں کی شادی سے واپس آنے کے انتظار میں ہیں تا کہ جیسے ہی وہ دروازہ پر دستک دیں تو ان کے لیے اسی وقت دروازہ کھول دیا جائے وہ خدمت گزار افراد خوش نصیب ہیں کہ جب ان کے بزرگ آئیں تو انہیں بیدار دیکھیں... پھر تم بھی آمادہ رہو، اس لیے کہ جس وقت تمہیں توقع نہ ہوگی اسی وقت انسان کا بیٹا آئے گا''۔(۲)

عام انتظار

اسلامی احادیث کے درمیان جو شیعہ وسنی طریقے سے ہم تک پہونچی ہیں ان میں دو قسم کے انتظار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

ایک عام انتظار کہ اسے بطور مطلق فرج وآسائش کے انتظار سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرا خاص انتظار کہ اسے بالخصوص حضرت مہدیؑ کے ظہور کے انتظار سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ تعبیر

۱۔ یوحنا، اصحاح ۲۴، ص ۱۰۲، شمارہ ۶۔

۲۔ لوقا، اصحاح ۱۲، ص ۲۳۸، شمارہ ۳۵۔۴۰۔

زیادہ تر شیعہ روایات میں وارد ہوئی ہے۔ پہلی قسم کی روایات کے متعلق ہم بطور نمونہ یہاں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ رسول خداؐ نے فرمایا: " افضل العبادة انتظار الفرج " (۱) "انتظار فرج و کشائش بہترین عبادت ہے"۔

۲۔ رسول خداؐ نے فرمایا: " انتظار الفرج عبادة، افضل اعمال امتی انتظار فرج اللّٰہ عزّوجلّ " (۲) "فرج وآسائش کا انتظار کرنا عبادت ہے، میری امت کے اعمال میں سب سے بہتر عمل اللہ کی طرف سے فرج وکشائش کا انتظار کرنا ہے"۔

۳۔ رسول خداؐ نے فرمایا: " افضل العبادة الصبر و الصمت و انتظار الفرج " (۳) "بہترین عبادت صبر وخاموشی اور فرج وکشائش کا انتظار ہے"۔

۴۔ شیخ صدوقؒ اپنی سند کے ساتھ احمد ابن محمد ابن ابی نصر سے وہ امام رضاؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا: "صبر اور انتظار فرج کتنی اچھی شئے ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ فرمایا" و ارتقبوا انّی معکم رقیب " (۴) "اور تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں" نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول: " فانتظروا انّی معکم من المنتظرین ". (۵)

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۲۵، ح ۱۱۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۲۲، ح ۲۔ جامع الصغیر، ج ۱، ص ۳۱۶۔ کنز العمال، ج ۳، ص ۲۷۳، ح ۶۵۰۹۔

۳۔ تحف العقول، ص ۲۰۱۔

۴۔ سورۂ ہود، آیت ۹۳۔

۵۔ سورۂ اعراف، آیت ۷۱۔

''پس تم انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں'' لہٰذا تم لوگوں کے لیے لازم ہے کہ صبر سے کام لو، اس لیے کہ اسی کے ذریعے یأس و ناامیدی کے بعد فرج وکشائش آتی ہے اور وہ لوگ جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں وہ تو تم سے بھی زیادہ صابر تھے''۔(۱)

۵۔علامہ مجلسیؒ ''بحارالانوار'' میں امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:

'' من دين الائمة الورع ،و العفة ، و الصلاح ... و انتظار الفرج بالصبر ''(۲) ''ائمہ(طاہرین) کے دین میں ورع وتقویٰ ،عفت و پاکدامنی اور اصلاح وغیرہ نیز صبر کے ساتھ فرج وکشائش کا انتظار ہے''۔

۶۔ترمذی اپنی سند کے ساتھ رسول خداؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:'' سل اللّه من فضله ،فانّ اللّه يحبّ ان يسأل و افضل العبادة انتظار الفرج''(۳) خدا کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت انتظار فرج وکشائش ہے''۔

۷۔شیخ صدوقؒ امام جوادؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:'' افضل اعمال شيعتنا انتظار الفرج .من عرف هذا الامر فقد فرّج اللّه عنه بانتظاره '' (۴) ''ہمارے شیعوں کے برترین اعمال میں سے فرج وآسائش کا انتظار ہے جو شخص اس امر سے آگاہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے انتظار کی وجہ سے اس کی مشکلات کو دور کرے گا''۔

۱۔کمال الدین،ص۶۴۵،ح۵۔
۲۔بحارالانوار،ج۵۲،ص۱۲۲،ح۱۔
۳۔سنن ترمذی،ج۵،ص۲۲۵،ح۳۶۴۲۔
۴۔کمال الدین،ص۳۸۴،ح۱۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان روایات میں فرج سے کیا مراد ہے کہ جس کا انتظار افضل عبادات شمار کیا گیا ہے؟ اور انتظار فرج کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں جو اس کے لیے اتنی زیادہ اہمیت کے قائل ہوئے ہیں؟ کیا انتظار فرج سے مراد وہی حضرت مہدیؑ کا انتظار فرج ہے جو ان روایات سے متعلق ہے اور اس کے مصداق کو واضح و روشن ہونے کی بنا پر بیان نہیں کیا گیا ہے، اس لیے کہ دوسری شیعہ اور سنی حدیثوں میں فرد منجی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ نسل رسول خداؐ سے اس امت کا مہدی ہوگا؟ یا یہ کہ انتظار فرج سے مراد کلی اور عام ہے؟ اس معنی میں کہ فرج و کشائش اور شیعوں کی نجات بلکہ تمام کائنات کے مظلوموں کے ظلم و بے عدالتی، شرک و فساد، بے بنیاد امتیاز دینا اور بے دینی سے نجات دینا بھی ایک بہت زیادہ مطلوب امر ہے، لہٰذا اس کا انتظار بھی اس باب سے ہے کہ انتظار کرنے والا شخص اس فرج و کشائش کا زمینہ فراہم کرتا ہے افضل عبادات میں سے ہے۔ اور یہ ان روایات سے تضاد نہیں رکھتا جس میں اس فرج کے حقیقی مصداق کا نام بھی مشخص طور پر ذکر کیا گیا ہے؟ اس سوال کا خاص روایات کو نقل کرنے کے بعد جواب دیں گے۔

خاص انتظار

بعض روایات کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ فرج سے مراد وہی فرج آل محمد علیہم السلام اور مہدی موعودؑ کا ظہور ہے۔

۱۔ شیخ صدوقؒ اپنی سند کے ساتھ امام علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"المنتظر لأمرنا كالمتشحط بدمه في سبيل الله "(۱)" ہمارے صاحب امر کا

۱۔ کمال الدین، ص ۶۴۵، ح ۶۔

انتظار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص راہ خدا میں جہاد کر کے اپنے خون سے لت پت ہو کر لوٹ رہا ہو"۔

۲۔ نیز اپنی سند کے ساتھ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا: "طوبیٰ لشیعة قائمنا، المنتظرين لظهور غيبته، و المطيعين له في ظهوره، اولئک اولياء الله الذين لا خوف عليهم و لا هم يحزنون "(۱) "خوش نصیب ہیں ہمارے قائم کے شیعہ جوان کی غیبت میں ظہور کا انتظار کرنے والے ہیں اور ان کے ظہور کے وقت ان کی اطاعت کرنے والے ہوں گے، یہی اولیاء خدا ہیں کہ جن کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی حزن وملال"۔

روایات کے درمیان جمع بندی

اگر چہ ان تمام عام روایات میں منجی کے حقیقی مصداق کی طرف اشارہ نہیں ہوا ہے جو عالمی سطح پر حقیقی فرج و آسائش کو عملی جامہ پہنائے گا، لیکن دوسری روایات کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ (اس بات سے کہ یہ حدیثیں بھی ایک دوسرے کی تفسیر وتوضیح بیان کرتی ہیں) ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ اور سنی روایات میں فرج سے مراد وہی فرج آل محمدؐ ہے جو آخری زمانہ میں محقق ہوگا اور زمین اس کے ذریعہ عدل وانصاف سے بھر جائے گی جیسا کہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

۱۔ کمال الدین، ص ۳۵۷، ح ۵۴۔

دونوں انتظار کے درمیان بنیادی فرق

ان دونوں انتظار کی قسموں کے درمیان، عام اور کلی انتظار، اور خاص انتظار، بالخصوص خاص الخاص انتظار میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے، اس لیے کہ جو شخص اصل فرج کا عقیدہ رکھتا ہے بغیر اس کے کہ وہ آسائش بخش اور قیدِ حیات سے نجات دینے والے کا اپنے پاس مشاہدہ اور احساس کرے نیز اسے اپنے اعمال پر نظر کرنے والا جانے تو اس کے وجود کے لیے بہت زیادہ موثر ثابت نہیں ہوگا۔ برخلاف اس شخص کے کہ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ پیغمبر کی اولاد سے ہے۔ دوسرے یہ کہ: وہ موجود ہے اور ان تمام لوگوں کے اعمال و رفتار بالخصوص ان کے شیعوں کے اعمال انہیں کے زیر نظر ہیں۔ اور ان کی مصیبتوں کے وقت ان کی فریاد رسی اور ان کی حفاظت کرتے ہیں اس قسم کے منجی پر عقیدہ رکھنا، اور ایسے شخص کے ظہور کا انتظار، انتظار کرنے والے انسان کی حوصلہ افزائی میں بہت زیادہ موثر ہے، اور ایسا موثر ہے کہ انتظار کی پہلی قسم کی تاثیر سے قابل مقایسہ نہیں ہے۔ شیعہ اس قسم کے انتظار کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے طول تاریخ میں زندہ ہیں اور کبھی بھی امید کا دامن نہیں چھوڑتے۔ شیعہ ہمیشہ خود کو منجی اور مصلح کل کے نزدیک محسوس کرتے ہیں....

ہر مصیبت کے بعد فرج و آسائش کا انتظار

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ اکثر انتظار والی حدیثوں میں، حضرت مہدی کے ظہور کے متعلق تصریح اور وضاحت نہیں ہوئی ہے، لہذا ممکن ہے کہ انتظار فرج سے مراد تمام شدائد و مصائب کے بعد آسائش و کشائش کا انتظار مقصود ہو۔ اور یہ صرف بشر کے دلاسا دینے کے لیے ہے تاکہ وہ ناامید نہ ہو، اس لیے کہ ناامیدی

تمام بدبختیوں اور بیچارگیوں کا سرچشمہ ہے۔

اس احتمال کے جواب میں ہم کہیں گے: روایات میں بطور مطلق انتظار سے قطعی مراد حضرت مہدیؑ کے ظہور کا انتظار ہے، اور اسے دو زاویوں سے پایۂ ثبوت تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

۱۔ ان احادیث سے استفادہ کر کے جس میں امام زمانہؑ کے ظہور کی تصریح اور وضاحت ہوئی ہے، جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ روایات ایک دوسرے کی تفسیر و توضیح بیان کرتی ہیں۔ لہذا ہم کہیں گے:

مطلقہ روایات سے مراد وہی مقیدہ روایات ہیں۔ یہ جمع بندی شیعہ اور سنی دونوں کے نظریات سے موافق ہے، شیعی نقطۂ نظر سے جو ایسے امام کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ موجود ہیں، اور مذہب اہل سنّت والے بھی امام مہدیؑ کے ظہور کے معتقد ہیں جنہیں وہ ابھی زندہ نہیں تسلیم کرتے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آخری زمانہ میں پیدا ہوں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

۲۔ حکم و موضوع کے درمیان تناسب کے زاویہ سے، اس لیے کہ ایسے ظہور کا انتظار جس کی اس حد تک اہمیت شمار کی گئی ہے اور معصومینؑ کے کلام میں اس حد تک تاکید کی گئی ہے، اس سے مراد مہدیؑ موعود کے انتظار کے علاوہ کوئی اور شئے نہیں ہو سکتی۔ لہذا روایات میں ہم مطالعہ کرتے ہیں کہ ظہور کا انتظار اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین اور پسندیدہ ترین اعمال میں سے ہے۔ یا یہ کہ ظہور کا انتظار، آسائش کا انتظار ایک انفرادی مشکل نہیں ہے، اس لیے کہ مصیبتوں کے وقت جو انتہائی انتظار متوقع ہوتا ہے وہ یہ کہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ پر ان

مشکلات کی وجہ سے اعتراض نہ کرے، نہ یہ کہ مصیبت کے دور ہونے کا منتظر رہے کہ یہ عمل افضل عبادات میں سے ہے۔ لہٰذا ان روایات میں ظہور کے انتظار سے مراد وہی روزِ موعود کا انتظار ہے، اس جہت سے کہ اس دن وعدۂ الٰہی تمام مظلومین عالم کی نصرت کے لیے محقق ہو گا اور یگانہ اسلامی و الٰہی عادلانہ حکومت تمام کرۂ ارض پر چھا جائے گی۔ اور انتظار وہ آثار و برکات جو اپنے ہمراہ لیے ہوئے ہے صرف اس طرح کے ہی ظہور کے انتظار میں محقق ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نیز اس قسم کا انتظار اساس دین میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

قساوت قلب سے خبردار رہیں!

جو کچھ ہر مومن بلکہ ہر انسان پر لازم ہے یہ ہے کہ کبھی بھی منجی کے ظہور کے تاخیر ہونے کی وجہ سے ناامید نہ ہو اور یہ بات اس کی سنگ دلی کا سبب نہ بن جائے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ ریسمان صبر سے متمسک رہے کہ یہی صبر کے ساتھ انتظار کرنا، بالآخر اسے منزل مقصود سے ہم کنار کرے گا اور جو بھی منجی کے ظہور کے لیے زمینہ فراہم کرنے والا ہو گا۔ اور یہ وہ واحد راستہ ہے جو صرف اللہ کی ذات پر قلبی ایمان کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے مزید یہ کہ وہ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا نیز گزشتہ امتوں کے واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان سے ہر سختی اور شدید مصیبت کے بعد کیسے ان کے لیے آسائش بخشی، نیز اپنی فطرت اور اندرونی رجحان کی طرف رجوع کرے کہ وہ منجی کے ظہور کی طرف کیسے مائل ہے اس سے خود کو یاس و ناامیدی سے نجات دے کر منجی کے ظہور کا امیدوار ہو۔

لہٰذا ایک روایت میں آیہ مبارکہ: " و لا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل

فطال عليهم الأمد فقست قلوبهم "(۱) ''اور وہ ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں کتاب دی گئی تو ایک عرصہ گزرنے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے'' کے ذیل میں امام صادقؑ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرتؑ فرماتے ہیں: ''اس آیت کی تاویل زمانۂ غیبت میں زندگی بسر کرنے والوں کے لیے ہے، اس آیت میں "امد" سے مراد زمانۂ غیبت ہے اللہ تعالیٰ شیعوں کو حجتِ الٰہی میں شک وشبہ سے منع کرتا ہے یا یہ کہ وہ یہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک لمحہ کے لیے بھی زمین کو حجت سے خالی رکھے اس سے بھی روکا گیا ہے۔(۲)

وقتِ ظہور معین نہ ہونے کی حکمت

کبھی ذہنِ انسانی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یا یہ کہ بعض افراد سوال کرتے ہیں کہ کیوں ظہور کا وقت اسلامی منابع میں معین نہیں ہوا ہے؟ اور اس کے معین نہ ہونے میں کون سی حکمت کارفرما ہے؟

اس سوال کے جواب میں چند نکات کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ جو شخص ایک ایسی ہر دل عزیز اور محبوب شخصیت کا منتظر ہے لیکن اس کی آمد کا وقت نہیں جانتا اور ہمیشہ ہر دن اس کی یاد میں ہوتا ہے اور اس کے ظہور و قدوم کا منتظر رہتا ہے، لہذا ہمیشہ آمادہ ہے اور جو کچھ اس انتظار کیے جانے والی ذات کی رضایت حاصل کرنے کا باعث ہے اپنی ذات میں آمادہ کیے ہوتا ہے تا کہ جب ظہور کریں تو ان کی رضایت کا باعث بنیں

۱۔ سورۂ حدید، آیت ۱۶۔

۲۔ غیبت نعمانی، ص ۶، المحجہ، ص ۲۱۹، ۲۲۰۔

اور یہی اثر اس فرد کی کردار سازی میں کافی مؤثر و مفید ہے، اب اگر ہم اسی اعتقاد اور فکر کو ایک معاشرہ کے لیے تصور کریں اور ان کے درمیان آمادہ کیا ہوا دیکھیں تو یہی منجی کے ظہور کے لیے زمینہ فراہم کرسکتا ہے۔

لیکن اگر انسان حضرتؑ کے ظہور کے وقت کو جانتا ہو، بالخصوص اگر ظہور کا زمانہ طولانی ہو اور اس کی زندگی میں محقق نہ ہو تو انسان مایوس ہو جائے گا اور ایک حقیقی منتظر نہ رہ جائے گا، بسا اوقات ممکن ہے اپنے لیے کسی فریضہ کا احساس نہ کرے۔ اور دوسرے الفاظ میں: خود انتظار کی حالت ایک ایسی کیفیت ہے جو انسانی وجود میں امید و شادابی کی روح زندہ کر دیتی ہے اور انسان ہر لحہ خدائی رحمت واسعہ اپنے شامل حال ہونے کا امیدوار ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا میں سعادت و کمال تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔

۲۔ ظہور کا وقت معین نہ ہونا، ایک قسم کا امتحان ہے جو اس کے ہوتے ہوئے کہ ظہور کا وقت معین نہیں، اور یہ تمام نفسیاتی روحانی اور مادی مشکلات کے دباؤ کے باوجود امتِ اسلامی اور دوسری کائنات کی مظلوم قوموں کو شامل کیے ہوئے ہے، کیا امید اور خدائی رحمت واسعہ کے انتظار سے اس دنیا میں دست بردار ہو جائیں! اور اس کی جگہ یاس و ناامیدی حاکم و غالب ہو جائے! یا یہ کہ امید سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا اعتقاد منجی عالم بشریت کا ظہور جو خدائی رحمت واسعہ کا مظہر ہے راسخ و محکم ہو جائے گا، اور یہ بندوں کا ایک عظیم امتحان ہے کہ جس کی طرف اسلامی روایات میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

۳۔ کبھی مصلحت زمانہ غیبت کے مقدم و مؤخر کرنے میں ہے اور یہ زمانہ ظہور کے معین ہونے کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ

ابتدائے امر میں صلاح امت اس بات پر تھی کہ وہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے اپنی ملاقات کے زمانہ کی مدت کو تیس شب قرار دیں، لیکن تیس شب تمام ہونے کے بعد، مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ دس شب کا مزید اضافہ ہو جائے۔

ظہور منجی اور منتظر کے مسئلہ کے متعلق بھی یہی نکتہ جاری و ساری ہے، اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ ظہور کا وقت معین کرنے کی وجہ سے، ظہور کے زمانہ کو مقدم و موخر یا تغیر و تبدل کرنے کی راہ مسدود ہو جائے گی، اس کے باوجود کبھی خاص مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مقدم یا موخر ہونا انجام پذیر ہو۔ کبھی لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل توجہ پیدا کرنے کے لیے اور ظہور کا زمینہ فراہم کرنے کے لیے، مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ امام زمانہؑ کے ظہور میں تعجیل ہو، یا یہ کہ لوگوں کی سستی ظہور کا زمینہ فراہم کرنے میں امام منتظر کے ظہور کی تاخیر کا باعث بنے۔

اسی وجہ سے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ظہور کی علامتوں میں بداء واقع ہو جاتا ہے، کہ اس کا ایک حصہ شاید اسی معنی میں ہو کہ کبھی مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایک علامت فلاں زمانہ میں ظہور کے لیے واقع ہوئی ہے تو کسی مصلحت کی بنا پر یا مفاسد کے ہونے کی وجہ سے ظہور میں تاخیر واقع ہوتی ہے۔

۴۔ بعض افراد اسرار الٰہی کی حفاظت میں اور اسے خفیہ رکھنے میں ایک ضعیف ارادہ کے مالک ہوتے ہیں۔ اور اسے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ لہذا ایک اور دوسری حکمت ظہور کا وقت معین نہ ہونے کے لیے ممکنہ طور پر بیان کی جاسکتی ہے یہ کہ ممکن ہے ظہور کا وقت معین ہونے کی صورت میں یہ راز فاش ہو جائے یا دشمن افراد اس راز سے آگاہی حاصل کرلیں جس

کے نتیجہ میں اپنے منظم پروگرام کے تحت آنحضرتؑ کے قیام کا مقابلہ کر کے حضرتؑ کے ظہور کی راہ مسدود کریں۔ لہذا روایات میں ہم مطالعہ کرتے ہیں کہ ظہور کے ناگہانی ہونے کا عنصر حضرتؑ کی کامیابی میں بہت اہم کردار ادا کرے گا اس حیثیت سے کہ دشمنوں سے ہر قسم کی فرصت سلب ہو جائے گی اور حضرتؑ کے دشمنوں سے تمام قسم کی فکر و تدبیر بھی۔ اور یہ زمانہ ظہور معین ہونے کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

لہذا امام صادقؑ سے ایک روایت میں جس میں ابن نعمان سے خطاب فرمایا ہے ذکر ہوا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"یا ابن النعمان ! انّ العالم لا یقدر ان یخبرک بکل ما یعلم ... فلا تعجلوا ،فوالله لقد قرب هذا الامر ثلاث مرّات فأذعتموه ،فاخّره الله ،والله مالکم سرّ الّا وعدوّکم اعلم به منکم ..." (۱) "اے نعمان کے بیٹے! یقیناً عالم جو کچھ جانتا ہے اس سے تمہیں آگاہ نہیں کر سکتا... لہذا عجلت سے کام نہ لو، خدا کی قسم! تین مرتبہ امر (امر فرج) نزدیک ہوا اور تم نے اسے شائع کر دیا لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی اسے موخر کر دیا؟ خدا کی قسم! تمہارے پاس کوئی ایسا راز نہیں ہے مگر یہ کہ اس سے تمہارے دشمن تم سے زیادہ باخبر ہیں"۔

۵۔ وقت ظہور معین نہ ہونے کی صورت میں اس کے منجملہ تربیتی آثار میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کے لیے انقطاع و تضرّع اور خاص مکمل توجہ کی حالت حاصل ہوتی ہے، لہذا انسان دائمی طور پر درگاہ الٰہی میں توسل و تضرع کی حالت میں ہوتا ہے اور اس کے لیے

۱۔ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۲۸۹۔ مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۲۹۔

ہمیشہ دست بہ دعا رہتا ہے اور اس سے مناجات کر کے امام زمانہؑ کے ظہور کا طالب ہوتا ہے۔ بسا اوقات ممکن ہے یہی حالت امام زمانہؑ کے تعجیل ظہور میں بھی کافی موثر ثابت ہو۔ لیکن اگر ظہور کا وقت معین ہو اور انسان بھی اس سے مکمل طور پر آگاہ ہو تو پھر یہ آثار و برکات اور توسلات و توجہات ظاہر نہیں ہوں گی۔

ضرورتِ انتظار

روایات میں منجی کے انتظار کی بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے۔ مثلاً ہم ایک روایت میں پڑھتے ہیں: "انّ القائم منّا هو المهدی الذی یجب ان ینتظر فی غیبته، و یطاع فی ظهوره" (۱) "ہم میں سے جو قائم ہوگا وہی مہدی ہوگا جس کی غیبت میں اس کا انتظار کرنا واجب ہے، اور زمانہ ظہور میں اس کی اطاعت فرض ہے"۔

۱۔ انتظار، یعنی ظہور کا زمینہ فراہم کرنا

انتظار، تحریک کی آمادگی اور زمینہ فراہم کرنے کا ایک زمانہ ہے اور ہر انقلاب یا وہ تحریک جسے اس کا سامانہ ہوا ہو تو وہ ناقص اور بے ثمر ہو کر رہ جائے گی۔ کتنے انقلابات کثرت سے رونما ہوئے جو آغاز میں بہترین طور پر شروع ہوئے لیکن اس جگہ جہاں انتظار کے زمانہ کو پہلے سے طے نہیں کیا تھا تو کچھ ہی مدت کے بعد انجام کار شکست پر تمام ہوا، اس لیے کہ خود کھانے پینے اور اپنے آپ سے فرار ہونے میں مبتلا ہوئے اور آخر میں بھی مختلف دباؤ و ابہامات کے ماتحت آگئے، فکری و اعتقادی مرحلہ میں، ظرفیت و تحمل کے مرحلہ میں،

۱۔ منتخب الاثر، ص ۲۲۳۔

لائحۂ عمل کے مرحلہ میں، عملی مرحلہ میں امکانات کی کمی اور مہارتی علمی احتیاجات سے حتی کہ جسمانی آمادگی سے فرار کر گئے ہیں۔ یہ انتظار کی خاصیت ہے جو آپ کو تحرک میں لاتا ہے کہ اپنی خامیوں کا اندازہ لگائیں اور اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں....

۲۔ انتظار، ناامیدی سے مانع ہے

مکتب تشیع کی بقا کے مخفیانہ رازوں میں سے اہم ترین راز، یہی روح انتظار ہے جو ہر شیعہ کے تن بدن میں امید سے بھری ہوئی ہے اور اسے مسلسل جدوجہد اور تحرک کی طرف وادار کرتی ہے، اور اسکی ناامیدی اور بے تابی افسردگی اور عاجزی سے مانع ہوتی ہے۔

۳۔ انتظار، دشمنوں کے تسلّط سے مانع ہے

مسئلہ انتظار کی اہمیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تمام دشمن، اس کو مسلمانوں پر اپنا تسلط پانے سے رکاوٹ شمار کرتے ہیں۔ میشل فوکر، ''کلر بریر'' عقیدۂ مہدویت کی فکر سے مبارزہ کرنے کی بحث میں ابتداء امام حسینؑ اور پھر امام زمانہؑ کا ذکر کرتا ہے، اور انہی دونوں نکات کو شیعوں کی پائیداری کا عنصر شمار کرتا ہے: ''نگاہ سرخ اور نگاہ سبز'' تلابیب کی کانفرنس میں بھی ''برنارڈ لوئیس''، ''مائیکل ام جی''، ''جنتر''، ''برونبرگ'' اور ''مارٹیم کوامر'' جیسے افراد نے اس نکتہ پر بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ ان لوگوں نے اسلامی انقلاب کے جائزہ میں شیعوں کی نگاہ سرخ یعنی عاشورا اور ان کی نگاہ سبز یعنی انتظار تک بحث کرتے ہوئے اس مشہور جملہ کو نتیجہ کے طور پر یوں پیش کیا: ''یہ لوگ امام حسینؑ کے نام سے قیام کرتے ہیں اور امام زمانہؑ کے نام سے اس قیام کی حفاظت کرتے ہیں (۱)۔''

۱۔ یہ نقل از مجلہ بازتاب اندیشہ، خرداد ۸۰، ص ۱۹۳۔

جرمن محقق ''ماربین'' کہتا ہے: ''منجملہ اجتماعی اہم ترین مسائل میں سے جو شیعوں کی امیدواری اور کامیابی کا باعث ہے وہ حضرت حجتؑ کے وجود کا اعتقاد اور ظہور کا انتظار ہے''(۱)

نیز ''پیٹرو شفسکی'' مورخ، سابق روسی علوم کا ماہر اور ایران شناس اس کے متعلق تحریر کرتا ہے: ''مہدی کے انتظار میں آنکھیں بچھائے رکھنا ایران کی تیرہویں صدی ہجری شمسی کی تحریکوں کے عمومی عقائد میں شامل کیا گیا جس کا ایک عظیم درجہ ہے...''۔(۲)

دشمن نے شیعہ رہبریت کی اہمیت کا وہ بھی اس زمانہ میں جب ان کا رہبر غائب ہے اندازہ لگالیا ہے، اسی وجہ سے چند اقدامات اس کے متعلق انجام دیے کہ ان میں سے ایک اقدام کی طرف بطور نمونہ ہم اشارہ کرتے ہیں:

''۱۹۸۲ء میں ایک ''نوسٹر آڈمس'' نامی سیریل، مسلسل تین ماہ تک امریکی ٹیلی ویژن (TV) چائینل سے نشر ہوا، یہ فلم ستارہ شناس (منجم) اور فرانسوی ڈاکٹر ''میشل نوسٹر آڈمس'' نامی شخص کی سرگذشت پر مشتمل تھی جو آج سے تقریباً ۵۰۰ سو سال پہلے باحیات تھا۔ اس سیریل میں، کائنات کے مستقبل کے متعلق اس کی پیشینگوئیوں کی تصویر کشی کی گئی کہ جس میں سب سے اہم پیشینگوئی پیغمبر اسلامؐ کے نواسہ کا مکہ مکرمہ میں ظہور، مسلمانوں کے متحد ہونے اور یورپ والوں پر ان کی کامیابی حاصل کرنے نیز جدید امریکا کے عظیم شہروں کی سرزمین کو تباہ و برباد کرنے پر مشتمل تھی۔

۱۔ سیاست اسلام، ماربین، فصل ہفتم، فلسفہ مذہب شیعہ، ص ۴۹، ۵۰۔
۲۔ نہضت سربداران خراسان، مولف پٹرو شفسکی۔

اس عظیم پروپیگنڈے اور زبردست پرچار کرنے اور نمائش کا مقصد مہدیٔ موعود کا سخت اور بے رحم چہرہ، تخریب کار اور قدرت کے جنون میں مبتلا ہونے کی تصویر کشی تھا اور مغربی ممالک کے احساسات کو اسلام اور اس کے منجی موعود کے خلاف بھڑکانا اور ہم آہنگ طور پر آمادہ کرنا تھا۔

نتیجۂ انتظار

انتظار کرنے والے انسان کا تمام ضروری آمادگی حاصل کرنے کے ساتھ، انتظار کے ریشے اس کے وجود میں سرسبز ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس سعی و کوشش کے مناسب نتائج حاصل کرتا ہے ان میں سے ہم بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

ا۔ صبر

امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: "من دين الائمة الورع ... و انتظار الفرج بالصبر "(۱)

"ائمہ (طاہرینؑ) کے دین میں ورع و تقویٰ... اور صبر کے ساتھ فرج و آسائش کا انتظار ہے"۔

زمانۂ غیبت کے نہایت سخت شرائط ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ ہر انتظار کرنے والا شیعہ مشکلات اور مصائب کے مقابل میں صبر و استقامت کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اپنے وجود اور تشخص سے دفاع کرے۔

ا۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۴۲۔

انتظار کرنے والا وہ شخص ہے جو انتظار کے دوران مشکلات کی پیشینگوئی کرے اور نتیجہ میں مشکلات کے بحرانی ہجوم کو کم کرے اور حوادث کو اپنے صبر پر غلبہ نہ ہونے دے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: "طوبی للصابرین فی غیبته ... اولئک وصفهم الله فی کتابه فقال: "الذین یومنون بالغیب..." (۱)

"خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس کی غیبت کے زمانہ میں صبر سے کام لیں... ان ہی لوگوں کی تعریف میں اللہ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے "اور وہ لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں...."۔

۲۔ نجات دینے والے کی یاد

انتظار کا زمانہ، مشکلات اور مصائب کے ہجوم کا زمانہ ہے اور جو کچھ قلبی سکون اور روحانی طاقت انتظار کرنے والے شیعہ کو دے سکتا ہے، عطا کرے اسے غفلت اور وسوسہ سے نجات دے کر نجات دہندہ زندہ اور حاضر و ناظر ہے۔

۳۔ اصلاح

منجملہ آثار و نتائج انتظار میں سے ایک دوسرا اثر اور نتیجہ انتظار کرنے والے شخص کی ذات میں نمایاں ہوتا ہے اور وہ اصلاح نفس اور خود کو ناپسند عادات سے دور رکھنا ہے نیز خود کو نیک اخلاق سے زینت بخشتا ہے۔

۱۔ بحار الانوار، ج۵۲، ص۱۴۳۔

امام صادقؑ ابو بصیر سے فرماتے ہیں: "...من سرّ ان یکون من اصحاب القائم فلینتظر، ولیعمل بالورع و محاسن الاخلاق، وھو منتظر ..." (۱) "جو شخص حضرت قائمؑ کے اصحاب میں ہونا پسند کرتا ہے اسے انتظار کرنا چاہیے، اور اسی حالت میں ورع وتقویٰ اور اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے تو ایسا شخص (حقیقی) منتظر ہے۔"

۴۔ امید کا حوصلہ ایجاد کرنا

ظہور کا انتظار اس جہت سے اہل بیتؑ کی تاکید اور وصیت و نصیحت کا مرکز رہا ہے کہ انتظار کرنے والے شخص کے لیے مستقبل میں امید ایجاد کرتا ہے اور یہی امید، سعی و کوشش میں عظیم اور مکمل کردار ادا کرتی ہے۔

۵۔ دین میں بصیرت

انتظار کرنے والے مومن کی منجملہ فکری تلاش کا ایک نتیجہ، بصیرت و آگاہی ہے۔ فتنے غفلت آور ہونے کے علاوہ معاشرہ کے افکار میں شک و شبہ اور تزلزل ایجاد کرتے ہیں۔ اور حقیقی منتظر وہ ہے جو فکری ہوشیاری تک پہونچنے کی وجہ سے چونکہ بیدار ہے لہذا اشبہات کا جواب دے کر فتنوں کو دفع کرنے کے درپے ہوتا ہے۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں: "طوبیٰ لمن تمسک بأمرنا فی غیبة قائمنا، فلم یزل قلبه بالھدایة" (۲) "خوش نصیب ہے وہ انسان جو ہمارے قائم کی غیبت کے زمانہ میں ہمارے فرمان سے متمسک رہے (جس کے نتیجہ میں) اس کا ہدایت یافتہ دل کبھی بھی باطل کی طرف مائل نہیں ہوگا۔"

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۴۰، ح ۵۰۔ ۲۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۲۲۔

۶۔ انتظار، تحفظ دین کا ایک عامل

انتظار چونکہ انسان کو عمل کی طرف وادار کرتا ہے اور ایسا معاشرہ جس میں الٰہی نجات دہندہ کے انتظار کی حالت حاکم ہو وہاں تحرک اور سرعت بھی حکم فرما ہوتی ہے، اور انسان کو انفرادی اور اجتماعی اصلاح کا زمینہ فراہم کرنے کے لیے وادار کرتا ہے، خود یہی ایک عظیم اور باارزش شریعت کی بقا نیز اس پر عمل کرنے کے لیے ایک عامل شمار ہوتا ہے۔

۷۔ انتظار، شجاعت کی طرف دعوت دیتا ہے

انتظار، حقیقت میں مقابلہ کی طرف دعوت عمل ہے نہ کہ تسلیم محض، ظلم و باطل، غلامی اور ذلت کے ساتھ مقابلہ ہے۔ انتظار، شجاعت و اقدام کی طرف دعوت ہے۔ اگر انسان کسی ایسے شخص کی آمد کا منتظر ہے جو تمام معاشرہ اور کرۂ ارض میں عدالت برپا کرنے والا ہو، یہ اس معنی میں ہے کہ انسان عدالت و انصاف کے مسئلہ پر ایمان رکھتا ہے، اور ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ پر ایمان و اعتقاد رکھتا ہے، عام طور پر اس کے مقابلہ میں ذمہ داری کا احساس کر کے اس کا پابند ہوتا ہے، اور کبھی بھی طول تاریخ میں خود کو ظالم و جابر بادشاہ کے مقابل سر تسلیم خم نہیں کرتا۔

۸۔ انتظار، ظہور کے لیے زمینہ فراہم کرتا ہے

انتظار اس جہت سے کہ عمل اور انسان کی ذات میں تحرک ایجاد کرتا ہے اور اس جہت سے کہ عمل اور تحرک انسان کے تکامل و ترقی کا زمینہ فراہم کرتا ہے جس کے نتیجہ میں انتظار عالم بشریت کے نجات دینے والے کے ظہور کا تمام کائنات پر حکومت کرنے، عدل و

انصاف کو معاشرہ کے درمیان پھیلانے اور عالمی سطح پر پرچم توحید کا قیام عمل میں لانے کے لیے زمینہ فراہم کرتا ہے، چونکہ جس طرح ان کی غیبت خود ہماری طرف سے واقع ہوئی ہے، لہذا ان کا ظہور بھی خود ہمارے عمل وتحرک اور زمینہ فراہم کرنے سے واقع ہوگا۔

۹۔ انتظار، انسان کو مبدأ کی طرف حرکت دینے والا ہے

ایک قابل توجہ انتظار کے اہم پہلوؤں میں سے ایک پہلو توحیدی انتظار کا پایا جانا ہے ،انتظار عام صورت میں انتظار کرنے والے شخص کو مبدأ عالم کی طرف لے جاتا ہے، اس لیے کہ انتظار کرنے والا شخص ہمیشہ بشر کی نجات کے انتظار میں ہے کہ مستقبل قریب میں ہی اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت سے انجام پذیر ہوگی ، اور یہ وہی توحیدی انتظار کا پہلو ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے متمسک رہنا اور اس سے ظہور کی درخواست اور اس سے الحاح وزاری کرنا اس ایمان کے اہم ترین آثار میں سے ہیں۔

اس ایمان واعتقاد کے سائے میں انتظار کرنے والا شخص ہمیشہ بارگاہ کبریائی میں خداوند متعال سے متوسل ہوتا ہے اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے اتصال وارتباط برقرار رہتا ہے۔لہذا روایات میں ذکر ہوا ہے: ''امت پیغمبرؐ کے افضل اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کا انتظار فرج ہے''۔(۱) نیز حضرت علیؑ سے ایک حدیث منقول ہے کہ:

''مومن کی افضل عبادت میں اللہ تعالیٰ کا انتظار فرج ہے''۔(۲)

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۳،ص ۱۲۸۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۲،ص ۱۳۱۔المحاسن، برقی،ص ۲۶۲۔

۱۰۔ انتظار، قیامت کے لیے ایک آگاہی

انتظار کے مفہوم میں قیامت اور جزا کا مفہوم بخوبی نظر آتا ہے، اس لیے کہ ایک جہت سے امام زمانہؑ ہی وہ ہیں جو اپنے ظہور کے ساتھ ظالموں کے اعمال کی سزا دے کر انہیں کیفر کردار تک پہچائیں گے، مومنین کو عزت بخشیں گے اور انہیں رحمت الہیہ کا مزہ چکھائیں گے، کہ یہی اعمال، خود قیامت اور حشر ونشر کے نمونوں میں سے ہے۔

دوسری طرف سے امام مہدیؑ کے ظہور کے ساتھ مخلص اور پاک طبیعت کے افراد کی ایک جماعت اس کائنات میں پلٹائی جائے گی جو ان کی رکاب میں ہوگی یا اس کے سچے اہداف کے لیے اقدام کرے گی، کہ یہ خود ایک قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ کے لیے آمادگی ہوگی۔

اس وقت اس جہت سے کہ امام مہدیؑ کا ظہور قیامت کی علامات میں سے شمار کیا گیا ہے، لہذا امام مہدیؑ کے ظہور کو یاد رکھنا قیامت کے مسئلہ کو انسان کے ذہن میں ایجاد کرے گا۔

۱۱۔ انتظار، اصلاح معاشرہ کے لیے انسان کو تحرک بخشتا ہے

ایک انسان جو عالمی مصلح کے ظہور کا منتظر ہے وہ صرف خود صالح نہیں ہے، بلکہ معاشرہ کی اصلاح ایجاد کرنے کے درپے ہے اور تمام معاشرہ کے لیے مصلح کل کے ظہور کا زمینہ فراہم کرتا ہے۔ لہذا کبھی بھی مصلح شخص دست بستہ بیکار نہیں رہے گا، بلکہ وہ ہمیشہ اس کے ظہور کی فکر میں ہے کہ یہ حالت اس جہت سے کہ تمام انسانی معاشرہ کے لیے ہے لہذا ظہور کا زمینہ ایجاد کرنے کے درپے ہونا بھی تمام عالمی سطح پر ہے۔

امام مہدیؑ کا حسب ونسب

حضرت امام مہدیؑ کے ظاہری شکل وشمائل

امام زمانہؑ اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد جب ان کی نماز جنازہ کے لیے حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کا مشاہدہ کیا درحالیکہ ابھی وہ ایک بچے تھے اور رنگ گندم گوں تھا آپ کی سر کی مانگ اور آپ کے سامنے والے دندانِ مبارک کے درمیان فاصلہ تھا۔(۱)

شیخ طوسیؒ ان بعض افراد سے نقل کرتے ہیں کہ جنہوں نے حضرتؑ کا غیبت صغریٰ کے زمانہ میں مشاہدہ کیا ہے کہ حضرتؑ ایک خوب صورت جوان ،خوشبو سے معطّر اور عظیم ہیبت کے حامل تھے ۔راوی کہتا ہے: ’’جب وہ گفتگو کرتے تھے،تو میں نے ان سے بہتر متکلم نہیں دیکھا‘‘۔(۲)

ایک دوسری روایت میں بیان ہوا ہے کہ راوی کہتا ہے: ’’حضرت گندم گوں جوان تھے اور میں نے کبھی بھی ان کے جیسے معتدل قد وقامت اور خوبصورت انسان کا مشاہدہ نہیں کیا‘‘۔(۳)

ایک اور دوسری روایت میں ذکر ہوا ہے: ’’ان کا قد وقامت نہ طولانی تھا اور نہ ہی کوتاہ بلکہ وہ متوسط القامت تھے۔ان کا سرِ مبارک مدوّر اور پیشانی وسیع ہے آپ کی بینی مبارک دراز ہے اور ان کے رخسار صاف اور داہنے رخسار پر خال ہے‘‘۔(۴)

۱۔تاریخ غیبت صغریٰ،ص۵۴۰۔
۲۔الغیبۃ،طوسی،ص۱۵۲۔
۳۔الغیبۃ،طوسی،ص۱۵۳۔
۴۔الغیبۃ،طوسی،ص۱۵۶۔

ان اوصاف کے ذیل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی شخص خود کو حضرتؑ کے ظاہری شکل وشمائل جیسا بنا سکتا ہے یا نہیں؟

ہم جواب میں کہیں گے: اگر چہ ظاہری اعتبار سے کوئی شخص خود کو حضرتؑ کے مذکورہ اوصاف جیسا بنا سکتا ہے، لیکن ظہور کی علامتوں کے ساتھ جو خود اپنے مقام پر ثابت شدہ ہیں نیز وہ اعجاز جو حضرتؑ اپنی طرف سے دکھلاتے ہیں ایسی صورت میں ہرگز کوئی شخص ان کی امامت میں شک نہیں کر سکتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف کا تقاضا ہے۔ اور لطف اس پر واجب ہے، لہذا وہ یقینی طور پر ایسا فعل انجام دے گا کہ زمانہ ظہور میں حضرتؑ کا وجود کسی شخص کے لیے مشتبہ ومشکوک نہ رہے۔

حضرتؑ کا نام زبان پر جاری کرنے کا حکم

حضرتؑ کا اسم گرامی زبان پر جاری کرنے کے متعلق سو روایت سے زائد روایات پائی جاتی ہیں جنہیں چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ روایات جو مطلقاً بغیر کسی قید وشرط کے حضرتؑ کا اسم گرامی ذکر کرنے سے منع کرتی ہے۔(۱)

۲۔ وہ روایات جو حضرتؑ کا اسم گرامی ذکر کرنے سے زمانہ ظہور تک منع کرتی ہیں۔(۲)

۱۔ کافی، ج۱، ص۳۳۲۔

۲۔ کمال الدین، ص۲۱۴۔

۳۔ وہ روایات جو حضرتؑ کا اسم گرامی ذکر نہ کرنے کی علت خوف و تقیہ اور دوسری علتوں کو بیان کرتی ہیں۔(۱)

۴۔ وہ روایات جن میں حضرتؑ کا اسم گرامی امامؑ یا راوی کی طرف سے وضاحت کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔(۲)

پہلا اور دوسرا گروہ ایک معنی کو بیان کرتا ہے۔ بعض علماء نے ان روایات سے استناد کرتے ہوئے حضرتؑ کا نام زبان پر جاری کرنے کے لیے حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور حضرتؑ کا اسم گرامی زمانۂ ظہور تک ذکر کرنا حرام جانا ہے، ان میں سے منجملہ علامہ مجلسیؒ، شیخ صدوق، شیخ مفید، شیخ طبرسی، میر داماد، محدث جزائری، محدث نوری، میرزای شیرازی، مرزا محمد تقی اصفہانی رضوان اللہ علیہم کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

بعض علماء نے حضرتؑ کا اسم گرامی ذکر کرنے کی حرمت کو خوف اور تقیہ کی حالت سے مقید کیا ہے منجملہ ان میں سے محقق اربلی، شیخ حر عاملی، خواجہ نصیر الدین طوسی اور فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نام گرامی ہیں۔

بعض علماء نے اس حکم کو زمانۂ غیبت صغریٰ سے مخصوص کیا ہے۔

مولف کی نظر میں دوسرا قول برحق ہے، یعنی حرمت، خوف اور تقیہ کی حالت سے مندرجہ ذیل دلائل سے مخصوص ہے:

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۱۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۵۰۰۔

۱۔ محتضر کی تلقین کے باب میں ایک حدیث میں یوں ذکر ہوا ہے:

''محتضر (یعنی موت سے ہمکنار ہونے والے شخص) کو کلمات فرج اور شہادتین کی تلقین کرو اور موت کے وقت تک ائمہؑ میں سے ہر ایک کے نام کو بھی''۔(۱)

یہ بات واضح ہے کہ تلقین کے وقت حضرتؑ کے اسم مبارک کی تصریح ہوئی ہے۔

۲۔میت کو تلقین کے وقت بھی یہی حکم وارد ہوا ہے کہ ائمہؑ میں سے ہر ایک کا نام ذکر کریں اور ان اسماء کی تلقین کریں کہ منجملہ ان اسمائے گرامی میں سے ایک امام زمانہؑ کا نام گرامی بھی ہے۔(۲)

۳۔محمد ابن ابراہیم کوفی کہتے ہیں: ''امام عسکریؑ نے اس شخص کے لیے جس نے حضرتؑ کا نام ذکر کیا تھا میرے ذریعہ کچھ رقومات بھیجیں تا کہ حضرتؑ کی طرف سے ایک گوسفند کی قربانی کرے اور فرمایا: ''یہ میرے بیٹے محمد کے عقیقہ کی غرض سے ہے''۔(۳)

۴۔حضرت امام عسکریؑ کی مشہور کنیت ابو محمد ہے اور اس کنیت میں حضرت مہدیؑ کے نام کی تصریح ہوئی ہے۔

۵۔امام رضاؑ سے امام حسینؑ کی قبر مبارک کی زیارت کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا: ''...محمد وآل محمد پر کثرت سے درود وسلام بھیجو اور ان میں سے ہر ایک کا نام ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ کے ذریعہ ان کے دشمنوں سے پناہ حاصل کرو''۔(۴)

۱۔کافی، ج۳،ص۱۳۲۔
۲۔وسائل الشیعہ، ج۳،ص۱۷۳۔
۳۔وسائل الشیعہ، ج۲۱،ص۴۲۸۔
۴۔وسائل الشیعہ، ج۱۴،ص۵۴۹۔

محقق اربلیؒ فرماتے ہیں: ''میری نظر میں حضرتؑ کا اسم گرامی ذکر کرنے سے منع کرنا تقیہ اور خوف کے وقت اور ان کا زیر نظر ہونے نیز حضرتؑ کا نام اور قیام گاہ کا سوال کرنے کی وجہ سے ہے۔ لیکن ابھی چونکہ کوئی خوف اور تقیہ نہیں ہے لہذا ان کا اسم گرامی کے ذکر کرنے کی کوئی حرمت اور ممانعت نہیں پائی جاتی''۔(۱)

۶۔ جابر ابن عبداللہ انصاریؒ امام محمد باقرؑ سے بیان کرتے ہیں: ''میں فاطمہ زہراؑ کے آستانہ پر حاضر ہوا تا کہ ان کی خدمت میں ولادتِ امام حسنؑ کی تہنیت وتبریک پیش کروں، تو میں نے ان کے دستِ مبارک میں دُرِّ سفید کا ایک صحیفہ دیکھا، میں نے دریافت کیا: اے بہترین زنانِ عالم! یہ صحیفہ جو آپ کے ہاتھوں میں میں دیکھ رہا ہوں اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اس میں میرے بیٹوں میں سے جو امام قرار پائے ہیں ان کے اسماء درج ہیں... جابر کہتے ہیں: میں نے دیکھا تو اس مبارک صحیفہ میں ہر ایک امام کے اسم گرامی کا مشاہدہ کیا...''(۲)

۷۔ رسول اکرمؐ سے بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت مہدیؑ رسول خداؐ کے ہم نام ہیں، اور یہ بھی ضمنی طور پر امام زمانہؑ کے اسم مبارک کی تصریح ہے۔

مہدیؑ اولاد امام حسینؑ میں سے ہیں

اس سلسلہ میں اس امت کے مہدیؑ، یعنی جو شخص آخری زمانہ میں ظہور کریں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی وہ کس کی نسل سے ہیں، علمائے مسلمین کے نزدیک اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعہ امامیہ کا بالاتفاق اور بعض

۱۔ کشف الغمہ، ج۳، ص۳۱۰۔

۲۔ کمال الدین، ص۳۰۷۔

علمائے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ مہدیؑ فرزندِ پیغمبرؐ، حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد اور امام حسینؑ کی نسل سے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض علمانے اعتراف کیا ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے بلافصل فرزندار جمند ہیں۔ اور اس کے مقابل میں بعض علمائے اہل سنت نے ناقص اور ضعیف السند روایات کا سہارا لیتے ہوئے دوسرے نظریات کو منتخب کیا ہے۔

بعض مہدیؑ منتظر کو حسن مجتبیٰؑ کی نسل سے جانتے ہیں، اور بعض ان کو پیغمبرؐ کے چچا عباس کی نسل سے، بعض دوسروں کے اور بھی دوسرے نظریات پائے جاتے ہیں۔

اب اس موضوع کی تحقیق کرتے ہیں تا کہ صحیح نظریہ تک پہونچ سکیں۔

دلائل کی تحقیق

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ شیعۂ امامیہ اہل بیتؑ کی اطاعت میں اور ان میں مرکزی حیثیت سے پیغمبر اکرمؐ کی پیروی میں نیز علمائے اہل سنت کی ایک جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس امت کے مہدی آخری زمانہ میں ظہور فرمائیں گے وہ امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں، ان لوگوں نے اپنے اس مدعا پر کچھ دلائل سے تمسک کیا ہے، اب ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کر کے ان میں سے ہر ایک دلیل کی تحقیق پیش کریں گے:

پہلی دلیل: پیغمبرؐ کی تصریح

دوسری دلیل: ائمہ اہل بیتؑ کی گواہی

تیسری دلیل: تاریخ کی گواہی

چوتھی دلیل: علمائے اہل سنت کی گواہی

پانچویں دلیل: علمائے امامیہ کی گواہی

اب مختصر طور پر ان دلائل میں سے ہر ایک دلیل کی تحقیق پیش کریں گے۔

ا۔ پیغمبرؐ کی تصریح

دسیوں صحابہ پیغمبرؐ نے ایسی روایات نقل کی ہیں جو صریحی طور پر دلالت کرتی ہیں کہ مہدئ منتظر امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اب ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کریں گے اور جہاں اہل سنّت اس قول کے مخالف ہیں اس حصہ میں اپنا نظریہ ثابت کرنے کے لیے صرف ان روایات پر اکتفا کریں گے جو ان کے طرق سے وارد ہوئی ہیں۔

الف۔ حذیفہ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اگر دنیا کی عمر میں سے صرف ایک دن باقی ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن ایک شخص کو منتخب کرے گا جس کا نام میرا نام پر ہوگا، اس کا اخلاق میرے اخلاق جیسا ہوگا اور اس کی کنیت ابوعبداللہ ہے، رکن و مقام کے درمیان اس کے ساتھ بیعت ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ دین کو اس کی اپنی اصلی حالت کی طرف پلٹا دے گا اور اس کے لیے کامیابیاں حاصل ہوں گی، زمین پر صرف خدا پرست اور لا الٰہ الا اللہ کہنے والے باقی رہ جائیں گے''۔

اس وقت سلمان نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ شخص آپ کے فرزندوں میں سے کون سا فرزند ہوگا؟ آنحضرتؐ اس وقت اپنا دست مبارک امام حسینؑ پر رکھے ہوئے تھے، فرمایا: میرے اس بیٹے کی نسل سے ہوگا''۔(۱)

ا۔ عقد الدرر، ص ۵۶، باب دوم۔

ب۔ امام علیؑ رسول خداؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''دنیا ختم نہیں ہوگی مگر یہ کہ ہماری امت میں نسل حسین سے ایک شخص قیام کرے گا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھردے گا جس طرح وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی'' (۱)

ج۔ سلمان کہتے ہیں: پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حسینؑ کو پیغمبرؐ کے زانوئے مبارک پر بیٹھا ہوا دیکھا اور آنحضرتؐ ان کی آنکھوں اور دہن کا بوسہ دے رہے تھے اور فرمارہے تھے: ''یقیناً تم آقا ہو، آقا کے بیٹے ہو، آقا کے باپ ہو، تم امام ہو، امام کے بیٹے ہو اور اماموں کے باپ ہو، تم حجت ہو، حجت کے بیٹے ہو اور نو حجتوں کے باپ ہو ان میں کا نواں قائم تمہاری صلب سے ہوگا''۔ (۲)

اہل بیتؑ کی گواہی

اہل بیتؑ پیغمبرؐ بھی اس مسئلہ پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ مہدیؑ موعود امام حسینؑ کی ذریت اور نسل سے ہیں۔

الف۔ نعیم ابن حماد اپنی سند کے ساتھ امام علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا: ''ایک شخص حسینؑ کی اولاد میں سے ظہور کرے گا، اس کا نام تمہارے رسول کے ہم نام ہے، اس کے ظہور سے اہل زمین وآسمان خوش حال ہوجائیں گے'' (۳)

ب۔ نیز ایک طولانی حدیث میں امام علیؑ سے نقل ہوا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: ''یقینی طور پر فرج (ظہور) مہدیؑ ہے جو آئے گا... وہ پیغمبرؐ کی بیٹی فاطمہؑ اور حسینؑ کی

۱۔ عقد الدرر، ص ۲۸۲، باب نہم۔ الفتن، ص ۲۲۹۔
۲۔ مقتل خوارزمی، ص ۲۱۲۔ ۳۔ الفتن، ص ۲۲۵۔

اولاد سے ہے... اللہ تعالیٰ اہل بدر اور اصحاب طالوت کی تعداد کے برابر ان کے لیے اصحاب جمع کرے گا، جو تین سو تیرہ افراد ہیں، وہ لوگ ان شیروں کے مانند ہیں جو جنگل سے باہر آئے ہوئے ہوں۔ ان سب کے دل لوہے کے ٹکڑوں کے مانند ہیں، اگر پہاڑوں کو اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکنا چاہیں تو انہیں ان کی جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں''(۱)

ج۔ امام حسن مجتبیٰؑ نے فرمایا: ''رسول خداؐ کے بعد ائمہ بارہ افراد ہیں، ان میں سے نو میرے بھائی حسینؑ کی صلب سے ہیں انہی میں سے امت کا مہدیؑ بھی ہے''۔(۲)

د۔ امام حسینؑ نے فرمایا: ''اس امت کا قائم میرے فرزندوں میں سے نواں فرزند ہے، وہی صاحب غیبت ہے، اور وہی وہ شخص ہے جس کی زندگی میں ہی اس کی میراث تقسیم ہوگی''۔(۳)

ر۔ نیز اپنے بیٹے مہدی منتظرؑ کی توصیف میں فرماتے ہیں: ''وہ میرے فرزندوں میں سے نویں فرزند ہیں، یوسف کی ایک سنت، نیز موسیٰ ابن عمران کی سنت میں سے ایک سنت موجود ہے، اور وہ اہل بیتؑ میں سے ہمارا قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے امر کی ایک شب میں اصلاح فرمائے گا''۔(۴)

۱۔ عقد الدرر، ص ۱۳۱، باب ۴۔

۲۔ کفایۃ الاثر، ص ۲۲۳۔

۳۔ کمال الدین، ص ۳۱۷۔ اعلام الوریٰ، ص ۴۲۷۔

۴۔ کمال الدین، ص ۳۱۷۔ کشف الغمہ، ج ۲، ص ۵۲۲۔

۳۔تاریخ کی گواہی

اسلامی امت کی تاریخ نے کبھی بھی اس بات کی گواہی نہیں دی ہے کہ اہل بیت پیغمبرؐ میں سے کوئی شخص امام حسن مجتبیٰؑ کی اولاد میں سے علم وفقہ، حدیث اور ریاست میں امامت و مرجعیت کا عہدہ دار رہا ہو، جب کہ رسول خداؐ کے بعد صرف اہل بیتؑ میں سے جو افراد اس مقام ومنصب تک پہنچے ہیں وہ امام حسینؑ کی اولاد میں سے نو افراد ہیں۔اس کے مقابل میں تاریخ گواہی دیتی ہے کہ خلفاء اور حکام جور ہمیشہ امام حسینؑ کی نسل کے ائمہؑ کو ایک خاص نگاہ سے دیکھتے تھے اور ظاہری طور پر ان کا احترام کرتے تھے۔نیز وہ اپنی فقہی اور عقیدتی حتیٰ کہ سیاسی مشکلات میں رجوع کر کے ان سے مدد کی درخواست کرتے تھے۔اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ امام حسینؑ کی نسل سے ہونے والے ائمہ کی جلالت و عظمت کے معتقد ومعترف تھے، اگرچہ جاہ وحشم کی محبت کی وجہ سے انہیں حکومت پیش نہیں کرنا چاہتے تھے، اور ہر قسم کی انہیں آزار واذیت پہونچانے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔یہ بات اپنے مقام پر خود اس کی گواہ ہے کہ بارہویں امام بھی حضرت امام حسینؑ کی طیّب و طاہر نسل سے ہیں۔

۴۔علمائے اہل سنت کی گواہی

بعض علمائے اہل سنت امامیہ کے ساتھ ہم آواز ہو کر اس بات کے قائل ہیں کہ مہدیؑ موعود امام حسینؑ کی نسل سے ہیں یہ لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے ہیں:

الف۔بعض نے صرف اس بات کی تصریح کی ہے کہ مہدیؑ منتظر امام حسن عسکریؑ کی اولاد سے ہیں، لیکن اس مقام پر امام عسکریؑ کو امام حسینؑ کی اولاد سے جانا ہے، اس طرح

امام زمانہؑ کا حسینی ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

ب۔ بعض نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مہدیؑ امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں ۔اب ہم ان دونوں گروہوں کی بعض عبارتوں کی طرف اشارہ کریں گے:

علامہ صلاح الدین خلیل ابن ابیک صفدی کہتے ہیں "حجت منتظرؑ محمد ابن حسن عسکریؑ، فرزند ہادیؑ، فرزند محمد جوادؑ، فرزندِ علی رضاؑ، فرزندِ موسیٰ کاظمؑ، فرزندِ جعفر صادقؑ، فرزند محمد باقرؑ، فرزند زین العابدینؑ، فرزندِ حسین ابن علیؑ، فرزندِ علی ابن ابی طالب علیہم السلام... ہیں"۔(۱)

علامہ میر خواند کہتے ہیں: "امام مہدیؑ کی ولادت جو رسول خداؐ کے ہم نام اور ہم کنیت ہیں سامرہ میں نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ ق میں واقع ہوئی۔ آپ کے والد کی شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک پانچ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سن میں انہیں حکمت سکھائی جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو مقام نبوت کے لیے منتخب فرمایا..."۔(۲)

سبط ابن جوزی فرماتے ہیں: "محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد...آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور ابوالقاسم ہے۔ آپ خلیفہ، حجت، صاحب الزمان، قائم اور منتظر ہیں"۔(۳)

مرزا محمد ابن رستم بدخشی شافعی، امام عسکریؑ کی سوانح عمری میں فرماتے ہیں: "...آپ نے محمد منتظر کے علاوہ اپنا کوئی فرزند خلف نہیں چھوڑا"۔(۴)

۱۔ الوافی بالوفیات، ج۲، ص۳۳۶۔

۲۔ روضۃ الصفا، ج۳، ص۵۹۔

۳۔ تلبیس ابلیس، ص۱۱۸۔

۴۔ مفتاح النجا فی مناقب آل العباس، ص۱۰۴۔

حافظ محمد ابن یوسف گنجی شافعی کہتے ہیں: ''آپ (یعنی امام عسکریؑ) نے اپنا فرزند خلف چھوڑا جو وہی امام منتظر صلوات اللہ علیہ ہیں''۔(۱)

عارف حنفی عبدالوھاب شعرانی کہتے ہیں: ''آخری زمانہ میں مہدی کے ظہور کی امید پائی جاتی ہے۔وہ امام حسن عسکریؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ان کی ولادت پندرہ شعبان ۲۵۵ھ ق واقع ہوئی۔اب تک باحیات ہیں تاکہ حضرت عیسیٰؑ کے ہمراہ جمع ہوں۔ان کی عمر مبارک اس وقت تک ۷۰۶ سال ہے۔اس طرح شیخ حسن عراقی نے مجھے خبر دی ہے''۔(۲)

محیی الدین ابن عربی کہتے ہیں: ''جان لیں کہ مہدی کا ظہور یقینی ہے،جب تک زمین ظلم وجور سے بھر نہ جائے ظہور نہیں کریں گے،اس وقت اس کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے وہ رسول خداؐ کے اہلبیت اور اولاد فاطمہؑ میں سے ہیں۔ان کے جد امجد حسین ابن علی ابن ابی طالبؑ اور ان کے پدر بزرگوار حسن عسکریؑ فرزند امام علی نقیؑ... ہیں،رسول خداؐ کے ہم نام ہیں۔تمام مسلمان رکن ومقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے...''۔(۳)

ابوالولید محمد ابن شحنہ حنفی کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے حسن عسکریؑ کو ایک بیٹا عنایت فرمایا کہ ہم جس کا انتظار کر رہے ہیں۔وہ فرقۂ امامیہ کے نزدیک بارہویں امام ہیں۔ان کا اسم گرامی محمد اور القاب مہدی،قائم اور حجت ہیں۔ان کی ولادت ۲۵۵ھ ق میں واقع ہوئی''۔(۴)

۱۔کفایۃ الطالب،ص۳۱۲۔

۲۔الیواقیت والجواھر،ج۲،ص۱۲۷۔

۳۔فتوحات مکیہ،باب ۳۶۶۔

۴۔روضۃ المناظر در حاشیۂ مروج الذھب،ج۱،ص۲۹۴۔

جمال الدین محمد ابن یوسف زرندی حنفی کہتے ہیں: ''بارہویں امام مشہور کرامات کے مالک ہیں جو حق کے ساتھ قائم ہیں اور راہِ حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ امام ابوالقاسم محمد ابن حسن کی ولادت شیعہ نقل کے مطابق، بادشاہ معتمد عباسی کے زمانہ میں شب نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ ق میں سامرا میں واقع ہوئی۔ ان کی مادرِ گرامی نرجس دخترِ قیصرِ روم تھیں...''۔(۱)

فخر رازی کہتے ہیں: ''لیکن حسن عسکریؑ کے پاس دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان کے بیٹوں میں سے ایک صاحب الزمان (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) ہیں...''۔(۲)

۵۔ علمائے امامیہ کی گواہی

علمائے امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مہدیٔ منتظر جو آخری زمانہ میں زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور اپنی ولادت ۲۵۵ھ کے بعد سے اب تک زندہ ہیں، وہی امام حسن عسکریؑ کے فرزند اور نسل امام حسینؑ سے ہیں''۔(۳)

ابوسعید خدری کی حدیث پر تنقید

ایک حدیث اہل سنت نے ابوسعید خدری کے ذریعہ رسول خداؐ سے نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فاطمہ زہراؑ سے حسن و حسین علیہما السلام کے متعلق خطاب کرکے فرمایا: ''اور وہ دونوں جوانانِ اہل بہشت کے سید و سردار ہیں... اے فاطمہ! اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، انہی دونوں سے اس امت کا مہدی ہے''۔(۴)

۱۔ معراج الوصول الی معرفۃ فضل آل الرسول۔ ۲۔ الشجرۃ المبارکۃ، ص ۷۸، ۷۹۔

۳۔ رجوع کریں۔ کتاب الارشاد، ص ۳۴۲۔ کمال الدین، ج ۲، ص ۱۰۳۔ غیبت طوسی، ص ۱۴۱۔ کشف الغمہ، ج ۳، ص ۲۳۶۔ بحار الانوار، ج ۵۱، باب اول وغیرہ۔

۴۔ المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۵۸۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۶۵۔

اس روایت کے جواب میں ہم کہیں گے:

پہلے یہ کہ: وہ روایات جو دلالت کرتی ہیں کہ مہدیؑ امام حسینؑ کی نسل سے ہیں مستفیض بلکہ تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں، اور اس روایت سے تعارض و تضاد کی صورت میں یقینی طور پر وہ روایات جو مہدیؑ کو امام حسینؑ کی نسل سے نشان دہی کرتی ہیں مقدم ہیں۔

دوسرے یہ کہ: اس روایت کی اس طرح توجیہ کی جا سکتی ہے: تاریخی حیثیت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ امام محمد باقرؑ کی مادر گرامی فاطمہ دختر امام مجتبیٰؑ ہیں، لہذا امام باقرؑ دو جہت سے ہاشمی اور علوی ہیں اور ان کی ذریت طاہرہ دو امام یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ذریت سے ہیں۔ امام مہدیؑ کا سلسلہ بھی دو جہتوں سے رسول خداؐ تک پہنچتا ہے۔

حضرت مہدیؑ کے والد گرامی کا نام

اکثر علماء اہل سنت معتقد ہیں کہ امام مہدیؑ کے والد کا اسم گرامی عبد اللہ ہے، اور یہ عقیدہ ایک روایت سے استناد کی بنیاد پر ہے جو ''سنن ابو داؤد'' میں رسول خداؐ سے نقل ہوئی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی'' (۱) ''اس کا نام میرے ہم نام ہے اور اس کے والد کا نام میرے والد کے ہم نام ہے''۔ اور یہ علمائے امامیہ کے عقیدہ اور علمائے اہل سنت کے ایک گروہ سے سازگار نہیں ہے۔

اس روایات کی توجیہ میں ہم کہیں گے:

۱۔ اس حدیث کو اسی طرح ہر ایک ترمذی، ابن ماجہ، ابو نعیم اصفہانی نے اپنی اپنی کتابوں

۱۔ سنن ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۰۹، ح ۴۲۸۲۔

میں نقل کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ آخری جملہ یعنی "و اسم ابیہ اسم ابی" ذکر نہیں کیا ہے۔(۱)

۲۔احمد ابن حنبل نے حدیث میں اپنی وسیع اطلاعات اور ان کا زمانہ تابعین کے زمانہ سے نزدیک ہونے نیز ان کا امام مہدیؑ کی حدیثوں کو کثرت سے نقل کرنے کے باوجود ،اس ذیل والے اضافی جملہ کو اپنی مسند میں ذکر نہیں کیا ہے۔

۳۔اہل بیت عصمت وطہارت کہ جنہوں نے حضرت مہدیؑ کی حدیثوں کو اپنی اسناد کے ساتھ رسول خداؐ سے نقل فرمایا ہے اور علمائے امامیہ نے بھی انہیں بیان کیا ہے، اس میں بھی اس ذیل والے جملہ کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

لہٰذا ان دلائل وشواہد اور دوسرے قرائن سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی بھی طریقہ سے صحیح نہیں ہے، بلکہ اسے عباسی خلفاء کی جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں میں سے جانا جاسکتا ہے، اس لیے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں پایا جاتا کہ عباسی حکومت اپنی سلطنت کی تائید وحمایت کے لیے اور لوگوں کو محمد ابن عبد اللہ ملقب بہ مہدی عباسی کی بیعت کے لیے شوق دلایا، عباسی حکومت کا تیسرا خلیفہ ہر قسم کے جرائم کا مرتکب ہوا منجملہ ان جرائم میں سے حدیث سازی اور اس کی رسول خداؐ کی طرف جھوٹی نسبت دینا بھی ہے۔

اس بات کا تاریخی جائزہ یہ ہے کہ عباسی لوگ مخفی طور پر اپنے لیے دوست و مددگار جمع کرنے کے درپے ہوئے تاکہ امویوں کی حکومت کے خلاف قیام کریں۔ اپنے فتنہ وفساد

۱۔سنن ترمذی، ج ۳، ص ۳۴۳، ح ۲۳۳۱، ۲۳۳۲۔سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۶۶۔حلیۃ الاولیاء، ج ۵، ص ۷۵۔

اور انقلاب کا آغاز خراسان (صوبہ) کے شہروں سے شروع کیا، اپنے زور وزبردستی اور موذیانہ وفریب کارانہ سیاست کے کرتوتوں سے خلافت امویوں کے ہاتھوں سے سلب کر لی۔ مہدی منتظرؑ کا عقیدہ اس راہ اور ہدف میں تیز خلافت کو وسعت دینے اور محکم کرنے میں عباسیوں کے لیے کافی مساعد ثابت ہوا۔

منصور عباسی جس کا نام عبداللہ تھا اپنے فرزند محمد کو اپنے بعد خلیفہ و جانشین کے عنوان سے معین کیا اور لوگوں کو حکم دیا تا کہ اس کے بعد اس کی ولایت عہدی و جانشینی کے عنوان سے بیعت کریں۔ لوگوں کو اس کام کی طرف ترغیب اور شوق دلانے کے لیے مہدی کا لقب اپنے فرزند کو دیا، تا کہ لوگ اس گمان میں کہ یہی مہدی منتظر ہے اس کی بیعت کریں۔ چونکہ خود اس کا نام عبداللہ تھا حکم دیا تا کہ حدیث گڑھی جائے اور اس میں مہدی امت کے والد کے نام کو عبداللہ کے نام سے متعارف کرایا جائے۔

شہید مطہریؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''یہاں تک کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلفاء عباسی میں سے ایک کا نام مہدی ہے جو منصور کا بیٹا ہے... مورخین منجملہ ان میں سے ''ڈارمسٹر'' نے تحریر کیا ہے کہ منصور نے خصوصی طور پر اپنے بیٹے کا نام مہدی رکھا، اس لیے کہ وہ سیاسی استفادہ کرنا چاہتا تھا، بلکہ اس طرح کچھ لوگوں کو فریب دے سکے اور یہ کہے کہ جس مہدی کے انتظار میں تم لوگ زندگی بسر کر رہے ہو وہ میرا بیٹا ہے۔ لہذا صاحب؛ ''مقاتل الطالبین'' اور دوسرے افراد نے تحریر کیا ہے کہ وہ جب کبھی اپنے خواجہ سراؤں سے روبرو ہوتا تھا تو اس بات کے جھوٹے ہونے کا اعتراف کرتا تھا...''۔(۱)

۱۔ مجموعۂ آثار، ج۱۸، ص۱۷۳،۱۷۲۔

ابوالفرج اصفہانی کہتے ہیں: ''جب منصور نے اپنے بیٹے مہدی کی بیعت لینی چاہی تو اس کے دوسرے فرزند جعفر نے اس پر اعتراض کیا تو منصور نے حکم دیا اور لوگوں کو جمع کیا گیا، اس وقت خطباء اور شعراء کو حکم دیا تا کہ مہدی کی توصیف اور فضائل میں کلام کہیں۔ مطیع ابن ایاس نے منصور کو خطاب کرتے ہوا کہا: یا امیر المومنین!! فلاں شخص نے فلاں شخص سے مجھ سے حدیث بیان کی کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: ''مہدی مجھ سے ہے، اس کا نام محمد ابن عبد اللہ اور اس کی ماں ہمارے اغیار میں سے ہے، زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی اور یہ عباس محمد کا بیٹا تمہارا بھائی اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اس وقت عباس کی طرف رخ کر کے کہا: تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا اس طرح کی کوئی حدیث تم نے نہیں سنی ہے؟ عباس نے منصور کے خوف سے جواب دیا: ہاں، اس وقت منصور نے حکم دیا تا کہ لوگ اس کے فرزند کی بیعت کریں۔

جب اس اجتماع سے لوگ متفرق ہو گئے تو وہاں عباس ابن محمد انسی؛ مطیع ابن ایاس کے ہمراہ موجود نہیں تھا، کہا: کیا تم لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ زندیق وکافر کس طرح اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹی نسبت دے رہا تھا، یہاں تک کہ مجھے بھی اس کا شاہد بنایا، اور میں نے بھی خوف کی وجہ سے اس بات کی گواہی دی اور جو بھی میرے ہمراہ تھا گواہی دی کہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں...''(۱)

عباسیوں نے منصور کے بیٹے کی خلافت محکم اور ثابت کرنے کے لیے صرف اسی تحریف پر اکتفا نہیں کی، بلکہ اس سلسلہ میں دوسری حدیثوں کو گڑھنے کے درپے ہوئے، منجملہ ان

۱۔ الاغانی، ج ۱۲، ص ۸۱۔

میں سے ایک ایسی روایت جعل کی اور عثمان ابن عفان کی طرف منسوب کی کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے سنا ہے: ''مہدی میرے چچا کے فرزندوں میں سے ہے''۔(۱)

نیز عباس سے ان کے فرزند عبداللہ کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا: ''یہ میرے چچا چالیس خلیفہ کے باپ ہیں، قریش کے بہترین افراد، ان کی اولاد میں سے ہیں: سفاح و منصور اور مہدی، اے چچا! اللہ تعالٰی نے میرے ذریعہ اس امر کے آغاز کو فتح کیا اور اس کو آپ کے بیٹے کے ذریعہ ختم کرے گا''۔

قابل غوث بات یہ ہے کہ ابن جوزی اس حدیث کے وضعی و جعلی ہونے کو سمجھ گئے ، لہذا اسے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں جو جعلی روایات سے مخصوص ہے ذکر کیا ہے۔ انہیں تدوین حدیث کی ممانعت کے مفاسد اور نتائج میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ جس کی خلفاء کے توسط سے خصوصاً عمر اور ابوبکر کے ذریعہ بنیاد رکھی گئی، تا کہ (جعلی) روایات کے ذریعہ جو کام بھی چاہیں انجام دیں۔(۲)

جعلی حدیثوں کی تحقیق

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ عباسیوں نے اپنی حکومت کو محکم ثابت کرنے کے لیے حدیث سازی کا اقدام کیا اور مہدویت کی متواتر حدیثوں کو اپنے نفع میں استعمال کیا۔ اب بعض وہ احادیث جو اہل سنّت کی حدیث کے منابع میں اس

۱۔ کنز العمال، ج ۱۴، ص ۲۶۴، ح ۳۸۶۶۳۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۵۳، ص ۴۱۲۔

۲۔ الموضوعات، ابن جوزی، ج ۲، ص ۳۷۔

سلسلہ میں موجود ہیں اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ احمد نے اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جب بھی سیاہ پرچموں کا خراسان کی طرف سے آتے ہوئے مشاہدہ کرو تو ان کے ساتھ ملحق ہو جاؤ، اس لیے کہ ان کے درمیان خلیفۂ خدا مہدی بھی ہے''۔(۱)

اس حدیث کو ابن قیم نے ''المنار المنیف'' میں ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں علی ابن زید پایا جاتا ہے کہ جس کی خبر واحد والی حدیثیں قابل احتجاج نہیں ہیں۔(۲)

۲۔ ابن ماجہ نے اپنی کتاب ''سنن'' میں اسی مضمون کو نقل کیا ہے، (۳) لیکن ابن قیم نے اس کو بھی یزید بن ابی زیاد کا سلسلۂ سند میں ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ مزید اس وقت کہتے ہیں: ''یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث صحیح فرض کرنے کی صورت میں بھی دلیل نہیں بن سکتی کہ وہ مہدی جو بنی عباس سے ہے جسے حکومت و سلطنت کی سرپرستی حاصل ہے، وہی مہدی ہے جو آخری زمانہ میں ظہور کرے گا...''۔(۴)

خصوصاً یہ کہ مہدی عباسی آخری زمانہ میں نہیں تھا اور اس کے ساتھ رکن و مقام کے درمیان بیعت نہیں ہوئی تھی، نیز حضرت عیسیٰؑ ان کی مدد کے لیے آسمان سے نازل نہیں ہوئے تھے اور بیداد کا علاقہ ان کے زمانہ میں نہیں دھنسا تھا، خلاصہ کے طور پر کوئی ایک بھی مہدی کے ظہور کی علامتوں میں سے اس پر منطبق نہیں ہوئی ہے، لہذا کیسے ممکن ہے کہ وہ اس امت کا مہدی ہو۔

۱۔ مسند احمد، ج۵، ص۲۷۷۔
۲۔ المنار المنیف، ص۱۳۷، ح۳۲۸ کے ذیل میں۔
۳۔ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۱۳۶۶، ح۴۰۸۲۔
۴۔ المنار المنیف، ص۱۳۷، ۱۳۸۔

۳۔حدیث:"المھدی من ولد العباس عمّی"، "مہدی میرے چچا عباس کی اولاد میں سے ہیں"۔اس حدیث کو تین افراد نے نقل کیا ہے: کعب الاحبار،عثمان ابن عفان اور عبداللہ ابن عمر،کعب کی سند حدیث کو جسے ابن حماد نے نقل کیا ہے منقطع ہے،اور اس قسم کی حدیث،مرسل حدیث کے حکم میں ہے،جس کی حجیت شیعہ وسنی کے نزدیک ثابت نہیں ہے،سوائے بعض لوگوں کی مرسلہ احادیث کے،جیسے:سعید ابن مسیب؛شافعی کے نزدیک اور ابن ابی عمیر بعض علمائے شیعہ کے نزدیک۔

عثمان ابن عفان کی حدیث کو محب الدین طبری نے نقل کیا ہے اس کی سند میں محمد ابن ولید مقری موجود ہے کہ جس کے ضعیف ہونے کے متعلق علمائے رجال کا اجماع واتفاق پایا جاتا ہے اور عبداللہ ابن عمر کی حدیث بھی ضعیف سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

حدیث "المھدی من ولد الحسن" پر تنقید

ان روایات کی تحقیق کرنے سے پہلے کہ جن میں اشارہ کیا گیا ہے کہ مہدی اولاد امام حسنؑ سے ہیں اس نکتہ کی طرف توجہ رکھنی چاہیے کہ حسنیوں کی حرکت محمد ابن عبداللہ حسنی کی قیادت میں کہ جس کے ساتھ ابو نامی علاقہ میں بیعت ہوئی،ان جیسی احادیث کے وجود میں آنے میں غیر موثر نہیں تھی۔جہاں حسنی سادات حکومت بنی امیہ کے خلاف قیام اور انقلاب لانے کے درپے تھے معنوی حمایت کے محتاج تھے،لہذا مہدی منتظر کے ظہور کے متعلق نقل شدہ متواتر حدیثوں سے سیاسی فائدہ اٹھایا اور اس کو اپنی ذات پر منطبق کیا۔ان لوگوں نے روایات کو جعل کرکے اسے پیغمبر کی طرف نسبت دی،اور مہدی کو امام حسنؑ کی نسل سے متعارف کرایا۔

شہید مطہریؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: "...محمد ابن عبداللہ محض بہت شریف آدمی تھے جو "نفس زکیہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ عہد اموی کے آخر میں حسنی سادات نے قیام کیا، یہاں تک کہ عباسیوں نے بھی محمد ابن عبداللہ محض کے ہمراہ بیعت کی۔

حضرت امام صادقؑ کو بھی ایک نشست میں بلایا اور ان سے کہا: ہم قیام کرنا چاہتے ہیں اور ہم سب محمد ابن عبداللہ کے ساتھ بیعت کرنا چاہتے ہیں، آپ بھی جو حسنیوں کے سید وسردار ہیں بیعت کریں۔ امامؑ نے دریافت کیا: اس کام سے تمہارا کیا ہدف ہے؟ اگر محمد بعنوان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قیام کرنا چاہتا ہے تو میں اس کی ہمراہی نیز تائید و حمایت کروں گا، لیکن اگر اس عنوان سے کہ وہ مہدی ہے اور قیام کرنا چاہتا ہے تو یہ غلط کر رہا ہے، اس امت کا مہدی وہ نہیں ہے کوئی دوسرا شخص ہے اور میں ہرگز تائید نہیں کروں گا۔

شاید ایک حد تک یہ بات محمد ابن عبداللہ محض کے لیے بھی مشتبہ رہی ہو، اس لیے کہ ہم نام پیغمبرؐ تھا اور اس کے کاندھے پر ایک تل تھا۔ لوگ کہتے تھے: کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تل اس بات کی علامت ہو کہ وہ اس امت کے مہدی ہیں۔ بہت سے ان افراد میں سے جنہوں نے اس کی بیعت کی تھی بعنوان مہدی امت بیعت کی تھی..."۔(۱)

مخالفین کے دلائل کی تحقیق

جو افراد اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ مہدیؑ امام حسن مجتبیٰؑ کی اولاد سے ہیں دو دلیل سے تمسک اختیار کیا ہے:

۱۔ مجموعہ آثار، ج ۱۸، ص ۱۷۳۔

۱۔ایک وہ حدیث جو ابوداؤد نے اپنی سنن نامی کتاب میں امام علیؑ سے نقل کیا ہے۔ابو اسحاق کہتے ہیں: علیؑ نے اپنے فرزندار جمند حسن کی طرف نظر کی اور فرمایا: ''یقیناً میرا یہ بیٹا سید وسردار ہے جیسا کہ پیغمبرؐ نے اس کا سید وسردار نام رکھا تھا،اور عنقریب اس کی صلب سے ایک شخص ظہور کرے گا جو تمہارے نبی کا ہم نام ہے...''۔(۱)

جواب:

پہلے یہ کہ ابوداؤد نے اس مقام پر ایک حدیث نقل کی ہے،جبکہ دسیوں دوسری روایت دلالت کرتی ہے کہ مہدی منتظر امام حسینؑ کی اولاد اور نسل سے ہیں،بالخصوص یہ کہ اس گروہ کے درمیان ایسی حدیثیں ہیں جو صحیح ترین اسناد کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔

دوسرے یہ کہ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایک معنیٰ میں مہدی منتظر امام حسنؑ کی ذریت سے ہیں ،اس لیے کہ امام باقرؑ کی مادر گرامی فاطمہ امام حسن مجتبیٰؑ کی بیٹی تھیں۔لہٰذا دونوں گروہ کی روایت کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ مذکورہ مندرجہ ذیل حدیث کے متن میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔اس لیے کہ ''عقد الدرر'' میں ابوداؤد سے یہی حدیث نقل ہوئی ہے،لیکن وہاں ''نظر الی ابنہ الحسن'' کے بجائے ''نظر الی ابنہ الحسین'' ذکر ہوا ہے،یعنی اپنے بیٹے حسین کی طرف نظر کی۔جیسا کہ حفاظ کی ایک جماعت جیسے ترمذی،نسائی اور بیہقی نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے دراں حالیکہ اس میں اس طرح ذکر ہوا ہے: ''انّ علیاً نظر الی ابنہ الحسین''(۲)

۱۔سنن ابوداؤد،ج ۲،ص ۳۱۱،ح ۴۲۹۰۔

۲۔عقد الدرر،ص ۴۵،باب ۱۔

بالخصوص لفظ میں تغییر و تحریف کا احتمال دیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ حسن و حسین علیہما السلام ایک ہی طرح رشتۂ تحریر میں آتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں جعل کا احتمال پایا جاتا ہے جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

پانچویں یہ کہ حدیث، منقطع ہے، اس لیے کہ ابو اسحاق سبیعی کے لیے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ اس نے ایک حدیث بھی امیر المومنین علیؑ سے سنی ہو، جیسا کہ منذری نے اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۱)

ابن قیم جوزیہ کہتے ہیں: ''یہ کہ مہدی نسل حسن سے ہوں اس میں ایک لطیف راز موجود ہے، اس لیے کہ جب حسن نے خلافت کو رضائے الٰہی کی وجہ سے ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں خلافت کو ان کی نسل میں قرار دیا، تا کہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اس کے بندوں کے درمیان ہے، حسین رضی اللہ عنہ کے برخلاف...''(۲)

جواب:

پہلے یہ کہ یہ ادعا بغیر دلیل اور ماخذ کے ہے، اور کوئی دلیل اس سنت پر موجود نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ کبھی بھی امام حسن مجتبیٰؑ نے خلافت کو معاویہ کے نفع میں ترک نہیں کیا، بلکہ جب ان کے دوستوں نے ان کے ساتھ وفا نہیں کی، اور دوسری طرف شیعوں کی جان کو

۱۔ مختصر سنن ابوداؤد، ج ۶، ص ۱۶۲، ح ۴۱۲۱۔

۲۔ المنار المنیف، ص ۱۳۹۔

خطرہ میں محسوس کر رہے تھے اس کے علاوہ اور بھی دوسری جہتوں اور مصلحتوں سے امامؑ نے اس کے ساتھ مصالحت کی۔

مہدیؑ عیسیٰؑ کے علاوہ کوئی اور نہیں

آخری زمانہ میں منکرین مہدویت اور حضرت مہدیؑ کے ظہور کے اعتقاد کی نفی کرنے کے منجملہ دلائل میں سے ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ جسے اپنی سند کے ساتھ انس سے اس نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں: ''...ولا مهدی الا عیسی بن مریم ''(۱) ''اور مہدی عیسیٰ ابن مریم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہیں''۔

جواب:

۱۔ رسول خداؐ کے اصحاب کی ایک کثیر تعداد نے احادیث مہدویت کو نقل کیا ہے جن میں مہدیؑ کو رسول خداؐ کی ذریت میں شمار کیا ہے۔

۲۔ اس حدیث سے علمائے حدیث اور متکلمین نے اعراض اور صرف نظر کیا ہے، کسی ایک نے بھی اس کے ذریعہ استناد نہیں کیا ہے۔

۳۔ ابن ماجہ نے خود اپنی کتاب سنن میں حدیث '' المهدی حقّ وهو من ولد فاطمة'' ''مہدی حق ہے اور اولاد فاطمہؑ میں سے ہے'' کو بھی نقل کیا ہے۔(۲)

۴۔ حدیث میں سندی حیثیت سے اعتراض موجود ہے: ابن قیم جوزیہ ''المنارالمنیف'' میں کہتے ہیں: ''مجھ سے حدیث ''لا مهدیّ الّا عیسیٰ بن مریم '' کے متعلق دریافت

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۴۰، ح ۴۰۳۹۔

۲۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۶۸، ح ۴۰۸۶۔

کیا گیا کہ کس طرح احادیث مہدی اور ان کے ظہور کے ساتھ قابل جمع ہیں؟ کیا مہدی کے بارے میں کوئی حدیث موجود ہے یا نہیں؟

اس وقت اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں: حدیث ''لا مھدیؑ الا عیسیٰؑ بن مریم'' کو ابن ماجہ نے اپنی کتاب سنن میں یونس ابن عبدالاعلیٰ سے اس نے شافعی سے، اس نے محمد ابن خالد جندی سے، اس نے ابان ابن صالح سے، اس نے حسن سے، اس نے انس ابن مالک سے، اس نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کا ناقل فقط محمد ابن خالد ہے۔ اور ابوالحسین کی تصریح کے مطابق محمد ابن حسین ابری کتاب ''مناقب الشافعی'' میں تحریر کرتے ہیں کہ محمد ابن خالد اہل علم وفن کے نزدیک مشہور نہیں ہے۔ بیہقی نے بھی اس حدیث کا ناقل فقط محمد ابن خالد کو جانا ہے۔ حاکم نیشاپوری اس کو مجہول فرد سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں: اس کی اسناد میں اختلاف واقع ہوا ہے اور احادیث خروج مہدی سندی لحاظ سے صحیح تر ہیں۔ (۱)

حاکم نیشاپوری نے تصریح کیا ہے کہ اس کا اس حدیث کے ''مستدرک'' ذکر کرنے کا ہدف تعجب کی بنا پر ہے نہ یہ کہ شیخین کی شرط کے مطابق اس سے احتجاج کیا ہو۔ (۲)

اس کے علاوہ محمد ابن خالد جندی مجہول ومتروک اور ماہرین فن کے نزدیک غیر مشہور ہے بلکہ ''تہذیب التہذیب'' میں ابن حجر کی تصریح کے مطابق وہ حدیث ساز بھی تھا۔ (۳)

ذہبی کہتے ہیں:...حدیث... ''ولا مھدیؑ الا عیسیٰؑ بن مریم'' ایک منکر روایت ہے جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ (۴)

۱۔ المنار المنیف، ص ۱۳۰، ح ۳۲۵۔ ۲۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۴۱۔

۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۱۲۵، شمارہ ۲۰۲۔ سوانح عمری محمد ابن خالد جندی کے ذیل میں۔

۴۔ میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۵۳۵، شمارہ ۷۴۷۹۔

قرطبی کہتے ہیں: حدیث "ولا مھدیّ الا عیسیٰ بن مریم" اس باب کی احادیث کے متعارض اور متضاد ہیں۔

اس وقت علمائے رجال کے کلمات محمد ابن خالد کے متعلق ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: وہ احادیث جو مہدیؑ کے ظہور پر نص ہے، عترت پیغمبرؐ اور اولاد فاطمہؑ سے ثابت ہے اور صرف اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے، لہذا یہ حکم، خروج مہدی کی احادیث کے مطابق اولاد فاطمہؑ سے ہے نہ دوسری حدیث سے"۔(۱)

۵۔ اس حدیث کو بھی طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ ابوامامہ سے نقل کیا ہے لیکن اس کے متن و مضمون میں جملہ "ولا مھدیّ الا عیسیٰ بن مریم "موجود نہیں ہے۔(۲)

۶۔ روایات ظہور مہدی جو اولاد فاطمہ میں سے ہے متواتر ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر اشارہ کیا جاچکا ہے کہ بہت سے علمانے تواتر اور اس کی صحت کی تصریح کی ہے، اور اس کے مقابل میں، مورد بحث حدیث اگر بالفرض اس کی سند، صحیح تسلیم کرلی جائے ، پھر بھی خبر واحد ہے، اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ ایسی صورت میں تعارض و تضاد کے موقع پر خبر متواتر مقدم ہوتی ہے۔

۷۔ مسلمانوں کے درمیان طول تاریخ اسلام میں مشہور ہے کہ ایک شخص کا ظہور اہل بیتؑ رسول خداؐ اور اولاد فاطمہؑ میں سے ہوگا اور یہ شہرت خود بھی احادیث مہدویت اسلامی کو ترجیح دینے والی ہے۔

۱۔ التذکرہ، قرطبی، ج۱، ص۷۰۱۔
۲۔ المعجم الکبیر، طبرانی، ج۸، ص۲۱۴، ح۷۷۵۷۔

مہدویت سے متعلق مؤلف کی مطبوعہ سلسلہ وار کتابیں

موسسة المنجی کی جانب سے زیر ترجمہ ہیں جو انشاء اللہ عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئیں گی۔

۱۔ تولد حضرت مہدیؑ	حضرت مہدیؑ کی ولادت
۲۔ امامت در سنین کودکی	بچپن میں امامت
۳۔ امامت و غیبت	اردو ترجمہ امامت اور غیبت (کتاب ھذا)
۴۔ غیبت صغریٰ	اردو ترجمہ غیبت صغریٰ (کتاب ھذا)
۵۔ غیبت کبریٰ	اردو ترجمہ غیبت کبریٰ (کتاب ھذا)
۶۔ وظایف ما در عصر غیبت	اردو ترجمہ زمانہ غیبت میں ہماری ذمہ داریاں (کتاب ھذا)
۷۔ اماکن مقدسہ مربوط بہ حضرت مہدیؑ	حضرت مہدیؑ سے متعلق مقامات مقدسہ
۸۔ بررسی دعای ندبہ	دعائے ندبہ کی تحقیق
۹۔ دکترین مہدویت تنہا راہ نجات بشر	صرف نظریہ مہدویت لوگوں کی نجات کا راستہ ہے
۱۰۔ دفاع از مہدویت	مہدویت سے دفاع
۱۱۔ فلسفۂ حکومت عدل جہانی	عالمی عادلانہ حکومت کا فلسفہ
۱۲۔ نظریہ پردازی دربارۂ آئندہ جہان	کائنات کے مستقبل کے متعلق نظریہ پردازی

مسجد مقدس جمکران کے

انتشارات کی کتابوں کی

فہرست

پاسخ بہ شبہات

کتاب کا نام — چاپ

اسلام شناسی و پاسخ بہ شبهات...وزیری

امام شناسی و پاسخ بہ شبهات(حدیث)..وزیری

امام شناسی و پاسخ بہ شبهات(قرآن)..وزیری

دفاع از تشیع و پاسخ بہ شبهات...وزیری

.وهابیت و پاسخ بہ شبهات....وزیری

غدیر شناسی و پاسخ بہ شبهات...وزیری

موعود شناسی و پاسخ بہ شبهات...وزیری

واقعہ عاشورا و پاسخ بہ شبهات...وزیری

مرجعیت دینی اهلبیت علیهم السلام و پاسخ بہ شبهات...وزیری

نگاهی بہ مسیحیت و پاسخ بہ شبهات...وزیری

سلسلہ مباحث شناخت وہابیت

اب کا نام — چاپ

ابن تیمیہ مؤسس افکار وهابیت..رقعی

توسل........................رقعی

خدا از دیدگاه وهابیان.........رقعی

کتاب کا نام — چاپ

۳۲۔زیارت قبور..............رقعی.

۳۳۔فتنہ وهابیت..............جیبی

۳۴۔مبانی اعتقادی وهابیان.....رقعی

۳۵۔موارد شرک از دیدگاه وهابیان..رقعی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتاب کا نام — چاپ

۳۶۔پیامبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وحقوق زن....رقعی

۳۷۔پیامبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ صلح طلب.......رقعی

۳۸۔تاریخ پیامبر اسلامؐ (دو جلدیں).وزیری

۳۹۔چهل حدیث برگزیده از پیامبر اعظمؐ...جیبی

۴۰۔محمد رسول اللہ.................رقعی

امام علی علیہ السلام و حضرت زہرا سلام اللہ علیہا

کتاب کا نام — چاپ

۴۱۔امامت و ولایت حضرت علیؑ ....وزیری

۴۲۔تاریخ امیر المؤمنینؑ (دو جلدیں)..وزیری

۴۳۔حکومت و رهبری از نهج البلاغه..رقعی

کتاب کا نام	چاپ
۔فوز اکبر........................	وزیری
۔کرامت ھای حضرت مھدیؑ.	رقعی
۔کمال الدین وتمام النعمۃ (دوجلدیں)..	وزیری
۔گفتمان مھدویت...........	رقعی
۔مسافر گمشدہ................	پالتوی
۔مکیال المکارم (دوجلدیں)...	وزیری
۔منجی موعود از منظر نھج البلاغہ...	رقعی
۔مھدیؑ تجسم امید	رقعی
۔مھر بیکران..........................	رقعی.
۔نجم امید (اردو)............	پالتوی
۔نشانہ ھای ظھوراو.......	وزیری
۔وجود امام مھدیؑ از منظر قرآن وحدیث..	رقعی
۔وظائف مادر عصر غیبت.......	رقعی
۔وعدۂ دیدار....................	رقعی.
۔ھر اروپک نکتہ پیرامون امام زمانؑ.	وزیری
۔یاد مھدیؑ...................	وزیری

عقائد، معاد و رجعت

کتاب کا نام	چاپ
۔حلیۃ المتقین	وزیری
۔رجعت یا حیات دوبارہ...	وزیری
۹۰۔منازل الآخرۃ................	رقعی

مختلف زبانوں میں ترجمہ شدہ کتابیں

کتاب کا نام	چاپ
۔امام رضا، امام مھدی وحضرت معصومہ علیہم السلام (روسی)...	رقعی
۔تاریخچہ مسجد مقدس جمکران (اردو)..	رقعی
۔تاریخچہ مسجد مقدس جمکران (انگریزی)..	رقعی
۔تاریخچہ مسجد مقدس جمکران (عربی)..	رقعی
۔در انتظار منجی (روسی)..........	رقعی
۔عقد الدرر (عربی)............	وزیری
۔غدیر خم (روسی)...............	پالتوی
۔معجم توقیعات الامام المھدیؑ (عربی).	وزیری
۔منتخب الادعیہ والزیارات (عربی)..	رقعی
۱۰۰۔ناپیدا ولی باما (انگریزی)......	جیبی
۱۰۱۔ناپیدا ولی باما (عربی)......	پالتوی
۱۰۲۔ینابیع الحکمۃ (عربی/۵ جلدیں)..	وزیری
۱۰۳۔صبح امید (اردو)...........	پالتوی

امام حسن وامام حسین علیہما السلام

کتاب کا نام ... چاپ

تاریخ سید الشہداءؑ.........وزیری

در کربلا چہ گذشت؟.....وزیری

سحاب رحمت............وزیری

منشور نینوا..................وزیری

حضرت عباس وحضرت زینب علیہما السلام

کتاب کا نام ... چاپ

پرچمدار نینوا..................رقعی

ویژگی ھای حضرت زینب علیہا السلام..وزیری

امام رضا وامام عسکری علیہما السلام

کتاب کا نام ... چاپ

آخرین خورشید پیدا..........رقعی

اہل بیت علیہم السلام

کتاب کا نام ... چاپ

اھل بیت علیہم السلام از دیدگاہ اھل سنت...رقعی

شرح زیارت جامعہ کبیرہ......وزیری

کتاب کا نام ... چاپ

۔ارتباط معنوی با حضرت مھدیؑ..وزیری

۔وزروب عاشورای حسینی تا ظہور مھدیؑ ..رقعی

۔امامت وغیبت..................رقعی

۔امام مھدی در کلام امام علیؑ ..جیبی

۔انتظار چیست؟ منتظر کیست؟.....رقعی

۔پرچم ھدایت..................رقعی

۔تولد حضرت مھدیؑ ....رقعی

۔حضرت مھدیؑ فروغ تابان ولایت..رقعی

۔حکومت حضرت مھدیؑ ....رقعی

۔خوشہ ھای طلایی...........وزیری

۔دفاع از مھدویت............رقعی

۔ذخیرۂ خدا....................پالتوی

۔نگرانی مراجع در مسجد جمکران...رقعی

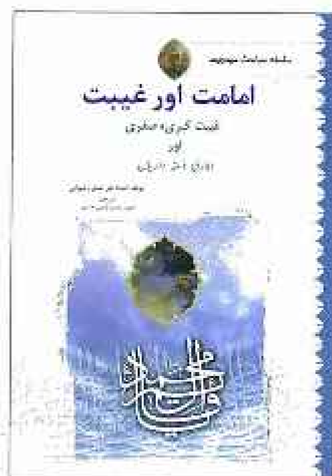
۔سیمای جہان در عصر امام زمانؑ ..وزیری

۔شرح چھل حدیث حضرت مھدیؑ (اردو)..رقعی

۔ظہور حضرت مھدیؑ از دیدگاہ ادیان..وزیری

۔عریضہ نویسی...................رقعی

۔فلسفۂ حکومت عدل جہانی....رقعی


امامت اور غیبت


The Saviour Foundation


انتشارات
مسجد مقدس جمکران